ترتیب
مسعود احمد الاعظمی

ناشر
دار الثقافة الاسلامية
مئو، ۲۷۵۱۰۱، یوپی (انڈیا)

خطباتِ ابوالمآثر

یعنی

محدث جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ

کے مواعظ اور تقریروں کا بیش قیمت مجموعہ

ترتیب

مسعود احمد الاعظمی

ناشر

دارالثقافۃ الاسلامیہ، مئو، یو۔پی انڈیا

نام کتاب	:	خطباتِ ابوالمآثر
ترتیب	:	مسعود احمد الاعظمی
صفحات	:	۲۲۴
سن اشاعت	:	۱۴۳۷ھ = ۲۰۱۶ء
طبع اول	:	۱۰۰۰
قیمت	:	۱۲۴/=
طباعت	:	شیروانی آرٹ پرنٹرز، دہلی

......ناشر

دار الثقافۃ الاسلامیۃ، مئو، یوپی، ۲۷۵۱۰۱

......ملنے کے پتے

مدرسہ مرقاۃ العلوم، پٹھان ٹولہ، مئو

فون نمبر 0547-2220469، پن کوڈ نمبر ۲۷۵۱۰۱، یوپی، انڈیا

مئو کے دیگر کتب خانے

فہرست مضامین

کلمۂ تشکر

از: حضرت مولانا رشید احمد الاعظمی دامت برکاتہم
خلف الرشید حضرت محدث الاعظمیؒ

نہایت مسرت اور شکر کا مقام ہے کہ سیدی الوالد محدث جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ اور خطبات کا اہم مجموعہ خواہر زادۂ عزیز ڈاکٹر مسعود احمد سلمہ کی کوشش اور محنت سے مرتب ہوکر طباعت کے لیے تیار ہے، اور عنقریب ان شاء اللہ طباعت سے ہم کنار ہوکر قدردانوں کے ہاتھوں میں ہوگا۔

یہ بات کوئی مخفی نہیں ہے کہ حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ جس طرح درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور تحقیق وتعلیق میں غیر معمولی ید طولی رکھتے تھے، اسی طرح آپ کا وعظ اور تقریر بھی مشہور خلائق تھا۔ آپ کا ہر وعظ نہایت جامع اور مؤثر ہوا کرتا تھا، اور سننے والوں کے دل کی گہرائیوں میں اتر جایا کرتا تھا۔ رمضان کے جمعوں میں اس ماہ مبارک کے فضائل اور اس کے فیوض وبرکات پر وعظ وتقریر کا آپ کو بہت اہتمام تھا، اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً اور موقع موقع سے جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے بعد آپ کی تقریریں ہوتی تھیں۔ شہر کے مختلف محلوں میں وہاں کے لوگوں کے تقاضے پر مغرب کی نماز کے بعد اکثر وبیشتر آپ کے وعظ ہوتے، شہر کے علاوہ مضافات اور علاقے میں بھی لوگ وقتاً فوقتاً جلسے منعقد کیا کرتے تھے، اور حضرت کی اصلاحی تقریریں ہوا کرتیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر حضرت نے زندگی بھر بے جھجک اور بے لوث عمل کیا۔ خلاف شرع امور کو برداشت کرنا آپ کے لیے گوارا نہیں تھا، معاشرے کے اندر کسی خلاف شریعت کام یا رواج کو سن کر

خاموش رہنا آپ کے لیے ممکن نہیں تھا، جمعہ کے وعظ میں یا کسی اور موقع سے اس پر نکیر کرتے۔ آپ کی تقریریں خالص اصلاحی ہوتی تھیں، اور بالکل سادہ اور عام فہم زبان میں ہوتی تھیں، اگر آپ کی تمام تقریریں اور مواعظ کو محفوظ رکھنے کا اہتمام رہا ہوتا تو یہ خطبات کئی جلد میں شائع ہوتے، لیکن آپ کے مواعظ کا بیشتر زمانہ تو وہ تھا جب ٹیپ وغیرہ کا زیادہ رواج اور چلن نہیں تھا، اور ٹیپ ریکارڈر کے آنے کے بعد بھی محفوظ رکھنے کا جیسا اہتمام چاہئے تھا وہ نہیں کیا گیا۔ ورنہ دینی مجالس اور اصلاحی مواعظ کا ایک گراں قدر ذخیرہ جمع ہوگیا ہوتا۔

بہرحال جتنا محفوظ ہے اس کو طبع کرا کر شائع کرنے اور عوام کے ہاتھوں تک پہنچانے کی عزیز موصوف کی طرف سے کوشش ہوئی ہے، یہ ایک بہت ہی مبارک اور قابل قدر کوشش ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے عزیز موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی اس اہم محنت اور کاوش کو قبول فرمائے، اور اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ نفع بخش اور مفید بنائے، آمین۔

تاثرات

از: حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند

''خطبات ابوالمآثر'' محدث جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی نوراللہ مرقدہ کے منتخب مواعظ اور خطبات کا مجموعہ ہے، جسے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سعادت مند نواسے جناب مولانا ڈاکٹر مسعود احمد اعظمی نے مرتب کیا ہے۔ ڈاکٹر مسعود احمد اعظمی کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں کہ یہ اپنے گراں قدر ماموں اور حضرت محدث جلیلؒ کے نسبی وروحانی وارث حضرت مولانا رشید احمد صاحب اعظمی دامت برکاتہم کی سرپرستی اور نگرانی میں حضرت محدث جلیل رحمۃ اللہ علیہ کے علوم ومعارف کے احیاء اور نشر واشاعت کے لیے برابر کوشاں رہتے ہیں۔

پیش نظر مجموعۂ خطبات میں کچھ بیانات طلبہ اور علماء کرام کے مجمع میں ہوئے ہیں، بطور خاص اس مجموعہ کے پہلے اور دوسرے بیان کو اس کی مثال میں پیش کیا جاسکتا ہے، جن کا تعلق بخاری شریف کے پہلے اور آخری درس سے ہے۔ ان بیانات میں حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ کی محدثانہ شان اور جلالت علمی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ سنت وبدعت، اتباع سنت، تعلیم نسواں اور مسلم پرسنل لا کے عنوان پر جو بیانات ہوئے ہیں، وہ بھی نہایت معلومات افزا اور فکر انگیز ہیں، اور ان کے علاوہ اکثر بیانات رمضان المبارک میں یا دیگر ایام میں امت کی دینی واخلاقی رہنمائی سے متعلق وعظ وتذکیر پر مشتمل ہیں۔

بڑے مولانا (حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نوراللہ مرقدہ) کے بیانات جن حضرات کو براہ راست سننے کا موقعہ ملا ہے، وہ جانتے ہیں کہ حضرت کے بیانات حشو وزوائد سے پاک، خالص آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی تشریحات اور امت کے عملی، اخلاقی اور روحانی امراض

کی تشخیص اوران کے علاج پر مشتمل ہوتے تھے،ستائش اورصلہ سے بے نیاز ہوکر بلاخوف لومۃ لائم حق گوئی حضرت مولاناؒ کا خاص مزاج تھا،ایک وعظ کے اختتام پر خودفرماتے ہیں:

’مجھ کوایساوعظ کہنانہیں آتا کہ میں وعظ کہوں،تو لوگ کہیں کہ بہت اچھی تقریر کی،خوب دلچسپ وعظ کہا، مجھے دلچسپ وعظ نہیں کہنا ہے، مجھ کوتو وہ وعظ کہنا ہے، جس سے ہماری تمھاری زندگی بنے، اور آخرت میں پوری پوری نجات ہم کومل جائے، اللہ رب العزت راضی ہوجائے، چاہے میرا وعظ تم کو پسند ہو یا ناپسند ہو، اس کی پرواہ نہیں ؛مگر میں تم کواس راہ پر لے چلنا چاہتا ہوں، جس راہ میں سلامتی ہو،عذاب الٰہی سے بچاؤ ہو، جس میں اللہ رب العزت کی خوشنودی ہو،اس طریقہ کے اوپرتم روزہ رکھو، اس طریقہ پر نماز پڑھو، اوراسی طریقے پر ہمارے تمھارے معاملات ہوں، اللہ تعالیٰ توفیق عطافرمائے، آمین‘ (خطبات ابوالمآثر ص:۹۶)

آپ کو یہی انداز خطابت پوری کتاب میں ملے گا، اورآپ خود ”از دل خیزد بر دل ریزد“ کا مشاہدہ کریں گے۔

دوران مطالعہ یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ یہ خطبات اصالۃً تقریر ہیں،تحریر نہیں ہیں؛ اس لیے لب ولہجہ گفتگواور خطاب کا ہے، جس میں عالمانہ وقاراور دردمندی کے ساتھ سادگی اور بے تکلفی کا عنصر بھی نمایاں نظر آتا ہے؛ بلکہ بعض مقامات پر مخاطبین کی رعایت کرتے ہوئے علاقائی اور مقامی تعبیرات بھی اختیار فرمائی گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا نوراللہ مرقدہ کا علمی وروحانی فیض جاری وساری رکھے، اوران کے پسماندگان کوحضرت کے علمی باقیات سے امت کوزیادہ سے زیادہ واقف کرانے کی توفیق بخشے، آمین۔

ابوالقاسم نعمانی غفرلہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
۲۱/۵/۱۴۳۷ھ

تاثرات

از:حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی مفتی دارالعلوم دیوبند

صاحب خطبات: میرے مربی ومحسن نے ایک دفعہ مجھے نصیحت فرمائی تھی کہ کسی کتاب کے مطالعہ کاارادہ کرو،تو دو باتوں کی تحقیق کرلو کہ اس کتاب کا مصنف عالم باعمل اور عالم محقق ہے یا نہیں؟ اگر اس کتاب کا مصنف دونوں اوصاف کے ساتھ متصف ہے تو اس کتاب کا مطالعہ کرو۔ مصنف اگر عالم محقق ہوگا تو تمھیں تحقیقی باتیں کتاب میں ملیں گی، تمھیں علمی فائدہ پہنچے گا؛ اور عالم باعمل ہوگا تو اس کتاب کے پڑھنے سے تمھیں عملی فائدہ ہوگا،مصنف کی کتاب ناظرین پرعکاسی کا کام کرتی ہے۔

الحمدللہ صاحبِ خطبات دونوں وصف کے ساتھ متصف تھے۔ جو باتیں آپ کے مواعظ حسنہ میں قلم بند کی گئی ہیں، بلاشبہہ علمی وتحقیقی لعل وجواہر ہیں،لعل وجواہر جہاں بھی ہوں اہل نظر کے لیے متاع دل وجان ہوتے ہیں۔آپ کے سبھی مواعظ وخطبات علمی وتحقیقی وقعت کے پیش نظر دینی وعلمی حلقوں میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔آپ کی تبحر علمی، بالخصوص علم حدیث اور اسماء رجال میں وسعت نظری اہل علم کے درمیان مسلّم ہے،عرب وعجم سب ہی آپ کے مداح ہیں۔

آپ کی شخصیت جامع کمالات تھی،علم وعمل، زہد وتقویٰ، شریعت وطریقت کے مجمع البحرین تھے۔علم ومتانت اورصورت وسیرت میں اسلاف کا نمونہ تھے۔ بلاشبہہ آپ کے مواعظ سے علمی وتحقیقی فائدہ بھی ناظرین کو ہوگا، اور دینی وعملی فائدہ بھی حاصل ہوگا۔ہم خرما وہم ثواب! قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔

ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کی یہ پیش رفت قابل ستائش ہے، اللہ تعالیٰ اسے قبولیت سے نوازے اور اس کے فیوض کو عام وتام بنائے، اور انھیں بہت بہت جزائے عطا فرمائے، آمین۔

حبیب الرحمٰن خیرآبادی
مفتی دارالعلوم دیوبند
٢١ر جمادی الثانیہ ١٤٣٧ھ

پیش لفظ

محدث جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی نور اللہ مرقدہ کے مواعظ اور تقریروں کا مجموعہ ہدیۂ ناظرین ہے۔ یہ بات اہل نظر سے مخفی نہیں ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دین اور علم دین کی ہمہ جہت خدمت انجام دی ہے۔ درس وتدریس، تعلیم وتربیت، تصنیف وتالیف اور تحقیق وتعلیق کے ساتھ آپ نے تزکیہ واصلاح اور دعوت وارشاد کا بھی عظیم الشان فریضہ انجام دیا ہے۔ قدرت کی طرف سے جو خوبیاں نہایت فیاضی کے ساتھ آپ کو عطا کی گئی تھی، ان میں ایک نہایت اہم خوبی اور ملکہ وعظ وتقریر کا تھا، آپ کی تقریروں میں شعلہ بیانی نہیں ہوتی تھی۔ آپ کا وعظ نہایت سادہ، سہل، عام فہم، مگر سوز وگداز اور تاثیر سے بھرپور ہوتا تھا، اور سننے والوں پر اس کو سن کر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہوجایا کرتی تھی۔ اکثر وبیشتر جمعہ کے دن جمعہ کی نماز بعد آپ وعظ فرمایا کرتے تھے، رمضان میں اس کا زیادہ اہتمام ہوا کرتا تھا، رمضان میں شاید ہی کبھی ایسا ہوتا کہ جمعہ کی نماز کے بعد آپ کا وعظ یا تقریر نہ ہوتی ہو۔ آپ کے مواعظ کو سننے کے لیے دور دراز سے لوگ آیا کرتے تھے اور مسجد کو اپنی وسعت کے باوجود تنگ دامنی کا شکوہ ہونے لگتا تھا۔ آپ کا پُر تاثیر وعظ سننے کے لیے نہ صرف مئوشہر؛ بلکہ مضافات اور قرب وجوار کے قصبات سے بھی بڑی تعداد میں لوگ آکر آپ کی مسجد میں نماز پڑھتے اور آپ کے مواعظ اور فیوض وبرکات سے مستفیض ہوتے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا خاص وصف تھا، اور اس میں کسی قسم کی مداہنت گوارا نہیں تھی، جس طرح عوام کو فرائض وواجبات اور شریعت کے احکام کی طرف متوجہ کرتے اور ان پر عمل کی ترغیب دیتے، اسی طرح منکرات اور خلاف شریعت

باتوں پر بے جھجک نکیر فرماتے۔ کسی حاذق حکیم کی طرح آپ کی انگشت مبارک معاشرے
اور امت کی نبض پر ہوتی، اور گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر بھی معاشرے اور سوسائٹی میں واقع
ہونے والی باتوں پر نگاہ رکھتے، ممکن نہیں تھا کہ معاشرے میں پنپنے والی کسی برائی یا خلاف
شریعت امر کا آپ کو علم ہو اور اس کو سن کر خاموش رہ جائیں۔ چاہے اس کا تعلق لوگوں کی
انفرادی زندگی سے ہو، یا اجتماعی زندگی سے؛ عبادت سے ہو یا بیع وشرا اور تجارت سے؛ یا
شادی، بیاہ اور اس جیسی دیگر تقریبات سے؛ یا اس کا تعلق اداروں اور درس گاہوں سے ہو۔
رمضان کے علاوہ سال کے باقی جمعوں میں اکثر ان اجتماعی یا معاشرتی امور سے متعلق آپ
کے مواعظ اور تقریریں ہوا کرتی تھیں۔ خلاف شریعت امور پر ناگواری اور نکیر کی ایک مثال
نقل کر دینا کافی ہوگا، مولانا محمد عثمان صاحب معروفیؔ تحریر فرماتے ہیں:

''صحن احیاء العلوم میں اجلاس تھا، اسٹیج کے پیچھے دیوار پر دو خوبصورت
بنارسی ساڑیاں لگی ہوئی تھیں، حضرت نے ابتداء میں اس پر نکیر کی اور فرمایا کہ یہ
زیبائش وآرائش کیا اسراف میں داخل نہیں ہے''؟ (ترجمان دار العلوم، اکتوبر
۱۹۹۶ء، ص: ۲۰، حیات ابوالمآثر: ۱/۴۹۷)

دنیا جانتی ہے کہ حضرت ؒ کا مزاج خالص علمی وتحقیقی تھا، درس ومطالعہ آپ کی
روحانی غذا تھی، اور

فراغتے وکتابے وگوشۂ چمنے

سے زیادہ کوئی چیز آپ کو عزیز نہیں تھی؛ لیکن امت کی اصلاح وتربیت کی فکر میں دینی جلسوں
میں بھی آپ خوش دلی کے ساتھ شریک ہوا کرتے تھے۔ مئوشہر کے مختلف محلوں میں وہاں کے
لوگوں کی خواہش پر مغرب کی نماز کے بعد سے عشاء کے وقت تک آپ کے اکثر وبیشتر
مواعظ ہوتے، قرب وجوار کے قصبات میں بھی اس طرح کی تقریبات منعقد ہوا کرتیں۔
ان سب مواقع پر آپ کا موضوعِ گفتگو اور مرکز توجہ عموماً امت کی اصلاح، نیکی اور بھلائی کی

ترغیب، کار خیر پر تحریک اور منکرات پر نکیر ہوا کرتا۔

مدارس کے اندر ختم کی تقریبات، مدارس ومساجد کے سنگ بنیاد یا افتتاحی
تقریبات کے موقعوں پر بھی لوگوں کی دعوت پر آپ تشریف لے جاتے، اور موقع ومقام کی
مناسبت سے وعظ وتذکیر اور تقریر فرماتے۔

اس طرح خدا جانے کتنے خطبات اور مواعظ آپ کی زبان مبارک سے نکلے
ہوں گے، اگر اس کا عشر عشیر بھی محفوظ ہوتا، تو ایک اہم اور قابل قدر ذخیرہ ہمارے سامنے
موجود ہوتا، لیکن اس وقت ریکارڈنگ کے آج کی طرح وسائل وذرائع نہیں تھے کہ اس کا
اہتمام ہوتا، اور بعد میں جب لوگوں نے اس کا کچھ اہتمام کیا، تو وہ بھی سب محفوظ نہیں رہ
سکے، کچھ کیسٹ ضائع ہو گئے، کچھ خراب ہو گئے، جو دستبرد زمانہ سے بچ گئے، ان میں سے
بہت سی تقریریں نقل کر کے مجلّہ ''المآثر'' میں شائع کی گئیں۔ وہ سب اور ان کے ساتھ کچھ
اور مواعظ وخطبات شامل کر کے یہ مجموعہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔

''المآثر'' میں شائع ہونے والی بیشتر تقریریں راقم کے ماموں زاد بھائی مولانا
انور رشید الاعظمی استاذ مدرسہ مرقاۃ العلوم کے ہاتھوں نقل کی گئی تھیں، خداوند قدوس اس کا ان
کو اجر جزیل عطا فرمائے، آمین۔

حضرت ؒ کی تقریروں کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ وقت اور ماحول کے متعلق
ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت جامع، بلیغ اور مدلّل ہوا کرتی تھیں، آپ ویسے بھی خاموش طبع
اور کم گو تھے، زیادہ بولنا پسند نہیں فرماتے تھے، جس کا اثر آپ کے مواعظ پر بھی ہوتا، بوقت
ضرورت اور موقع ومقام کی مناسبت سے کبھی کبھی آپ کا وعظ قدرے طویل بھی ہوتا تھا۔

آپ کے وعظ کی جامعیت پر حضرت مولانا مفتی محمد یسین صاحب مبارک پوریؒ
-متوفی ۱۴۰۴ھ=۱۹۸۳ء- نے نہایت جامع تبصرہ کیا ہے کہ:

''ان کا وعظ یا تقریر ایک مہذّب اور جامع متن کے درجہ میں ہوتا ہے، جو

حشو وزوائد سے پاک ہوتا ہے اور جس کی لمبی شرح کی جاسکتی ہے؛ دوسری خوبی آپ کے بیان میں یہ ہوتی ہے کہ دوسری بات پہلی بات کی دلیل ہوا کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی تقریر کو اہل علم بہت دلچسپی سے سنتے ہیں‘‘۔(ترجمان دار العلوم،ص:۲۱،حیات ابوالمآثر:۱/۴۹۷-۴۹۸)۔

یہ بات بلا مبالغہ کہی جاسکتی ہے کہ حضرت محدث الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ اس دور کے بے مثال مقرر اور خطیب تھے، آپ کی خطابت پر سادگی اور متانت بلائیں لیتی تھی۔ یہ خطبات جو ہمارے پیش نظر ہیں، ان پر چوتھائی صدی اور اس سے زیادہ کا زمانہ گزر چکا ہے، لیکن ان کی معنویت، تازگی اور اثر آفرینی میں کوئی کمی نہیں ہے؛ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان کی ضرورت اس وقت پہلے سے زیادہ ہے۔

راقم نے مناسب سمجھا کہ ہر تقریر کا اس کے موضوع کے لحاظ سے عنوان منعقد کر دیا جائے، اسی طرح پڑھنے والوں کی سہولت اور آسانی کے لیے ذیلی عنوانات کا بھی اہتمام کیا گیا ہے، تا کہ اس سے استفادہ میں زیادہ سے زیادہ آسانی ہو سکے۔ لہذا یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ عنوانات چاہے وہ مرکزی ہوں یا ذیلی ہوں، سب بعد میں لگائے گئے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو ’’المآثر‘‘ کے مدیر اول حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ اس وقت لگائے گئے تھے، جب وہ خطبات ’’المآثر‘‘ میں شائع ہوئے تھے۔ بعد میں جو خطبات قلم بند ہوئے، یا ’’المآثر‘‘ میں بھی شائع ہوئے، مگر بغیر عنوان کے ہوئے، تو ان پر راقم نے عنوان لگانے کا اہتمام کیا ہے۔

ان مواعظ میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ آئی ہیں، حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ حدیث کی کتابوں سے مراجعت کر کے ان کا حوالہ دے دیا جائے۔ یہ یا اس کے علاوہ جتنے حواشی اس کتاب میں ہیں، وہ احقر کی کاوش کا نتیجہ ہیں۔

آخر میں ہدیۂ تشکر و امتنان پیش کرنا چاہتا ہوں اپنے ان بزرگوں کو جنھوں نے

کتاب پر نظر فرما کر اپنے تاثرات قلم بند فرمانے کی زحمت گوارا فرمائی۔ خال محترم حضرت مولانا رشید احمد صاحب الاعظمی دامت برکاتہم خلف الرشید حضرت محدث الاعظمیؒ جن کی توجہات اور عنایات ہمیشہ راقم پر مبذول رہی ہیں۔ حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم جنھوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات اور ہجوم اشغال کے باوجود نہ صرف پورے مسودے پر نگاہ ڈالی، بلکہ کتابت وکمپوزنگ کی بعض غلطیوں کی نشان دہی بھی فرمائی اور پھر مراحم خسروانہ سے کام لیتے ہوئے اس پر بیش قیمت تاثرات قلم بند فرمائے۔ اسی طرح حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی دامت برکاتہم جنھوں نے تدریس وافتا کے غیر معمولی مشاغل کے باوجود مسودہ کو دیکھ کر اس پر اپنے وقیع تاثرات تحریر فرمائے ہیں۔ اسی طرح برادر مشفق ومحسن مولانا ازہر رشید الاعظمی مدظلہ نے بھی پورے مسودے پر نگاہ ڈال کر کہیں کہیں کمپوزنگ کی غلطیاں رہ گئی تھیں، ان کی نشاندہی فرمائی۔ اللہ تعالی ان سب حضرات کو نیز جس کا بھی جس طرح اس کام میں تعاون رہا ہو اس کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

مسعود احمد الاعظمی

۱۴/رجب ۱۴۳۷ھ

۲۲/اپریل ۲۰۱۶ء

علم کی فضیلت اور تحصیل علم کے آداب

[حضرت کا یہ بیان مدرسہ عربیہ بیت المعارف الہ آباد میں ہوا تھا، اور ایک کتابچہ کی شکل میں شائع کیا گیا تھا، ہم نے اسی کتابچہ سے اس کو لے کر یہاں نقل کیا ہے، اس پر ناشر کا نام ''عبد المجیب ناظم مدرسہ ہذا'' تحریر ہے، اور اس کی تمہید میں لکھا ہوا ہے:

''مورخہ ۳/شعبان المعظم ۱۳۹۸ھ یوم یکشنبہ کو محدث دوراں ابو المآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی دامت برکاتہم کا ورود مسعود ہمارے مدرسہ میں ہوا اور ہم لوگوں کی خواہش اور درخواست پر حضرت مولانا دامت برکاتہم نے باوجود ضعف وعلالت کے نماز مغرب کی امامت بھی فرمائی اور بعد نماز مغرب بیان بھی فرمایا، جس میں طلبہ اور اساتذہ کے علاوہ اچھی خاصی تعداد میں اہل شہر بھی شریک تھے، جو ہم سبھی کے لیے بالخصوص طلبہ کے لیے بہت ہی مفید اور کارآمد ہے، اس لیے یہاں اس کو بعینہ درج کیا جاتا ہے''۔]

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، نَحْمَدُہٗ، وَنَسْتَعِیْنُہٗ، وَنَسْتَغْفِرُہٗ، وَنُؤْمِنُ بِہٖ، وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَیِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلا مُضِلَّ لَہٗ، وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلا ھَادِیَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ أَنْ لَّا إِلٰـہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لا شَرِیْکَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ أَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، أَرْسَلَہٗ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا. أمابعد!

اس وقت مجھ سے یہ کہا گیا کہ نماز کے بعد طلبہ کے سامنے کچھ باتیں کہی جائیں، تو خصوصیت کے ساتھ طلبہ کی جماعت ہی کو نگاہ میں رکھ کر اس وقت چند باتیں کہنا چاہتا ہوں۔

علم کی فضیلت:

علم بہت بڑی دولت ہے، جس کی نسبت کہا جاتا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اس

دولت میں سے جتنا ہی خرچ کیجیے اتنا ہی بڑھتی ہے۔ دوسری دولتیں تو ایسی ہیں جو خرچ کرنے سے کم ہوتی ہیں؛ مگر علم ایسی دولت ہے کہ خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا؛ بلکہ جتنا خرچ کیا جاتا ہے اتنا ہی بڑھتا ہے، اور یہ ایسی عظیم الشان چیز ہے اور اس قدر فضل وبڑائی کی چیز ہے کہ سردار انبیاء جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی اور چیز کی زیادتی کی دعا نہیں فرمائی؛ مگر علم کی زیادتی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو حکم ہوا کہ ﴿قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا﴾ (آپ کہیے کہ اے میرے پروردگار میرے علم میں ترقی دے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم کی زیادتی مطلوب ہے، اور صرف عامۃ الناس ہی نہیں؛ بلکہ حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اور جو سردار انبیاء ہیں وہ بھی اس کے محتاج ہیں کہ زیادت علم کی درخواست حق تعالیٰ کے سامنے کریں۔ اس لیے طلبہ کو میں بتانا چاہتا ہوں کہ زیادت علم جب اتنی بڑی چیز ہے تو ہم سے اور تم سے بہت کچھ قربانیاں بھی چاہے گا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے، انھوں نے یہ فرمایا ہے کہ علم اپنے میں سے تم کو تھوڑا سا حصہ اس وقت تک نہیں دے گا جب تک تم اپنا کُل اس کو نہ دے دو۔ یعنی جب تم اپنا سب کچھ اس پر قربان کر دو گے تو علم اپنے میں سے کچھ حصہ تم کو دے گا؛ مگر یہاں عام شکایت ہے کہ جو قربانیاں اس کے لیے چاہئیں وہ ہم پیش نہیں کرتے۔ ہم میں آرام طلبی ہے، ہم میں طلب راحت ہے، ہم چاہتے ہیں کہ بہت مشقت نہ اٹھانی پڑے؛ اس لیے آپ دیکھیں گے، کہ عموماً طلبہ کا یہ حال ہو گیا ہے کہ رات کو مطالعہ کر کے اپنے امکان اور طاقت بھر جتنا کتاب کا مطلب نکال سکیں نکال کر پھر دوسرے دن استاد کے سامنے کتاب پڑھ کر اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کریں، ایسا بہت کم ہو گیا ہے۔ کثرت سے ایسے طلبہ ہیں جو مطالعہ نہیں دیکھتے، اور بہت کم ایسے طلبہ ہیں جو اس راہ میں قربانی کا جذبہ رکھتے ہوں۔ عام طور پر یہ حال ہو گیا ہے کہ اگر کھانے کو اچھا نہ ملے تو مدرسہ چھوڑ دیں، ان کو عیش وراحت کا ساز وسامان نہ ملے تو کسی دوسرے مدرسہ کا رخ کریں گے۔ تو یاد رکھو یہ طریقہ بہت غلط ہے، اس سے علم نہیں حاصل ہو سکتا؛ اور اس بات کو اچھی طرح

ذہن نشین کرو کہ جب تم بہت سی قربانیاں اس کے لیے پیش کرو گے، تب تھوڑا سا علم تم کو آوے گا (اور علم ایسی عظیم الشان چیز ہے کہ اس کا تھوڑا بھی دنیا و مافیہا سے بڑھ کر ہے)۔

علم تواضع سے آتا ہے:

میں تم کو بتانا چاہتا ہوں کہ صحیح بخاری میں ہے، حدیث نہیں ہے، مقولہ ہے؛ مگر صحیح بخاری میں ہے کہ دو قسم کے لوگوں کو علم نہیں حاصل ہو سکتا، ایک وہ انسان جو شرم کرے، اور دوسرے وہ جو متکبر ہو، اس میں نخوت ہو، اپنے کو بڑا سمجھے؛ اس لیے کہ علم کے لیے ضرورت ہوگی تواضع کی، علم کے لیے ضرورت ہوگی جھکنے کی، علم کے لیے ضرورت ہوگی نیازمندانہ پیش آنے کی؛ لہٰذا جب تم میں بڑائی ہوگی، تو علم تمھارے پاس آنے سے اِباء کرے گا، اور شرم ہوگی تو تم کو طلب اور سوال میں شرم آئے گی، جو محرومی کا سبب ہوگی۔

سوال کا سلیقہ ہونا چاہئے:

اسی سلسلہ میں یہ بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ: إِنَّمَا شِفَاءُ العِيِّ السُّؤالُ [1] (جہل اور عجز کا علاج سوال اور پوچھنا ہے)۔ آج ہم میں پوچھنے پاچھنے کی عادت بھی مفقود ہو گئی ہے۔ طلبہ کو ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے استاد کے سامنے کتاب کی عبارت پڑھی اور استاد نے سر اٹھا کر ایک تقریر کر دی، پھر طالب علم کو سمجھ میں آئے یا نہ آئے، وہ کتاب بند کر کے چلا جاتا ہے؛ حالانکہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ جو چیز سمجھ میں نہ آئے اس کو پوچھے۔ پھر پوچھنے کے بارے میں بھی مجھ کو یہ بتانا ہے کہ ہر چیز کا ایک ڈھنگ اور سلیقہ ہوتا ہے، اس ڈھنگ سے وہ چیز حاصل ہوگی۔ سوال اگر سلیقے سے ہوگا تو مفید ہوگا، اور جو سوال بے سلیقہ ہوگا وہ غیر مفید ہوگا۔ بہت سے لوگ سوال کے شائق ہیں، تو میں نے ان کو دیکھا کہ کوئی آدمی مسافر مہمان، ان کو مل جاتا ہے، تو اس کے سامنے سوالات کی بھرمار کر دیتے ہیں۔ یہ طریقہ ہماری اسلامی تہذیب اور اسلامی معاشرت کے جو آداب

(۱) ابوداود: باب في المجروح يتيمم/ ۱۴۶

ہیں، اس کے خلاف ہے۔ تحصیل علم کے جو آداب ہیں، اس میں سوال کے متعلق ہم کو یہ ادب سکھایا گیا ہے کہ انسان کو سوال کا موقع تلاش کرنا چاہیے، استاد اور معلم کے نشاط کو دیکھنا چاہیے کہ وہ مطمئن ہے یا نہیں؟ وہ راحت کے ساتھ ہے یا نہیں؟ کسی پریشانی اور عدم نشاط کی حالت میں سوال نہ کرنا چاہیے۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنا ایک واقعہ خود بیان کیا ہے، کہ بہت دنوں سے ایک آیت کے بارے میں میرے دل میں ایک سوال پیدا ہو رہا تھا، ایک قسم کی کھٹک تھی اور میں جانتا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کا حل فرما سکتے ہیں؛ مگر میں انتظار کرتا رہا کہ مناسب موقع ملے اور نشاط کی حالت ہو تو ان سے دریافت کروں، اسی انتظار میں سالوں بیت گئے، مجھے اِس وقت اُس مدت کی مقدار یاد نہیں مگر طویل مدت بیان کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ عرصہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مجھے حج کا اتفاق ہوا اور واپسی میں ایک منزل پر قیام ہوا، تو وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رفع حاجت کا تقاضا ہوا، میں نے ان کے لیے ڈھیلے وغیرہ مہیا کیے، پھر آ کر بیٹھ گیا، قضائے حاجت کے بعد ان کے لیے وضو کا پانی لایا، جب وہ وضو سے فارغ ہوئے، تو میں نے محسوس کیا کہ حضرت عمرؓ نشاط میں ہیں، جس کو آج کل کی زبان میں لوگ کہتے ہیں کہ موڈ میں ہیں، تو اس وقت میں نے وہ سوال ان کے سامنے پیش کیا اور انھوں نے جواب مرحمت فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ سوال کا یہ طریقہ ہے، اور جب اس کا اہتمام کیا جاتا تھا تو اسی درجہ کا علم بھی حاصل ہوتا تھا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا علمی اعتبار سے صحابہ میں جو مقام ہے ظاہر ہے، وہ اسی ادب کا نتیجہ تھا۔

یہی چند باتیں ہیں جو میں طلبہ کو نصیحۃً بتانا چاہتا ہوں، اگر ان کو اختیار کرو گے تو تم کو علم نافع حاصل ہوگا۔

....

اور باقی حضرات جو موجود ہیں ان سے مجھے یہ کہنا ہے کہ ہم میں سے سب لوگ نہ طالب علم ہیں اور نہ سب کے سب طالب علم بن سکتے ہیں؛ لیکن اگر ہم طالب علم کی کفالت کرتے ہیں، ان کی مدد کرتے ہیں، ان کے لیے تحصیل علم کی سہولتیں مہیا کرتے ہیں، تو ہمارا بھی شمار اسی گروہ میں ہو جائے گا۔ پس اگر ہم خود طلب علم نہیں کر سکتے ،تو تحصیل علم میں مساعدت تو کر سکتے ہیں، طلبہ کی مدد تو کر سکتے ہیں، ان کے لیے سہولتیں تو مہیا کر سکتے ہیں؟ اگر آپ یہ کریں تو آپ بھی فضیلت میں شریک ہو جائیں گے، اور آپ بھی طالب علموں کی جماعت میں شامل ہو جائیں گے۔ یہ بھی بہت بڑی سعادت ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اس شخص کو بھی مجاہد فی سبیل اللہ قرار دیا ہے جو کسی مجاہد کے لیے سامان جہاد مہیا کرے۔

آپ اپنے اسلاف کی سیرت پڑھئے، ان کے حالات کتابوں کے اندر درج ہیں اور قیامت تک وہ ثابت رہیں گے، ان کو پڑھ کر سبق لیجیے۔

ترمذی کی ایک حدیث میں ہے، غالباً ابن المدینی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک حدیث اپنے استاد سے عنعنہ کے ساتھ سنی تھی، -یہ روایت کا ایک طریقہ ہے جس میں عن فلاں عن فلاں سے روایت ہوتی ہے، دوسرا طریقہ حدَّثنا کا ہے، یعنی ہر راوی یہ ذکر کرتا ہے کہ یہ حدیث مجھ سے فلاں نے بیان کیا- تو وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد سے عن فلاں کے طریق سے ایک حدیث سنی تھی، پھر برسوں اس خیال میں رہا کہ کبھی ان سے ملاقات ہو جاتی تو اس حدیث کو ان کی زبان سے لفظ حدَّثنا کے ساتھ سماعت کر لیتا، پھر خود ان ہی کا بیان ہے کہ محض اسی مقصد کے لیے ایک سال میں نے حج کیا اور حج سے میرا اور کوئی مقصد بجز اس کے نہیں تھا کہ وہاں ان سے ملاقات کر کے اس حدیث کو ان سے بصیغۂ حدَّثنا سن لوں۔

میرے دوستو! یہ ہے علم، اور یہ ہے علم کے لیے مجاہدہ، اور یہ ہے علم کے لیے

قربانی، اور یہی طریقہ ہے علم دین کی تحصیل کا، ہمارے اسلاف نے اسی طریقہ سے علم حاصل کیا ہے، ہم کو بھی انھیں کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

میں افسوس کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ اس وقت لمبی تقریر کے قابل نہیں ہوں، تھکا ہوا ہوں، مریض بھی رہتا ہوں، ضعف بھی ہے، اس لیے انھیں چند کلمات پر اکتفا کرتا ہوں۔

دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق دے، ہمارے طلبہ کے اندر اچھی صلاحیتیں پیدا کر دے، ان میں قربانیوں کا جذبہ پیدا کر دے، اللہ رب العزت ان کو علم کی دولت سے مالا مال کر دے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين وصلى اللّٰه تعالى على خير خلقه سيدنا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين.

نصیحت

اسی موقع پر ارشاد فرمایا کہ ابھی حال میں متعدد مدارس اسلامیہ میں ختم بخاری کے سلسلہ میں حاضری ہوئی، میں نے طلبہ کے حالات کا اندازہ کرتے ہوئے ان کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ تم جو علم دین حاصل کرنے کے لیے ان مدارس میں آئے ہو، تو سمجھو کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے، اس کو حاصل کرنے کے لیے وہی آداب اختیار کرنے ہوں گے جو صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بحیثیت معلم اور مرشد ہونے کے اختیار فرمایا، نبوت کی خصوصیت میں تو کسی کی شرکت نہیں ہو سکتی؛ لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کے معلم اور شیخ ومرشد بھی تھے؛ اس لیے اس حیثیت سے جو آداب آپ کے تعلیم کیے گئے ہیں، ان کو اختیار کرنا ہر تلمیذ ومسترشد کو اپنے معلم ومرشد کے ساتھ اس سے اخذ فیض کے لیے شرط اولیں ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ نے ''عوارف المعارف'' میں شیخ کے لیے

جو آداب تحریر فرمائے ہیں، ان کی ابتدا انھیں آداب سے فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے بیان فرمایا ہے، چنانچہ ان آداب کی ابتدا حضرت شیخ نے اس آیت سے فرمائی ہے:

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ سَمِیعٌ عَلِیمٌ﴾

یہ سورۂ حجرات کی پہلی آیت ہے، اس میں منصب نبوت کے آداب اور حقوق حضرت سید المرسلین ﷺ کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! اللہ اور رسولؐ (کی اجازت) سے پہلے تم (کسی قول یا فعل میں) سبقت مت کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے۔

اسی سلسلہ میں فرمایا کہ عربی کا مشہور شعر ہے، جس کی نسبت بعض لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف کرتے ہیں؛ مگر میرے نزدیک اس نسبت کی تحقیق نہیں، البتہ جس نے بھی یہ شعر کہا ہے نہایت عمدہ مضمون بیان کیا ہے، وھو ھذا:

إنّ المُعَلِّمَ والطبیب کلیهما

لا ینصحان إذا هما لم یُکرَما

اصبر لدائک إن جفوت طبیبه

واصبر لجهلک إن جفوت معلماً

یعنی معلم اور طبیب دونوں شاگرد اور مریض کی پوری خیر خواہی اس وقت تک نہیں کر سکتے، جب تک کہ ان کا اکرام واحترام نہیں کیا جائے گا۔ طبیب و معلم کی توجہ منعطف کرانے کے لیے ان کا ادب واحترام لازم وضروری ہے۔ آگے کہتے ہیں کہ اگر تم طبیب پر جفا کرو گے تو پھر اپنے مرض کو لیے بیٹھے رہو، اسی طرح اگر اپنے معلم پر جفا کرو گے تو اپنے جہل کو لیے بیٹھے رہو۔ یعنی اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حقیقی علم کبھی نہ آوے گا اور ہمیشہ جاہل ہی رہو گے۔

ہمارے جتنے بڑے بڑے علماء ومشائخ ہوئے ہیں، ان سب نے اپنے اساتذہ اور مرشدین کا غایت درجہ ادب واحترام کیا ہے، چنانچہ علامہ خلیل مالکی رحمۃ اللہ علیہ جنھوں نے فقہ مالکی میں ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام المختصر ہے، اور اسی پر آج تمام فقہ مالکیہ کا مدار ہے، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ اپنے زمانۂ تلمذ میں جس استاد سے علم حاصل کرتے تھے، ایک روز وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ شیخ کسی آدمی کی تلاش میں کہیں تشریف لے گئے ہیں، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ شیخ کے گھر کا پاخانہ بھر گیا ہے، کوئی صاف کرنے والا نہیں؛ اس لیے کسی آدمی کی تلاش میں نکلے ہیں کہ لاکر صاف کرا دیں۔

خلیل مالکیؒ نے یہ سنا تو کہنے لگے کہ اس خدمت کے لیے تو میں موجود ہی ہوں، یہ میرا حق ہے۔ یہ کہہ کر اپنی دونوں آستینیں چڑھا کر جھٹ پٹ اپنے ہاتھوں سے پاخانہ کو صاف کر ڈالا، جب شیخ واپس آئے تو دیکھا کہ پاخانہ صاف ہو چکا ہے۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلیل نے اپنے ہاتھوں سے صاف کیا ہے۔ یہ سن کر شیخ کی عجیب حالت ہوگئی اور گریہ طاری ہوگیا اور اسی حال میں حق تعالیٰ سے ان کے حق میں دعا فرمائی کہ یا اللہ! تو اس کو فقیہ بنا دے۔ چنانچہ اسی دعا کی برکت سے شیخ خلیل مالکی کو اللہ نے وہ مقام عطا فرمایا کہ آج فقہ مالکی کا مدار انھیں پر ہے۔

میرے عزیزو! اگر تم اس وقت اپنے زمانۂ تعلّم میں ایک ساعت کی ذلت کو برداشت کرلو گے، تو ہمیشہ کے لیے تم کو عزت وراحت حاصل ہوگی۔ ہمارے بزرگوں کا یہی طریقہ رہا ہے اور انھوں نے اسی طرح کے کمالات حاصل کیے ہیں، جیسا کہ خلیل مالکیؒ کا واقعہ نقل کیا گیا، اسی طرح کے صدہا واقعات منقول ہیں، جن میں ہمارے لیے کافی عبرت ونصیحت ہے۔

نیز ارشاد فرمایا کہ:

آج کل ہمارے عربی مدارس کے طلبا بھی بالکل وہی روش اختیار کرتے چلے جا

رہے ہیں جو کالجوں اور اسکولوں کے طلبہ اختیار کرتے ہیں، اور انھیں کے رنگ میں رنگ جانے کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں؛ حالانکہ اِن میں اور اُن میں بہت فرق ہے۔ ہم کو تو اپنے اسلاف کی نقل کرنی چاہئے اور اسی میں ہماری عزت وفلاح اور کامیابی ہے۔ دنیوی تعلیم تو محض دنیا کے حصول کے لیے حاصل کی جاتی ہے، اس کی تحصیل کا جو طریقہ ہوگا، یہ ضروری نہیں کہ علم دین کی تحصیل کا بھی وہی طریقہ ہو، وہاں تو طلبہ اور اساتذہ میں اگر کوئی ربط نہ ہو تو چنداں مضائقہ نہیں؛ لیکن علم دین میں اگر تلامذہ اور اساتذہ میں باہم ارتباط نہ ہوگا، تو یہ فیض سے محرومی کا سبب ہوگا؛ اور میں سمجھتا ہوں کہ دینی انحطاط کا ایک بڑا سبب اس باہمی ارتباط کا فقدان ہے، ظاہر ہے جب طلبہ کا اساتذہ سے کوئی ربط نہ ہوگا، تو ان کی خصوصیات کے حامل کیوں کر ہوسکتے ہیں؟ اور ان کے آداب سے کس طرح متأدِّب ہوں گے؟ اور ان کے اخلاق سے کیسے متخلِّق ہوں گے؟

[ناقل عرض کرتا ہے کہ احقر نے حضرت مولانا اعظمی دامت برکاتہم کی نصائح کو اپنی فہم کے مطابق قلم بند کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان ارشادات عالیہ غالیہ کو اپنا نصب العین بنانے کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت مولانا دامت برکاتہم کی ذات گرامی کو صحت وسلامتی کے ساتھ ہمارے سروں پر تادیر قائم رکھے، اور ان کی توجہات کو ہماری طرف بایں شفقت وعنایت ہمیشہ منعطف رکھے اور ہم کو ان کی قدر دانی نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین]

☆☆☆☆☆☆☆

بخاری شریف کا پہلا درس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب كيف كان بدء الوحي الى رسول الله ﷺ وقول الله عزوجل: ﴿اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلٰى نُوْحٍ وَالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ﴾.

حدثنا الحميدي قال: حدثنا سفيان قال: حدثنا يحيى بن سعيد الأنصاري قال: أخبرني محمد بن إبراهيم التيمي: أنه سمع علقمة بن وقاص الليثي يقول: سمعت عمر بن الخطاب رضي الله عنه على المنبر يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إنَّما الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وإنَّمَا لامرئٍ مَّا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُه إلى دُنْيا يُصِيبُها أو إلى امْرَأةٍ يَنْكِحُها فَهِجْرَتُه إلى مَا هَاجَرَ إلَيه.

[باب: رسول اللہ ﷺ کے پاس وحی کا آغاز کیوں کر ہوا، اور حق تعالیٰ کا ارشاد کہ ہم نے تمھارے پاس وحی بھیجی جیسا کہ نوح کے پاس اور ان کے بعد دوسرے انبیاء کے پاس وحی بھیجی۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہم سے حمیدی نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے سفیان نے بیان کیا، انھوں نے کہا ہم سے یحیٰ بن سعید انصاری نے بیان کیا، ان کا ارشاد ہے کہ مجھے محمد بن ابراہیم تیمی نے خبر دی کہ انھوں نے علقمہ بن وقاص لیثی کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ ممبر پر فرما رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے، اور ہر شخص کے لیے وہی ہے، جو اس نے نیت کی، تو جس کی ہجرت کسی دنیاوی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہو، یا

کسی عورت سے نکاح کرنے کی غرض سے ہو تو اس کی ہجرت اسی کی جانب ہے، جس کے واسطے اس نے ہجرت کی ہے]

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين، سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد!

سندِ حدیث کی اہمیت اور اس کا ماخذ:

اس سے پہلے حدیث کی جو کتاب یا کتابیں تم پڑھ چکے ہو، ان میں صرف متون حدیث کی تعلیم تھی، وہ کتابیں اسانید سے خالی اور مجرد ہیں؛ مگر اب دورے کی کتابیں، جو تمھارے سامنے ہیں، چاہے صحیح بخاری ہو یا ترمذی، یہ حدیث کے وہ مجموعے ہیں، جن میں اسانید بھی مذکور ہیں، اور اب جو درس حدیث تمھارا شروع ہوگا، اس کا تعلق، جس طرح پہلے متن سے تھا، اب بھی رہے گا؛ مگر اس کے ساتھ ساتھ اسانید سے بھی ہوگا، یعنی ہر حدیث تم سند کے ساتھ پڑھوگے؛ برخلاف اس کے پہلے کہ جو حدیث تم مشکوٰۃ میں پڑھتے تھے، اس کی سند جو کسی صاحب تصنیف نے ذکر کی ہے، وہ تمھارے سامنے نہیں ہوتی تھی، اب اس سند کا بھی علم حاصل کرنا ہے، اور اس کا آغاز اب ہو رہا ہے۔ اس اسناد کی ہمارے مذہب میں اور ہماری شریعت میں بڑی اہمیت ہے، قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے ایک مقام پر فرمایا کہ جب کوئی فاسق تمھارے پاس کوئی خبر لائے، تو اس کی تحقیق کرلو۔

فاسق کے معنی یہاں فاسق بالفعل (یعنی جو بروقت فاسق ہو) نہیں ہے، بلکہ مَن مِن شانه یا ما من شأنه أن يفسق ہے، یعنی جس سے فسق کا صدور ہو سکے، مطلب یہ ہے کہ وہ غیر معصوم ہو، معصوم کی خبر میں تو تبیُّن و تحقیق کی ضرورت نہیں ہے، اس میں تو آمنا وصدقنا کہنا ضروری ہے؛ لیکن جو معصوم نہیں ہے، جس سے فسق کا صدور ہو سکتا ہے، یعنی غیر معصوم آدمی جب کوئی خبر تمھارے پاس لاوے، تو اس کی تحقیق کرو، تبیُّن (تحقیق) کا دو طریقہ ہے: ایک یہ کہ اس خبر کا منبع، سرچشمہ اور پہنچنے کا واسطہ معلوم کرو؛ دوسرے خود اس خبر کی

تحقیق کرو، کہ اس کی کیا مراد ہے؟ کیا مطلب ہے؟ کس نیت سے کہا ہے؟ یہ ساری چیزیں فَتَبَیَّنُوا میں داخل ہیں، اسی بنیاد پر اسناد کا اہتمام ہے؛ گویا اسناد کے اہتمام کا یہی ماخذ ہے، تم مقدمۂ مسلم میں غالبًا ابن سیرین کا مقولہ پڑھوگے: **الإسنادُ مِنَ الدِّينِ، لولا الإسنادُ لقال من شاء ماشاء**[1]، اسناد دین کی بات ہے، یعنی صرف حدیث کے الفاظ ذکر کرنا ہی دین کی بات نہیں ہے، اس کی سند بھی ذکر کرنا دین ہی کی بات ہے، فرمایا کہ اگر اسناد نہ ہوتی تو پھر جس کا جو دل چاہتا، کہہ دیتا، جو چیز جس کی طرف چاہتا منسوب کر دیتا، کوئی پوچھ گچھ تو ہوتی نہیں، کہ کس سے سنا۔ اب یہ سلسلہ ہے کہ بخاری ایک حدیث رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں، یا ہمارے لیے لکھتے ہیں، تو وہ یہ بتاتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کو فلاں سے سنا، انھوں نے فلاں سے سنا، انھوں نے فلاں سے سنا، انھوں نے فلاں صحابی سے سنا، انھوں نے محمد رسول اللہ ﷺ سے سنا، اب بات بالکل صاف ہو کر سامنے آگئی کہ بخاری تک یہ حدیث، یا یہ قول، یا یہ فعل، یا یہ حکایت، یا یہ خبر کن وسائط سے پہنچی ہے، اب ان وسائط کو دیکھ لیا جائے گا کہ وہ کیسے ہیں؟ نیکوکار ہیں، بدکار ہیں، فاسق ہیں کہ عادل ہیں، سچے ہیں یا جھوٹے ہیں، ان کا حافظہ کمزور ہے یا قوی ہے، ان باتوں کی جانچ کرنے کے بعد، جو سلسلۂ اسناد ہمارے سامنے ہے، اس پر ہم اعتماد کریں گے کہ اس کی روایت کرنے والے، اور درمیانی واسطے سب عادل وضابط ہیں، مُتقِن ہیں، اور یہ سب سچے ہیں؛ اس لیے ان وسائط کے ذریعہ جو خبر ہم کو پہنچائی گئی ہے، ہم کو اس کا ظن غالب ہے کہ وہ صحیح ہے؛ لیکن! اگر یہ نہ معلوم ہو کہ کن واسطوں سے یہ حدیث پہنچی ہے، معلوم نہیں بخاری سے بیان کرنے والا کون تھا؟ کیسا تھا؟ قابل اعتماد تھا، یا نہیں تھا؟ تو پھر اس کے اوپر ہم کیسے اعتبار کریں گے۔ اس لیے اسناد بہت اہم چیز ہے، اور یہ دین کی بات ہے، یہ محض علمی بات

(۱) یہ مقولہ مسلم شریف کے مقدمہ میں حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے، حضرت ابن سیرین سے ایک دوسرا مقولہ نقل کیا گیا ہے۔

نہیں ہے، بلکہ اسناد کا اہتمام کرنا، اسناد کا بیان کرنا، اسناد کا یاد رکھنا، اور اس کی طرف توجہ دینا ایک دینی بات بھی ہے، چنانچہ یہ اہتمام ان حضرات مصنفین نے کیا ہی، ان سے جن لوگوں نے ان کی یہ کتاب حاصل کی، اخذ کیا، اس کو پڑھا، سنا، انھوں نے بھی اسی طرح اسناد کا اہتمام کیا۔ کس اسناد کا؟ یعنی ان کی اپنی اِسناد جو مصنفین تک ہے، اس کو بھی بیان کرنے کا اہتمام کیا، تمھارے سامنے بخاری کی جو مشہور شرحیں ہیں، ان میں ایک حافظ ابن حجر کی شرح فتح الباری ہے، دوسری علامہ عینی کی شرح عمدۃ القاری ہے، دونوں کتابوں کو تم دیکھو کہ شرح کرنے سے پہلے وہ بتاتے ہیں کہ ہم نے صحیح بخاری کس کے پاس پڑھی ہے، یا کس سے سنی ہے، اپنا پورا سلسلۂ اسناد امام بخاری تک پہنچاتے ہیں، تمھارے سامنے صحیح بخاری کا جو نسخہ ہے، اس کی تصحیح مولانا احمد علی صاحب سہارن پوری نے کی ہے، اس پر انھوں نے ایک مقدمہ لکھا ہے، وہ مقدمہ اٹھا کر دیکھو، اس کے آخر میں انھوں نے اپنی سند اپنے استاد سے شروع کر کے امام بخاری تک ذکر کی ہے، یہ التزام ہے۔

حضرت محدث کبیرؒ کی سند بخاری:

اس بنا پر سب سے پہلے میں اپنی سند تم کو بتاتا ہوں، صحیح بخاری مکمل میں نے پڑھی ہے حضرت مولانا کریم بخش صاحب سنبھلی سے، انھوں نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے، انھوں نے مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی سے، انھوں نے مولانا عبدالغنی مجددی سے، اور انھوں نے حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب سے، شاہ محمد اسحاق صاحب نے شاہ عبدالعزیز صاحب سے، اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے والد شاہ ولی اللہ صاحب سے پڑھی یا سنی، اور شاہ ولی اللہ صاحب کے بعد اس مقدمہ میں جو مذکور ہے، وہی ہم سب کا سلسلۂ سند ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب اس دور اخیر میں، ہندوستان میں کہنا چاہیے کہ حدیث کے شیخ الکل ہیں، جتنے علماء نے ہندوستان میں علم حدیث حاصل کیا، ان سب کے منبع اور سرچشمہ شاہ ولی اللہ صاحب ہیں، ان کے پہلے اور لوگوں کے ذریعے بھی علم حدیث کی

اشاعت ہوئی ہے، لیکن ہندوستان میں اپنے دور میں تقریباً یہی سب کے شیخ ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب نے تقریباً دو سال مدینہ منورہ میں رہ کر شیخ ابو طاہر کردی سے حدیث حاصل کی، شیخ ابو طاہر صاحبزادے تھے ابراہیم بن حسن کردی کے، ابراہیم بن حسن کردی نے ایک رسالہ لکھا ہے "الأمم لإيقاظ الهِمَم"، اس میں انھوں نے جن جن لوگوں سے حدیث پڑھی ہے، اور جو جو کتاب پڑھی ہے، اس کی پوری سند اپنے سے لے کر کتاب کے مصنف تک ذکر کر دی ہے، وہ حیدرآباد میں چھپ گئی ہے۔ انھیں ابراہیم بن حسن کردی کے صاحبزادے تھے ابو طاہر محمد کردی، یہ شیخ ہیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے، اور ہم سب کے شیخ الکل حضرت شاہ ولی اللہ ہیں، انھیں سے ساری شاخیں ہندوستان میں نکلی ہیں، یہ ساری شاخیں ابو طاہر محمد کردی پر ختم ہوتی ہیں، اور ان کی سندات ان کے والد کے رسالہ میں موجود ہیں، وہ صحیح بخاری کی ہو تو بخاری تک، ترمذی کی ہو تو ترمذی تک، ابو داؤد کی ہو تو ابو داؤد تک، سب کی سب اس کے اندر موجود ہیں۔

حضرت کی دوسری سندیں:

ایک بات مزید کہہ دوں کہ پڑھنے کا جہاں تک تعلق ہے، تو میں نے صحیح بخاری حضرت مولانا کریم بخش صاحب سے پڑھی ہے؛ لیکن صحیح بخاری کی اجازت مجھے اور طریقوں سے بھی حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ شیخ سعید سنبل مدنی نے "الأوائل" کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے، اس میں انھوں حدیث کی چالیس کتابوں کی ایک ایک حدیث لکھی ہے، نام تو اول ہی کا ہے، اور اکثر اول ہے بھی؛ مگر بعض کتابوں کی آخری حدیث ذکر کی ہے، تاہم پوری کتاب کا نام اوائل ہے۔ اس میں سب سے پہلی حدیث صحیح بخاری کی ہے، اس کے بعد صحیح مسلم کی، اور پھر بقیہ صحاح ستہ کی، اور اسی طرح چالیس کتابوں کی ایک ایک حدیث، جن میں اکثر پہلی ہیں، بعض اخیر کی ہیں، جیسے مصنف عبدالرزاق کی آخری حدیث لی ہے، یہ رسالہ میں نے اپنے شیخ مولانا عبدالغفار صاحب – جو اسی مئو کے رہنے والے تھے

اورحضرت مولانا رشیداحمد صاحب گنگوہی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے- ان کے پاس میں
نے وہ رسالہ پورا حرفاً حرفاً پڑھا ہے اور اس پورے رسالہ کی انھوں نے مجھے تحریری اجازت
دی ہے، میں نے جو رسالۃ الاوائل چھپوایا ہے، اس میں وہ اجازت نامہ شامل کردیا ہے۔تو
ایک سند میری یہ بھی ہے، جو مولانا عبدالغفار صاحب سے شروع ہوتی ہے، اور بخاری پر ختم
ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ میری ایک سند اور ہے، مولانا عبدالرحمٰن بھوپالی -جن کو مئو میں
اب بھی معمر لوگ ہوں گے، جنھوں نے دیکھا ہوگا- مئو میں تشریف لاتے تھے، وہ شاگرد
تھے مولانا عبدالقیوم صاحب کے، مولانا عبدالقیوم حضرت شاہ اسحاق صاحب کے داماد تھے،
یہ حضرت شاہ اسحاق صاحب سب کے شیخ ہیں، جتنے علماء ہیں خواہ اہل حدیث ہوں یا حنفی
ہوں، سب کا سلسلۂ اسناد انھیں سے ہے۔شاہ اسحاق صاحب ہی کے شاگرد تھے، شیخ نذیر
حسین دہلوی جو اہل حدیث تھے، اور شاہ اسحٰق صاحب ہی کے شاگرد تھے، حضرت شیخ عبد
الغنی مجددی، اور انھیں دونوں کے شاگردوں سے یہ ہندوستان بھرا ہوا ہے، تو حضرت شاہ
اسحٰق صاحب سب کے شیخ الکل ہیں، اور اسی وجہ سے ان کو مسندِ الآفاق کہا جاتا ہے کہ انھیں
سے احادیث کی سند درست کرتے ہیں، وہ ہجرت کرکے مکہ معظّمہ چلے گئے تھے، مکہ معظّمہ
میں خدا جانے کتنے ہزاروں نے ان سے سند لی ہوگی۔

خیر! مجھے یہ کہنا ہے کہ انھیں حضرت شاہ اسحاق صاحب کے داماد تھے مولانا
عبدالقیوم صاحب جو بھوپال میں رہ پڑے تھے، وہ لڑکے تھے مولانا عبدالحی صاحب
بڈھانوی کے، جو حضرت شاہ اسماعیل صاحب کے ساتھی اور سیّد احمد صاحب کے مریدوں
میں تھے، مولانا عبدالقیوم کی اقامت بھوپال میں ہوگئی تھی، وہیں مولانا عبدالرحمٰن صاحب
نے ان سے سند لی۔یہ سند بہت مختصر ہوجاتی ہے کہ اس سند میں میرے شیخ مولانا عبدالرحمٰن
صاحب ہیں، ان کے شیخ مولانا عبدالقیوم صاحب اور ان کے شیخ شاہ اسحٰق صاحب

ہیں[1]۔

مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے صحاح ستہ کی سند اپنے ہاتھ سے لکھ کر مجھے دی ہے،
تو یہ تین سلسلے میرے اسناد کے اس میں ہیں۔

یہ تو اسانید کے بارے میں، میں نے اتنے الفاظ کہے، اب اس کے بعد نفس
کتاب میں جو خطبہ تم نے پڑھا ہے، اس کے متعلق چند باتیں مجھے کہنی ہیں۔افسوس ہے کہ
میں اپنے ضعف کی وجہ سے، جتنا چاہیے اس کو تو میں نہیں جانتا، لیکن جتنا میں چاہتا ہوں اتنا
بھی شاید میرے قابو کی بات نہ ہو!۔

کتب حدیث کی بعض قسمیں:

امام بخاری کا مرتبہ؟ ان کی اس کتاب کا مرتبہ کیا ہے؟ اس کے لیے میں مولانا شبیر
احمد صاحب عثمانی کی کتاب ''درس بخاری'' کا حوالہ دوں گا، اس کو دیکھو، اور اس سے زیادہ
جس کو صلاحیت ہو، وہ مقدمۂ فتح الباری دیکھے۔مختصراً مجھے یہ کہنا ہے کہ امام بخاری نے اپنی یہ
کتاب اس التزام کے ساتھ لکھی ہے کہ ان کی شرط کے مطابق جو حدیث زیادہ سے زیادہ ثقہ،
قابل اعتبار راویوں کے ذریعہ مروی ہو، اور اس کے اندر کوئی علّت اور قدح نہ پائی جاتی ہو، وہ
جمع کی جائے۔اس کے پہلے بھی حدیثیں جمع کی گئیں ہیں؛ لیکن کسی نے بخاری جیسا التزام
نہیں کیا، کسی کے سامنے یہ بات تھی کہ جتنی حدیثیں ہوں، یعنی جن کا ہم کو علم ہے، جہاں تک

(۱) اس سند میں حضرت محدث الاعظمی اور حضرت شاہ اسحاق صاحب کے درمیان میں صرف دو
واسطے ہیں، اور مولانا عبدالغفار صاحب کی سند میں جو حضرت گنگوہی کے واسطے سے ہے درمیانی
واسطے تین ہیں؛ اسی طرح شیخ الدلائل مولانا عبدالحق الہ آبادی کے واسطے سے جو سند ہے، اس میں
بھی تین واسطے ہیں: محدث کبیر، عن مولانا عبدالغفار، عن الشیخ عبدالحق، عن الشیخ نواب قطب
الدین خاں، عن الشاہ اسحاق الخ، اور حضرت مولانا کریم بخش صاحب کی سند میں چار واسطے ہیں:
عن الشیخ کریم بخش، عن الشیخ محمود حسن، عن الشیخ محمد قاسم النانوتوی، عن الشاہ عبدالغنی، عن الشاہ
اسحاق الخ (المآثر)۔

ہماری دسترس ہے وہ جمع کردی جائیں، ان میں کسی ترتیب کا لحاظ نہیں، کہ ان کو ابواب پر تقسیم کیا جائے کہ کتاب الطہارۃ الگ ہو، کتاب الصلاۃ الگ ہو، کتاب الحج الگ ہو۔ اس کا بھی التزام نہیں کہ ایک جگہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کل حدیث ہو، ایک جگہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کل حدیث ہو، بس حدیثیں جتنی ہوں، کیفما اتفق وہ ایک جگہ اکٹھا ہو جائیں، محفوظ ہو جائیں۔

یہ کام ہوا تھا عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں، یہ خلیفہ اموی تھے، اور کہا جاتا ہے کہ یہ پانچویں خلیفۂ راشد ہیں، چار خلیفۂ راشد تو ہیں ہی؛ لیکن اگر پانچواں خلیفۂ راشد کوئی ہوسکتا ہے تو اِن کو یہ منصب حاصل ہے۔ انھوں نے اپنے زمانے میں بعض محققین اور علماء کو لکھا کہ جتنی حدیثیں تم کو مل سکیں انھیں اکٹھا کرو؛ اس لیے کہ "إني أخاف دروس العلم" میں ڈرتا ہوں کہ علم مٹ جائے گا۔

پھر ان کے بعد کچھ اور لوگوں نے دوسری طرح اہتمام کیا، یعنی ہر صحابی کی الگ الگ حدیث، خواہ وہ کسی باب کی ہو، مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت کی ہوئی حدیثیں سب ایک جگہ لکھ دیں، اس کے بعد دوسرے صحابی کی۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑا کام امام احمد بن حنبل کا ہے، گو کہ ان سے پہلے بھی اس طور پر کتابیں مرتب ہوئیں ہیں؛ مگر سب سے اہم کام انھیں کا ہے۔ ان کی کتاب چھ جلدوں میں بہت باریک خط میں مصر کی چھپی ہوئی ہے، اس میں حدیثیں اس ترتیب سے نہیں ہیں کہ کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلاۃ وغیرہ کی حدیثیں الگ یکجا کی گئی ہوں؛ بلکہ پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جتنی حدیثیں انھیں معلوم تھیں جمع کردیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی، پھر عشرۂ مبشرہ کی، پھر مہاجرین کی، انصار کی، مدنی صحابہ کی، مکی صحابہ کی، اسی طرح جمع کرتے چلے گئے؛ اس لیے اگر کوئی حدیث کتاب الصلاۃ کے تحت مثلاً آپ تلاش کرنا چاہیں تو نہیں ملے گی؛ بلکہ اس طرح ملے گی کہ وہ حدیث کس کی ہے؟ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، تو ان کی جتنی حدیثیں ہیں، انھیں پڑھو تو انھیں میں مل جائے گی۔ ان سے پہلے حدیث

کے مجموعے اس طرح بھی جمع کیے گئے کہ ان کی تبویب کی گئی، یعنی ان کو مختلف کتابوں میں تقسیم کیا گیا، پھر ان کتابوں کو مختلف بابوں میں تقسیم کیا گیا، مثلاً ایک کتاب مقرر کی کتاب الطہارۃ، پھر اس کتاب کے اندر بہت سے باب متعین کیے، جیسے **باب فرض الوضوء** جیسے **باب الاستنجاء** وغیرہ، اس طرح سے طہارت کے متعلق جتنی حدیثیں ہیں، خواہ وہ پانی کی طہارت ہو، بدن کی طہارت ہو، چھوٹی نجاست کی طہارت ہو، بڑی نجاست کی طہارت ہو، سب جمع کردیں۔

اس طرح کے جو مجموعے لکھے گئے وہ بخاری سے پہلے ہو چکے ہیں، مثلاً مصنَّف عبدالرزاق، مصنَّف ابوبکر بن ابی شیبہ، ان دونوں میں بھی حدیث کا بہت بڑا ذخیرہ ہے، اس طرح کے کام اور لوگوں نے بھی کیے ہیں، مثلاً سفیان ثوری نے جامع نام کی ایک کتاب لکھی ہے، جو آج دستیاب نہیں ہے، اس جامع کا وہی رنگ ہے، جو مصنف عبدالرزاق کا ہے۔

بخاری شریف کا نام اور اس کا تعارف و مرتبہ:

امام بخاری نے جو کتاب لکھی ہے، اس کا نام انھوں نے **الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله ﷺ وسننه وأيامه** رکھا، یعنی ان کی یہ کتاب جامع ہے، اور صحیح مرفوع ہے۔ آنحضرت ﷺ کی طرف جو اقوال وافعال منسوب ہیں، انھیں ہی بیان کریں گے، ان کا مقصد کسی صحابی یا تابعی کے قول کو لانا نہیں ہے، اصل مقصد آنحضرت ﷺ کا قول و فعل، آپ کی سیرت اور آپ کے مغازی وغیرہ ہیں، ان کے علاوہ اس میں کہیں کہیں صحابی، یا تابعی کے اقوال جو ہیں، وہ سب بالتبع ہیں، مقصود بالذات نہیں ہیں، اسی لیے اس کا وہ نام رکھا، جو ہم نے ذکر کیا۔

جامع کی تعریف اصول حدیث والوں نے یہ کی ہے کہ آٹھ قسم کی حدیثیں اس کے اندر مذکور ہوں:

سیر، آداب، تفسیر وعقائد : فتن، اشراط واحکام ومناقب

یہ آٹھ چیزیں جس کتاب میں جمع ہوں، وہ جامع کہلاتی ہے، ایسی کتابوں میں ایک تو جامع بخاری ہے، صحیح مسلم کے ساتھ بھی جامع لکھا گیا ہے؛ لیکن بعض علماء کو اس پر اعتراض ہے، کیوں کہ اس میں تفسیر کی حدیثیں نہیں ہیں؛ اس لیے اس کا نام جامع نہیں ہونا چاہیے۔ اس میں تفسیر کا حصہ مختصر ہے، اس لیے اس کو ان حضرات نے کالعدم قرار دے دیا، اور جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ جامع ہے، ان کے خیال میں مختصر ہی سہی، تفسیر کی حدیثیں ہیں تو، اس لیے جامع کہنا چاہیے۔ اور ترمذی کی کتاب کو سنن اور جامع دونوں کہا جاتا ہے، اس میں بھی مذکورہ بالا چیزیں موجود ہیں، اس لیے یہ بھی جامع ہے؛ بلکہ ان کتابوں میں آٹھ قسم سے زائد بھی حدیثیں ملیں گی؛ مگر کم از کم آٹھ کا ہونا جامع ہونے کے لیے شرط ہے۔

پھر کتاب کے نام ہی سے تم نے سمجھ لیا ہوگا کہ انھوں نے صرف صحیح احادیث کو جمع کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ امام احمد نے مسند لکھی، تو انھوں نے یہ نہیں کیا کہ اس میں صرف وہ حدیثیں لکھیں جو صحیح ہوں، یعنی اصطلاحی طور پر صحیح ہو؛ تو اس کتاب کی یہ دوسری خوبی ہے، اوّل یہ کہ جامع ہے، دوسرے یہ کہ صحیح ہے۔

اور تیسری بات میں یہ کہتا ہوں کہ صحیح کے اندر بھی ان کی شرطیں دوسرے محدثین سے سخت ہیں؛ اس لیے صحیح کے اعلیٰ مرتبہ کی ہیں۔ دوسری کتابوں میں بھی صحیح حدیثیں ہیں، لیکن وہ اس پائے کی نہیں ہیں، پس یہ بہت پختہ صحیح ہے۔

اور چوتھی بات یہ ہے کہ مرفوع ہے آنحضرت ﷺ کی طرف، اور یہی مقصود بالتصنیف ہے۔

بخاری شریف کی تمہید:

لیکن ابھی ابھی جو تم نے پہلا باب پڑھا ہے، وہ باب ایسا ہے کہ بظاہر آٹھوں قسموں میں سے کسی سے تعلق نہیں رکھتا، میرے خیال میں اس کو بطور تمہید کے لائے ہیں، بات یہ ہے کہ یہ کتاب انھوں نے اس لیے لکھی ہے، اور اس میں حدیثیں اس لیے جمع کی

ہیں تا کہ اس پر اعتماد کیا جائے، اس کے اوپر ایمان لایا جائے، اس پر عمل کیا جائے، یہی بنیاد ہے، اور حدیثیں ہیں یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی، تو پہلے انھیں یہ ثابت کرنا چاہیے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کا اتباع واجب ہے، اسی کو ثابت کرنے کے لیے انھوں نے بدء الوحی کا باب رکھا ہے، سمجھانا یہ چاہا کہ یہ حدیثیں ان کی ہیں جن کے اوپر وحی نازل ہوتی تھی، اور آنحضرت ﷺ کی اطاعت کا وجوب اسی بنیاد پر ہے کہ آپ صاحبِ وحی ہیں، میں تم کو سمجھاؤں کہ آنحضرت ﷺ کے اندر دو حیثیتیں ہیں، ایک تو بشر ہونے کی، اور ایک نبی اور رسول ہونے کی، خود آنحضرت ﷺ کی حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ آپ مطاع نبی اور رسول ہونے کی حیثیت سے ہیں، اور یہ بات اس طرح سمجھ میں آتی ہے کہ حدیث میں تابیر نخل کا واقعہ مذکور ہے، اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ عرب میں جو لوگ کھجوروں کی کاشت کرتے ہیں، ان کے نزدیک کھجور کے درخت دو قسم کے ہوتے ہیں، نر اور مادہ، ان کے یہاں دستور تھا کہ نر میں سے کچھ حصّہ لے کر مادہ میں لگاتے تھے، اس سے پھل خوب آتا تھا، اسی کو تابیر النخل اور تلقیح النخل کہتے تھے، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے کہا کہ تلقیح نہ کرو تو کیا کوئی حرج ہے؟ پھر ایک سال انھوں نے تلقیح نہیں کی، تو پھل نہیں آیا، آنحضرت ﷺ سے یہ بات ذکر کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ: أنتُم أعلَمُ بِأُمورِ دُنیاکُم، بھئی! یہ دنیاوی باتیں ہیں، کوئی شریعت اور وحی کی بات تو ہے نہیں، یہ دنیاوی معاملہ تھا، اس کی نسبت میں نے کہہ دیا تھا، دنیاوی بات تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک دنیاوی اور بشری معاملہ ہوتا ہے، آپ نے اس جگہ جو کچھ فرمایا تھا، اسی حیثیت سے فرمایا تھا، البتہ نبی اور رسول ہونے کی حیثیت سے آپ کا ہر حکم ماننا واجب ہے۔ تو جب یہ ہے تو پہلے آنحضرت ﷺ کو صاحبِ وحی ثابت کرنا چاہیے، اس لیے **باب بدء الوحی إلی رسول الله** ﷺ سے کتاب شروع کی، تا کہ آپ کو صاحبِ وحی ثابت کر کے آپ کا وجوباً مطاع ہونا ثابت کریں، اور اس کے بعد ان کی حدیثیں بیان کریں۔ اس بنیاد پر ہم کسی حدیث سے انحراف

نہیں کرسکتے، کیوں کہ یہ صاحب وحی کا کلام ہے۔

رسول اور نبی میں فرق:

آنحضور سرور عالم ﷺ کے دو وصف قرآن پاک میں اور حدیث کی کتابوں میں آپ کو ملیں گے، اور یہی دونوں وصف زبان زد خلائق بھی ہیں۔ آنحضرت ﷺ نبی بھی کہلاتے ہیں، اور رسول بھی کہلاتے ہیں۔ قرآن پاک میں آپ کو ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ کے ساتھ بھی خطاب کیا گیا ہے، اور ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ﴾ کے ساتھ بھی۔ نبی کے معنی یوں کہو کہ صاحب خبر ہیں، یعنی جس کو خبر دی گئی ہے، نبی ہونے کی حیثیت سے آنحضرت ﷺ کا تعلق اللہ ربّ العزت سے ہے، اور رسول ہونے کی حیثیت سے مخلوق سے ہے، اللہ کے نبی ہیں، اللہ کے یہاں سے خبر ملتی ہے، اور مخلوق کی طرف رسول ہیں۔ خبر پاتے ہیں اللہ ربّ العزت سے اور پہنچاتے ہیں خلائق کی طرف، وہ پہنچانے والے ہونے کی حیثیت سے تو رسول ہیں، اور خبر پانے والے ہونے کی حیثیت سے نبی ہیں۔ یہ خبر پانا بذریعہ وحی ہوتا تھا، آنحضرت ﷺ کے پاس وحی آتی تھی، کس کس طرح آتی تھی، آگے چل کر ان کا ذکر ہوگا۔

وحی کے ذریعہ انبیاء علیہم السلام کے پاس خبر کا آنا، اللہ رب العزت کا اپنی تعلیم اور اپنا پیغام وحی کے ذریعہ سے بھیجنا، سنۃ اللہ ہے جو ابتداء سے چلی آرہی ہے؛ اسی لیے امام بخاری نے باب بدء الوحی کے بعد سب سے پہلے یہ آیت ذکر کی: ﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ﴾ کہ ہم نے آپ کی طرف اسی طرح سے وحی کی ہے، جس طرح سے نوح اور نوح کے بعد نبیوں کی طرف کی ہے۔ یعنی یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، قرآن پاک میں ایک جگہ حضرت سے خطاب کیا گیا ہے: ﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ﴾ تم بتادو کہ میں کوئی نیا نبی تھوڑا ہی ہوں، مجھ سے پہلے بھی بہت سے رسول آچکے ہیں؛ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہاں بتایا کہ جیسے نوح اور نوح کے بعد انبیاء پر وحی آئی ہے، اسی طرح آپ پر بھی آئی ہے، یہ ایک سنت قدیمہ ہے جو چلی آرہی ہے۔

نوح علیہ السلام کی خصوصیّت:

یہاں پر ایک بات میں بتادوں، آیت میں نوح علیہ السلام سے ذکر کیا؛ حالانکہ ان سے پہلے نبی ہو چکے ہیں۔ اس کی بنیاد بظاہر یہ سمجھ میں آتی ہے کہ صاحب شریعت نبی سب سے پہلے حضرت نوح ہیں، انھیں کے زمانے میں شریعت کا نزول ہوا ہے، احکام نازل ہوئے ہیں، اور انھیں کی قوم وہ قوم ہے، جس نے سب سے پہلے اپنے نبی کی مخالفت کی، اور اس کی وجہ سے انھیں پر سب سے پہلے عذاب آیا۔ یہ ان کی عظمت ہے، ان کے پہلے جو نبی دنیا میں آئے تھے، تو ان کو دنیا میں رہنے سہنے، کھانے کمانے، بسنے وغیرہ کا ڈھنگ سکھایا جاتا تھا، اور کچھ معمولی طور پر احکام بھی ہوتے تھے، مثلاً توحید وغیرہ؛ مگر شرائع اور اعمال وغیرہ کی تفصیلات، حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہوئیں، تو نوح علیہ السلام صاحب شریعت نبی ہیں، اور آنحضرت ﷺ کی بھی خصوصیت یہی ہے کہ وہ سب سے بڑے صاحب شریعت نبی ہیں، اسی مناسبت سے حضرت نوح کی وحی سے ذکر شروع فرمایا۔

مطلب یہ ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے کہ ہم انبیاء علیہم السلام کو لوگوں کی ہدایت کے لیے اور اپنا پیغام پہنچانے کے لیے بھیجتے رہے ہیں، اور ان کے پاس وحی آتی رہی ہے۔

رسول کی اطاعت کا وجوب:

قرآن پاک میں دوسری جگہ ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ہر رسول اسی لیے بھیجا گیا ہے کہ اس کی اطاعت اور فرماں برداری کی جائے۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی، تو معلوم ہوگیا کہ ہم جن کی حدیثیں ذکر کرتے ہیں، وہ نبی اور رسول ہیں، ہماری طرف بھیجے گئے ہیں، اور ہر نبی مطاع ہوتا ہے؛ لہذا جو کچھ انھوں نے فرمایا، اور جو کچھ کہا، اس میں ان کی اطاعت اور اتباع ہمارے لیے ضروری ہے، اور اسی مقصد سے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔

اس سے تم سمجھ گئے ہو گے کہ یہ باب، مقصدِ کتاب سے اجنبی نہیں ہے، بلکہ اس کو پختہ کرنے کے لیے شروع میں یہ باب قائم کیا ہے۔

وحی متلو اور وحی غیر متلو:

آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی وحی کو نوح علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کی وحی سے تشبیہ دی ہے، اس کے بعد دیکھو کہ امام بخاری نے نیت والی حدیث ذکر کی ہے۔ مجھے اس وقت اس کی نسبت کلام نہیں کرنا ہے؛ مگر ایک مثال دے کر تمھیں بتاتا ہوں کہ اس آیت میں اور اس حدیث میں بھی مناسبت ہے، اس حدیث کے اندر یہ مضمون ہے کہ تمام اعمال کا مدار نیت پر ہے، جو عمل اللہ کے لیے ہوگا، وہی مقبول ہوگا۔ یہ بات اس حدیث میں بتائی ہے، اور ہر حدیث وحی ہے، اس لیے کہ اللہ رب العزت نے فرمایا ہے کہ ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى﴾ دین کے باب میں جو کچھ بولتے ہیں، وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ بلکہ ہمارا القا کیا ہوا ہوتا ہے، فرق یہ ہے کہ ایک وحی وہ ہوتی ہے جس کے الفاظ، اور معنی سب اللہ رب العزت کی طرف سے آتے ہیں، اور ان لفظوں کے ساتھ ان کو محفوظ کرنا ہوتا ہے، یہ وحی متلو کہلاتی ہے؛ اور ایک وحی وہ ہوتی ہے جو الفاظ کے ساتھ نہیں آتی، بلکہ صرف معانی نازل ہوتے ہیں، خواہ فرشتے کے ذریعے، خواہ بلا کسی واسطہ کے آپ کے قلب میں ڈال دیے، یا خواب میں دکھا دیا، اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے، یہ وحی غیر متلو ہے۔ تو یہ ساری حدیثیں بھی وحی ہیں، البتہ وحی غیر متلو ہیں، قرآن کی طرح ان کے الفاظ کی تلاوت اور حفاظت نہیں ہوتی۔

بہرکیف اس حدیث میں فرمایا گیا ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، یہ الفاظ اگرچہ قرآن کی طرح وحی متلو نہیں ہیں؛ لیکن وحی غیر متلو تو ضرور ہے۔ تو جس طرح آپ کی طرف اس کی وحی کی گئی ہے، اسی طرح کی بات اور نبیوں کی طرف بھی وحی کی گئی ہے۔ دیکھو قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے ایک جگہ فرمایا ہے: ﴿وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ تمام انبیاء کو اس کے سوا اور کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں دراں حالیکہ اللہ کے لیے اخلاص اختیار کرنے والے ہوں، یعنی نیت اللہ کے لیے ہو، سب انبیاء کو یہ حکم دیا، تو وہی حکم آنحضرت ﷺ کو بھی بتا دیا۔ یہ بھی ایک طرح کی مناسبت اور ایک طرح کا تعلق ہے حدیث انّما الاعمال بالنیات اور کما اَوحینا کے درمیان۔

بس اتنی تمہید کے بعد ان شاء اللہ کل سے آپ پڑھیں گے، دعا کیجیے اللہ رب العزت ہم کو توفیق دے کہ سمجھ کر پڑھیں، اور جو مقصد ہے پڑھنے کا اس کی کوشش کریں، یعنی پختہ علم حاصل کرنا، اس پر عمل کرنا اور عمل کرانا، یہی مقصد ہونا چاہیے، یہ نہیں کہ ہم مولوی کہلانے لگیں، ہم کو کہیں پڑھنے پڑھانے کی ملازمت مل جائے۔ یہ سب غلط بات ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ہم علم حاصل کریں اللہ رب العزت کے لیے، اس لیے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے ہم مکلّف ہیں کہ اس کی شریعت کا علم حاصل کریں، تو اللہ کا یہ حکم بجا لانے کے لیے ہم شریعت کا علم حاصل کرتے ہیں۔ پھر خود اس کے اوپر عمل کریں گے اور اس کے بعد دوسروں کو عمل کرائیں گے؛ اس لیے کہ جو جاننے والا ہے، وہ جس طرح جاننے کا مکلّف ہے، جاننے کے بعد دوسروں کو آگاہ کرنے کا بھی مکلّف ہے۔ یہ جتنی باتیں کہہ رہا ہوں، الفاظ تو میرے ہیں، مگر یہ سب چیزیں صراحت کے ساتھ احادیث وغیرہ کے اندر مذکور ہیں۔

وصلی اللّٰہ علی خیر خلقه محمد وعلی اله وصحبه اجمعین.

☆☆☆☆☆☆☆

بخاری شریف کا آخری درس

[یہ تقریر ۱۹۸۷ء میں مدرسہ مرقاۃ العلوم کے سب سے پہلے فارغ ہونے والے طلبہ کی تقریب ختم بخاری شریف کے موقع کی ہے، جو اہل علم اور عوام وخواص کے ایک بہت بڑے مجمع میں کی گئی تھی۔ یہ حضرت کا نہایت اہم بیان یا درس ہے، لیکن افسوس ہے کہ آخر کا حصہ محفوظ نہیں رہ سکا ہے، لیکن جو حصہ محفوظ ہے، وہ بھی بہت اہم ہے، خاص طور سے اساتذہ اور طلبہ کے لیے بہت بصیرت افروز اور فکر انگیز ہے]

اَلْحَمْدُ لله، نَحْمَدُهُ، وَنَسْتَعِيْنُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنُؤْمِنُ بِهِ، وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللهُ فَلا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلا هَادِيَ لَهُ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لا شَرِيْكَ لَهُ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، أَرْسَلَهُ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا. أمابعد!

فقد قال النبي ﷺ: بَلِّغُوْا عَنِّي وَلَوْ آيَةً (۱).

وقال: لا حَسَدَ إلا فِي اثْنَتَيْنِ (۲).

بعثتِ نبوی:

کل جمعہ کے بعد میں نے آپ کے سامنے ایک آیت پڑھی تھی اور اس میں یہ بتایا تھا، کہ آنحضور سرور عالم ﷺ کی نبوت کے وظائف کیا تھے؟ یعنی کن کاموں کے لیے اللہ رب العزت نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا تھا؟ اور یہ کہ جو کام آپ سے متعلق تھے، ان کو آپ

(۱) صحیح بخاری: باب ما ذكر عن بني إسرائيل /۴۷۲۳
(۲) صحیح بخاری: باب الاغتباط في العلم والحكمة /۷۳

نے کس طرح انجام دیا؟ اور آپ کو بتایا کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے ایک نبی کے بھیجے جانے کی دعا کی تھی اس مقصد سے کہ وہ نبی اس عرب کی قوم کے، اور اس کے ماحول کے لوگوں کو، اللہ رب العزت کی آیتیں سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے۔

جو آیت میں نے پڑھی تھی، اس میں اللہ رب العزت نے گویا یہ بتایا کہ ہم نے ابراہیم کی وہ دعا قبول کر لی اور مسلمانوں کے اوپر بہت زبردست، عظیم الشان احسان فرمایا کہ انھیں میں کا ایک رسول بھیجا، جو ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور جو تعلیم کتاب وحکمت کی دیتا ہے۔ یعنی اللہ نے ان کی دعا قبول کر لی اور آنحضرت ﷺ کے متعلق جو کام ہوا تھا، اللہ نے خود اقرار فرمالیا کہ ہاں وہ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهِ بتادیا کہ ہماری آیتیں وہ تلاوت کرتے ہیں، حکمت اور کتاب کی تعلیم دیتے ہیں۔

وارثین انبیاء:

آنحضرت ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ: إنَّ الأنبياءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِيناراً ولا دِرْهَماً إنَّمَا هُمْ وَرَّثُوا العِلْمَ (۱) (انبیاء علیہم السلام مال ودولت کا وارث بنا کے کسی کو نہیں جاتے، وہ علم کا وارث بنا کے جاتے ہیں) علم چھوڑ جاتے ہیں کہ نبیوں کے وارث وہ علم سیکھیں، سکھائیں اور پڑھیں، مال ودولت نہیں چھوڑ کے جاتے۔ انبیاء علیہم السلام تو جو چھوڑ کے جاتے ہیں وہ سب صدقہ ہو جاتا ہے۔ ان کی آل اولاد کا، ان کے رشتے داروں کا وہ نہیں ہوتا۔ نبیوں کے وارث تو بس وہ لوگ ہوتے ہیں، جو ان کے علم کی وراثت کا استحقاق رکھتے ہیں۔ تو آنحضرت ﷺ بھی علم چھوڑ گئے ہیں، اور اُس علم کا وارث بنا گئے ہیں۔ آپ نے بہت دفعہ پڑھا ہوگا کہ وہ وارث علماء ہیں العُلَمَاءُ وَرَثَةُ الأنْبِيَاءِ (۲) (علماءٔ انبیاء کے وارث ہیں) اور محمد رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ ہم نے جو چیز تم تک پہنچائی ہے وہ تم دوسروں تک پہنچاؤ۔ آنحضرت ﷺ نے ہمارے اوپر لازم قرار دیا ہے، یعنی امت کے اوپر لازم قرار دیا ہے کہ جو محمد رسول اللہ نے سکھایا ہے، اس کو سیکھ کر دوسروں کو بھی

(۱) ابوداود: باب الحث على طلب العلم /۳۶۴۱ (۲) ایضاً

سکھاؤ، دوسروں تک پہنچاؤ۔ ابھی ایک حدیث کا ٹکڑا میں نے پڑھا ہے، فرمایا ہے کہ بَلِّغُوْا عَنِّي وَلَوْ آيَةً (ہماری طرف سے ایک ہی آیت کسی کو تبلیغ کردو) تم نے ایک آیت سیکھی ہے، ایک ہی آیت دوسرے کو سکھادو، یہ لازم ہے تمھارے اوپر۔

خطبۂ حجۃ الوداع کی اہمیت ومعنویت:

آنحضور سرور عالم ﷺ نے جس وقت کہ حجۃ الوداع میں اپنا خطبہ دیا، وہ بڑا اصولی اور تاریخی خطبہ تھا محمد رسول اللہ ﷺ کا، اور اس کے لیے آنحضور سرور عالم ﷺ نے بہت اہتمام فرمایا تھا، حضرت جریر (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ مجھے آپؐ نے بلایا منیٰ میں اور کہا: اِسْتَنْصِتِ النَّاسَ یہ بڑا شور ہورہا ہے، لوگوں کو چپ کراؤ۔ یہ اہتمام تھا۔ منی کے دن آپ جانتے ہیں کہ ساری دنیا کے لوگ اِدھر اُدھر سے آتے ہیں اور شور شغب۔ یہی خطبہ دینے کے لیے آنحضور ﷺ نے جریر کو مقرر کیا کہ لوگوں کو خاموش کراؤ۔ کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو خاموش کرایا، اس کے بعد آپؐ نے خطبہ دیا۔ میں نے آپ کو بتایا کہ وہ بڑا قیمتی خطبہ ہے، وہ آخری خطبہ ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا، بالکل اصول دین اس کے اندر بیان کیے گئے ہیں، اور یہ ایک تاریخی خطبہ ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا ابتدا میں یہ اہتمام کہ لوگوں کو خاموش کرو، تاکہ سب لوگ سن لیں، کوئی یہ نہ کہے کہ ہم نے نہیں سنا، ہم موقع پہ نہیں رہے، اور انتہا میں یہ فرمایا کہ ہمارا خطبہ سن لیا، تو اب یہ بھی سنو کہ ألا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغائبَ(۱) کان کھول لو، ہوشیار ہوجاؤ، متنبہ ہوجاؤ، کہ جو لوگ یہاں حاضر ہیں ان کا فرض ہے کہ ہماری یہ بات جو لوگ غائب ہیں ان تک پہنچائیں۔ اور پھر آنحضرت ﷺ نے بتایا کہ کوئی یہ نہ سوچے کہ کیا کریں گے پہنچا کے، جو بات کہی ہے ہم اس کے اوپر پورا پورا عمل کرلیں گے، سمجھ جائیں گے، کوئی ضروری ہے، کام تو ہوگیا؛ تو اس کو بھی بتایا کہ بالکل غلط ہے یہ بات رُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى لَهُ مِنْ سَامِعٍ (۲) تمھارا پہنچانا ضروری ہے، یہ بات غلط ہے کہ جس نے سنا وہی اس کا سارا حق ادا کرے گا، جی نہیں! تم کسی دوسرے تک پہنچاؤ، ہوسکتا ہے کہ وہ

(۱) صحیح بخاری: باب الخطبة أيام منى ۱۶۵۴ (۲) ایضاً

تم سے زیادہ اس کا حق ادا کرے۔ تم سے اس کا پورا حق ادا نہ ہوا ہو، تم اس کو پورے طور پر نہ سمجھ سکے ہو، جس طرح اس پر عمل کرنے کا، اس کو پھیلانے کا اہتمام ہونا چاہئے، تم نہ کر پائے ہو؛ اس لیے ضروری ہے کہ دوسرے تک پہنچاؤ۔ اس لیے میں نے کہا کہ بڑا مہتم بالشان خطبہ تھا، اور اخیر میں لازم قرار دیا کہ أَلا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ۔

اور یہ اتنا مہتم بالشان خطبہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کو یہ خطبہ دے کر اللہ رب العزت کو گواہ بنانا تھا کہ آپ نے ہمارے ذمہ ایک فرض لگایا تھا، اب ہم کہتے ہیں کہ ہم نے پہنچادیا نا، تبلیغ کردی نا، فرض اپنا ادا کردیا نا، ایسی عظیم الشان چیز تھی۔ یعنی وہ کہہ کر کہتے ہیں اللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ (اے اللہ میں نے تبلیغ کردی نا) یعنی جو فرض میرے سر ڈالا گیا تھا اس فرض سے میں عہدہ برآ ہوگیا نا، اللہ سے پوچھ رہے ہیں۔

اور اسی خطبے کی نسبت میں نے کہا کہ لازم بناتے ہیں کہ جو موجود ہیں، وہ غیر موجودین تک پہنچائیں۔

علم دین کی تبلیغ فرض کفایہ ہے:

تو میں نے آپ کو بتایا کہ علم یہ انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے، اور اُس میراث کے حامل اور پانے والے علماء ہیں، اور امت کے اوپر فرض کفایہ ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کو اور جو چیزیں آپؐ اللہ کے پاس سے لے آئے ہیں، اور ہم تک پہنچایا ہے، ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کو دوسروں تک پہنچائیں اور پھیلائیں اور اُس کو وہ یاد کریں اور اُس کی حفاظت کریں؛ اسی لیے محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ نَضَّرَ اللّٰهُ امرأً سَمِعَ مقالَتِي فأدَّاها كما سَمِع (۱) کہ اللہ رب العزت اس انسان کو تروتازہ رکھے، محمد رسول اللہ کی دعا اور لفظ دعا کا سنو، کہا کہ سبز وشاداب اور تروتازہ رکھے اس انسان کو اللہ رب العزت، جس نے ہماری بات سنی، اور سن کر جیسے ہم نے اسے سنایا تھا ویسے ہی

(۱) یہ حدیث الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ ترمذی اور ابن ماجہ اور حدیث کی دوسری بہت سی کتابوں میں ہے۔

دوسرے تک پہنچادیا۔ یہ ہے آنحضور سرور عالم ﷺ کی دعا اس شخص کے حق میں کہ جو آپ کی بات سن کر اچھی طرح یاد کر کے اور جس طرح آپ نے فرمایا ہے دوسروں تک پہنچا دے، اس کے لیے تروتازگی کی دعا محمد رسول اللہ ﷺ کی، اور خوب آپ جانتے ہیں کہ آنحضور سرور عالم ﷺ کی کوئی دعا رد نہیں۔

بس یہ فریضہ ہے جو ہمارے سر ڈالا گیا ہے، جس کی بنا پر ہم مجبور ہیں کہ جن کے اندر صلاحیت ہو، وہ اصحابِ صلاحیت قرآن کریم کی تبلیغ، تعلیم، تفہیم، اس کے حفظ و درایت کا اہتمام کریں، اور دوسروں کو بتائیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے جو حکمت و دانائی کی باتیں اور احادیث بتائی ہیں، اس کو یاد کریں، اس لیے کہ صرف قرآن نہیں، سب چیز۔ ازواج مطہرات کو کہا کہ ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ﴾ [الاحزاب:۳۴] فرمایا کہ تمھارے گھر میں جو اللہ کی آیت اور جو حکمت تلاوت کی جاتی ہے، اور پڑھی جاتی ہے اور بتائی جاتی ہے اس کو یاد کرو۔ تو صرف آیات اللہ ہی نہیں؛ بلکہ حکمت بھی جو بیویوں کے گھر میں آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے تھے، بتاتے تھے، ان کو بھی یاد کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور آنحضور سرور عالم ﷺ نے اپنی حدیث میں فرمایا کہ مجھے قرآن دیا گیا اور قرآن کے مثل کچھ اور چیزیں بھی دی گئی ہیں۔ وہ یہی حدیثیں ہیں۔ کسی کے لیے زیبا نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ بس ہم کو تو کتاب اللہ کافی ہے، مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ اِتَّبَعْنَا [(۱)] (ہم نے جو کتاب اللہ میں پایا اس کی پیروی کر دی) جی نہیں! ہم کو کچھ اور علم بھی اللہ رب العزت نے عطا فرمایا ہے، اور وہ یہی حدیثیں ہیں۔ اِن کا بھی یاد کرنا اور اِن کے اوپر عمل کرنا ضروری ہے؛ لہٰذا فرض ہے کہ جو محمد رسول اللہ ﷺ کی صحیح اور ثابت حدیثیں محمد رسول اللہ ﷺ سے ہیں، اُن کو سیکھا جائے، یاد کیا جائے اور پڑھایا جائے اور پہنچایا جائے۔

علوم عالیہ و آلیہ:

بس یہ فریضہ ہمارے اوپر ڈالا گیا ہے، اُسی فریضے سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ہم

(۱) ترمذی: باب ما نهي عنه أن يقال عند حديث النبي ﷺ ۲۶۶۳

مختلف چیزیں کرتے ہیں، کبھی وعظ بیان کر دیتے ہیں، کبھی مدارس قائم کرتے ہیں، اور اُن مدارس میں قرآن کی تفسیر اور احادیث پڑھانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور اُن علوم کو، اُن کتابوں کو سمجھنے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے؛ نحو و صرف، علم لغت، بلاغت، اور اصول حدیث کے ہوں یا فقہ کے، ان کی بھی تعلیم دیتے ہیں، کہ اِن کی مدد سے ہم اُن کو صحیح طور پر سمجھ سکیں۔ ایک ایسا شخص کہ جس کی زبان عربی نہیں ہے، اور قرآن کریم کا ترجمہ نہیں سمجھ سکتا، تو ضرورت ہے کہ عربی زبان سیکھے، ہر زبان میں اُس زبان کے کچھ قواعد ہوتے ہیں، تو اُن قواعد کو سیکھنا پڑے گا۔ جب ان قواعد کو، اور اُس زبان کے الفاظ کو اور لغت کو سیکھ لے گا، تب اس کے بعد ایک آیت کا ترجمہ اس کو سمجھ میں آئے گا؛ لیکن دلالتیں بہت سی مختلف ہوتی ہیں، وہ اصول کے اندر بیان کی جائیں گی کہ کس طرح دلالت کرتا ہے؟ یہ دلالت کی کون سی قسم ہے؟ اصول کے ذریعے ہم اس کو معلوم کریں گے کہ اس کی دلالت کیسی ہے؟ تو اس لیے یہ ساری چیزیں آپ کو اصول فقہ اور فقہ اور وہ چیزیں پڑھائی جاتی ہیں۔ تو یہ بھی اُس کا آلہ ہیں، اس کا ذریعہ ہیں، اس کا زینہ ہیں، اِس کا بھی پڑھانا ضروری ہے۔ جس چیز کے بغیر ہم کو ایک ضروری چیز حاصل نہ ہو، تو وہ چیز بھی اُتنی ہی ضروری ہے۔ ہم قرآن نہیں سیکھ سکتے ہیں بغیر نحو کے، تو نحو کا پڑھنا ہمارے لیے اُسی طرح ضروری ہے؛ اس لیے کہ اِس کے بغیر ہم محروم رہ جائیں گے قرآن کے پڑھنے سے۔ تو بہر حال میں کہنا چاہتا ہوں کہ دیکھنے کے لیے ہم نحو پڑھاتے ہیں، صرف پڑھاتے ہیں، اور یہ پڑھاتے ہیں اور وہ پڑھاتے ہیں، کوئی مقصد نہیں ہے، مقصد تو اصل میں قرآن پاک اور حدیث کا پڑھانا ہے؛ مگر ہم وہاں تک پہنچ نہیں سکتے جب تک کہ اس کے آلات اور اسباب اور اس کا زینہ نہ ہو۔ اور اُس زینے کے لیے پورا اہتمام کرنا پڑے گا کہ خوب پختہ زینہ وہ ہونا چاہئے کہ جو ہم کو سنبھال سکے، جو صحیح طور پر وہاں پہنچا سکے؛ اسی لیے آپ دیکھتے ہیں کہ کئی کئی سال ہم نحو وصرف وغیرہ پڑھاتے ہیں؛ مگر نحو صرف پڑھانا کوئی مقصود بالذات نہیں ہے، مقصود بالذات تو قرآن پاک اور احادیثِ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، اور اسی کے لیے یہ اہتمام کیا جاتا ہے۔

جب میں کہتا ہوں یہی اصل چیز ہے، تو اب آپ کو یہ سمجھنا چاہئے کہ کوئی بھی چیز ہو، مال کو لے لیجئے، مال کسی کی میراث ہے، ایک میت کا چھوڑا ہوا مال ہے، اس کی میراث ہے، تو یہ نہیں کہ جو نہیں وہ اُس کا وارث ہو جائے؛ بلکہ اس کے مستحقین ہیں، اُن مستحقین کے علاوہ دوسروں کو وہ مال نہیں ملے گا۔ اسی طرح علم جو میراث ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی، تو اس میراث کا استحقاق جن لوگوں کے اندر ہوگا، صلاحیت جن لوگوں کے اندر ہوگی، ان ہی کو یہ میراث ملے گی۔ تو وہ صلاحیت پیدا کرنے کے لیے صورت یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے کلام اور کلام الٰہی کے سمجھنے کی صلاحیت آدمی اپنے اندر پیدا کرے۔ جب پورے طور پر اُس کی صلاحیت پیدا کرے گا، تب پورے طور پر اللہ کے اور اللہ کے رسول کے کلام کو سمجھے گا، جب پورے طور پر سمجھے گا، تب اس قابل بنے گا کہ دوسروں تک پہنچائے گا، اور نہیں، تو نتیجہ کیا ہوگا کہ اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُساً جُهَّالًا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا (۱) کا نتیجہ ہوگا، صحیح طور پر آپ نے نحو نہیں پڑھی، صحیح طور پر آپ نے تفسیر نہیں پڑھی، صحیح طور پر آپ کو قرآن کریم کا ترجمہ نہیں آتا اور بن گئے آپ مفتی اور معلم اور مدرس، تو نتیجہ یہ ہوگا کہ خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرو۔

پڑھنے پڑھانے میں کوتاہیاں:

میں بغیر کسی جھجک کے اس بات کا اعتراف کرتا ہوں، کہ ہم میں اس سلسلے میں بہت سی کوتاہیاں پائی جاتی ہیں، ایک دو نہیں بہت ساری کوتاہیاں پائی جاتی ہیں، ہمارے اندر مثلاً یہ کوتاہی پائی جاتی ہے کہ ایک آدمی بالکل صلاحیت نہیں رکھتا ہے کہ اس کو بخاری کے اندر شریک کیا جائے؛ مگر صرف اپنی کارگزاری ظاہر کرنے کے لیے اس کو بخاری پڑھوا دیتے ہیں، اس کو پگڑی دے دیتے ہیں، بالکل ناجائز ہے، آپ یہ سمجھ لیجئے کہ بالکل ناجائز ہے اور قیامت کے آثار اور نشانیوں میں سے یہ بات ہے۔ ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ تو بہرحال میں پوری حدیث نہیں بیان کرتا، آنحضرت ﷺ نے

(۱) صحیح بخاری: باب کیف یقبض العلم ۱۰۰/

فرمایا کہ دیکھو جی! قیامت اُس وقت آئے گی جب امانت ضائع کر دی جائے گی۔ امانت کا اہتمام نہ ہوگا، ایک شخص کے پاس کوئی امانت ہے، اس امانت کے اندر وہ خیانت کرے گا، صحیح طور پر اس کا حق ادا نہ کرے گا، اس کو ضائع اور برباد کر دے گا۔ تو لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! امانت کو برباد کرنے کی کیا صورت ہوتی ہے؟ امانت کس طرح برباد ہوتی ہے؟ تو فرمایا کہ إِذَا وُسِّدَ الأَمْرُ إِلىٰ غَيْرِ أَهْلِهٖ (۱) (جب کوئی چیز نا اہل کے سپرد کر دی جائے گی) بخاری کا درس وہ دینے لگے، جس کے اندر مطلق صلاحیت بخاری پڑھنے کی نہیں ہے، بخاری وہ پڑھانے لگے جس کے اندر مطلق صلاحیت بخاری پڑھانے کی نہیں ہے۔ یہ قیامت کے آثار میں سے ہے، یہ محمد رسول اللہ کے حکم کی نافرمانی کر رہے ہو، یہ امانت برباد کر رہے ہو۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں، اور اسی لیے یہاں جو علماء کرام ہیں پھر ایک دفعہ ان کو متوجہ کرتا ہوں، کہ اب مدارس میں ایک طریقہ نکل آیا ہے کہ کیسے ہی نالائق لڑکے ہوں، وہ دورے کے اندر داخل کر لیے جاتے ہیں، اور ایک حدیث اخیر والی کلمتان خفیفتان ان کو رٹا کر، اور ایک ہزار، لاکھ آدمیوں کو بلا کر کہہ دیتے ہیں کہ بخاری ختم کر رہے ہیں، اور اِس سرے سے اُس سرے تک ان کو کلمتان خفیفتان پڑھا دیا، وہ اتنا کلمتان خفیفتان تو جو ایک دن بھی مدرسے میں نہ پڑھا ہو، دو دن بیٹھا کر اس سے پڑھوا دو وہ پڑھ دے گا۔ یہ کیا طریقہ ہے؟ ان کو سنواؤ، اور اجازت دو سننے والوں کو کہ اس کتاب میں سے جہاں سے چاہئے ان سے پڑھوایئے، وہ تو ہم نے کام کو مختصر کرنے کے لیے یہ کیا ہے؛ مگر آپ جہاں سے چاہیں سن لیجئے، کہ ہم نے محنت کی ہے، ہم نے امانت ادا کی ہے، ہماری امانت ہے کہ ہم اِن کو ٹھیک سے تعلیم دیں، ہم نے ٹھیک سے تعلیم دی ہے۔ ان کے اندر امانت ہے کہ یہ ٹھیک سے سیکھ سکیں، ہماری اور اِن کی، دونوں کی امانت کا امتحان اسی میں ہے کہ جہاں سے چاہئے پڑھوایئے۔ کم سے کم پڑھنے کی بات ابھی میں کہہ رہا ہوں، سمجھنے کی بات ابھی بعد میں کروں گا، کہ کم سے کم اتنا ہونا چاہئے کہ جہاں سے چاہئے پڑھوایئے۔

(۱) صحیح بخاری: باب من سئل علماً وھو مشتغل فی حدیثه ۵۹/

یہ میں کسی نکتہ چینی کے لیے نہیں کہہ رہا ہوں، میں کہتا ہوں کہ جو فریضہ ہمارے ذمے لگایا گیا ہے ادا نہیں ہوگا جب تک ایسا نہیں کریں گے، جی! آنحضور سرورِ عالم ﷺ ہی کی حدیث میں نے سنائی نا کہ جب کوئی عالم نہ رہ جائے گا، تو لوگ جاہل کو سردار بنالیں گے، اور وہ جاہل کیا کریں گے کہ لاعلمی میں فتویٰ دیں گے، اور فتویٰ دے کر نتیجہ کیا ہوگا کہ وہ خود تو گمراہ ہیں ہی، دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ آپ دیکھ لیجئے، آئے دن آپ دیکھ لیجئے، کہ تھوڑا سا پڑھنے کا نام کر کے یہ مسئلہ کسی کو بتادیا، وہ مسئلہ کسی کو بتادیا، اور ایک ہنگامہ مچا ہے کہ ارے صاحب! یہ کس نے کہہ دیا؟ کہاں سے کہہ دیا؟

اب کی بات میں نہیں کر رہا ہوں، یہ مولانا عبدالجبار صاحب وغیرہ کے پڑھنے کے زمانے کی بات کرتا ہوں، کہ ایسے ایسے لوگوں کو حدیث پڑھانے کو لگا دیتے ہیں کہ بخاری کے الفاظ کا بالکل غلط ترجمہ کرتے ہیں، تو ایسے آدمی کے ذریعے سے بخاری پڑھوا دینا، یہ امانت کا برباد کرنا ہے کہ نہیں برباد کرنا ہے؟ آنحضور سرورِ عالم ﷺ کے ہاں منھ دکھانے کے قابل رہیں گے، کہ اسی طرح سے پڑھانے کو کہا تھا؟ اسی طرح اپنی باتوں کے پہنچانے کا اور تبلیغ کا ہم نے حکم دیا تھا؟

خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ بڑی پابندیاں ہیں ہمارے اوپر، بڑی ذمہ داریاں ہیں ہمارے اوپر، ان ذمہ داریوں سے ہم عہدہ برآ ہونے کی اگر کوشش نہیں کریں گے، تو اللہ کے ہاں جواب دہی کرنا پڑے گی اور محمد رسول اللہ ﷺ کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ کا ہم حکم بجالائے، اور آپ نے جو کام ہمارے سپرد کیا تھا، ہم نے آپ جیسا چاہتے تھے ویسا نہیں تو بہر حال لگ بھگ جتنا ہم سے ہوسکتا تھا، کیا، یہ کہنے کے لائق ہم نہیں رہیں گے۔ یہ خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے۔

تربیت سے بے توجہی:

بس اتنا کہنے کے بعد اب دوسری بات میں کہتا ہوں، کہ یہ طلبہ جو آپ کے سامنے پڑھے ہوئے ہیں، یہی نہیں؛ بلکہ جتنے مدارس کے طلبہ آج کل کے ہیں، میں کسی سے راضی

نہیں ہوں؛ اس لیے کہ ہمارے مسلم گھرانے اور ہمارے مسلم ادارے، ہماری درس گاہیں اور ہماری تربیت گاہیں، سب اپنے فرائض سے غافل ہیں، کوئی نہیں ادا کرتا۔ ہر گھرانہ اور ہر گھر کا آدمی محمد رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی رُو سے ذمہ دار بنایا گیا تھا، کہ جو لوگ ان کے ماتحت ہیں، ان کی اصلاح اور تربیت، ان کی دیکھ اور بھال کریں، أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ (۱)، پڑھ لیجئے، صحیح بخاری کے اندر پڑھ لیجئے، مسلم میں پڑھ لیجئے، ہر شخص راعی بنایا گیا تھا، ایک باپ اپنے بیٹوں کا راعی ہے، ان کا نگراں ہے، اس کی ذمہ داری ہے کہ ان بچوں کی اسلامی تربیت کرے، ان کو ابتدا ہی سے بتائے کہ کس طرح پیشاب کیا جاتا ہے؟ کس طرح پاخانہ پھرا جاتا ہے؟ کس طرح کھانا کھایا جاتا ہے؟ کس طرح بیٹھا جاتا ہے؟ ایک مسلمان کے بچے کو کس طرح بیٹھنا چاہئے؟ ایک مسلمان کے بچے کو اپنے باپ سے کس طرح بات کرنی چاہئے؟ اور بھائی سے کس طرح بات کرنی چاہئے؟ اور پڑوسی سے کس طرح بات کرنی چاہئے؟ باقی ہم لوگوں کے یہاں جو بات کا طریقہ ہے نا، یہ تو منافقین کا طریقہ تھا، منافقین کا طریقہ کہا گیا تھا کہ اِن کا سلام تو گالی ہے، آپ دیکھ لیجئے یہی منافقت آپ کی مسلم سوسائٹی کے اندر موجود ہے، ایک بڑا گہرا دوست ایک گہرے دوست سے ملتا ہے تو کہتا ہے: ابے سالے کہاں جاتے؟ یہ سلام ہے۔ صحیح کہتا ہوں کہ غلط کہتا ہوں، انصاف سے بتاؤ، بولو۔ یہ تو منافق کا طریقہ بتایا گیا تھا، تم نے اپنے اُس لڑکے کو کیا سکھایا ہے؟ قرآن نے تم سے کہا تھا کہ ﴿قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾ [التحریم:۶]، محمد رسول اللہ نے کہا تھا کہ أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، تم نے کیا کیا؟ یہ تو ڈرانے کی بات کہتا ہوں۔

اور اب اس کے بعد جو ہے اداروں کی بات لیجئے، مسجد کو لیجئے، مدرسے کو لیجئے، کیا تربیت ہوتی ہے لڑکوں کی؟ تو جس جگہ آپ کا جی چاہے جا کر کے مدرسوں میں دیکھ لیجئے، یہ چھوٹے چھوٹے بچے جو ہیں، خدا جانے کتنی مرتبہ کتنے لڑکوں کو میں نے مارا ہے، اور مدرسین

---

(۱) الأدب المفرد: باب العبد راع ۲۰۶/۱، صحیح بخاری: باب الجمعة في القرى والمدن ۸۵۳/

کو بلا کر کہا ہے کہ جامع مسجد سے نکلے اور باہر کھڑے کھڑے جا کر پیشاب کرتے ہیں، چھوٹے چھوٹے بچے جو قاعدہ بغدادی وغیرہ پڑھتے ہیں۔ ہمارا فرض نہیں ہے کہ ان کو ہم بتائیں؟ ....تم ان کو یہ بھی سکھانے کے لیے بٹھائے گئے ہو کہ تم کیسے پیشاب کرو؟ کہاں پیشاب کرو؟ یہ کوئی بات نہیں ہے کہ یہ بچے ہیں، بڑے ہوں گے تو سیکھ جائیں گے۔ یہ محمد رسول اللہ نے نہیں سکھایا ہے، محمد رسول اللہ کا طریقہ تو یہ ہم کو معلوم ہے کہ ایک بچہ آپؐ کے ساتھ کھا رہا تھا، تو کھانا کھانے میں یہاں سے اٹھا رہا ہے، یہاں سے اٹھا رہا ہے، وہاں سے اٹھا رہا ہے، اسی وقت اس کو کہا کہ دیکھو جی! یہ کھانے کا کوئی طریقہ نہیں ہے، اپنے سامنے سے اپنے آگے سے کھانا چاہئے۔ حضرتؐ نے یہ نہیں کہا کہ بڑا ہوگا تو سیکھ جائے گا، برداشت نہیں کیا آپؐ نے۔

اور محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی باپ اپنے لڑکے کو اس سے بہتر کوئی انعام نہیں دے سکتا ہے کہ اس کو اچھا ادب سکھا دے، تم اپنے بیٹے کو موٹر خرید دو، خدا کی قسم یہ کوئی قیمت نہیں رکھتا ہے، کہ اس کے بجائے اس کو کوئی اچھا ادب سکھا دو۔ محمد رسول اللہ کا فرمانا یہی ہے، مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَداً -یا وَلَدَہ- نُحلاً خَیْراً مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ (۱) (ایک اچھے ادب سے بہتر جو ہے کوئی اچھا انعام نہیں دے سکتے ہو) کہاں تک ان باتوں کے اوپر عمل کرتے ہو؟ آج ہمارے یہاں مدارس کا طریقہ یہ ہے کہ جو مدرسے کا وقت ہو، مدرس صاحب آئے، اور آکر بیٹھ گئے، اور لڑکے آئے اور انھوں نے اُن کے سامنے عبارت پڑھی، بسا اوقات ترجمہ کیا یا نہیں کیا، مدرس صاحب نے اس کے اوپر کوئی تقریر کر دی، اور اس کے بعد وہ اٹھے تو مدرس صاحب کو کچھ خبر نہیں ہے کہ وہ جا کے یاد کرتا ہے، یا بازار میں گھومتا ہے، رات کو وہ مطالعہ کرتا ہے، کہ سنیما دیکھنے جاتا ہے۔ ان کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، کوئی ذمہ داری بالکل نہیں ہے۔

(۱) مسند الشہاب: ۱۲۹۶، ترمذی شریف: باب ما جاء في أدب الولد ۱۹۵۲/

تحصیل علم کے لیے اسلاف کی محنت و جانفشانی:

یہ طریقہ ہمارے ہاں نہیں تھا، ہمارے ہاں طریقہ یہ تھا کہ..........لوگ محدثین کے ہاں حدیثیں سننے جاتے تھے، محدثین کے ہاں حدیثیں سننے جاتے تھے، اور جاتے کیسے تھے؟ تو یہی صاحب صحیح بخاری ہیں کہ جب سفر میں یہ نکلے ہیں، پہلی دفعہ، تو کچھ روٹی ووٹی کچھ رومال میں، اور روٹی کیا؟ موٹی موٹی ٹکری کی طرح سے ہوگی کہ وہ کئی دن تک رہ سکے، کہا کہ وہ لے کے نکلے ہیں، جب تک وہ رہی تو کھاتے پیتے رہے، جب ختم ہوگئی تو پھر چلے آئے۔ یہ نہیں تھا کہ ایک کارڈ لکھ دیا کہ ہمارا لڑکا جانا چاہتا ہے مدرسے میں داخلہ کر لیجئے گا اس کا، اور لڑکا آوے تو اُسی وقت ایک ساتھ کھانا بھی وہاں سے ملے گا، یہ نہیں تھا۔ اپنے پاس سے لے کے جاتے تھے، پیدل جاتے تھے، اور محدث کے ہاں جا کر بڑے بڑے لوگ، آپ اور ہم نہیں، ابن عباس (رضی اللہ عنہ) جیسے، محمد رسول اللہ (ﷺ) کے خاندان کے لوگ، علم سیکھنے کے لیے، کہا کہ ایک صحابی کے دروازے پر گئے، جو ہم سے معمَّر صحابی تھے، آنحضرتؐ کے بعد اُن کے دروازے پر گئے، تو معلوم ہوا گھر میں کسی کام سے ہیں، تو کہنے لگے کہ دروازے کے اوپر بیٹھے ہیں، گھنٹوں بیٹھنا پڑتا تھا، اور اِدھر سے ہوا کا لپیٹا آتا تھا، اور ایک جھونکا جو آیا تو اتنی دھول اڑ کر اوپر آئی، اِدھر سے آیا تو اتنی دھول آئی۔ وہاں یہ تو تھا نہیں کہ چلئے صاحب ویٹنگ روم ہے وہاں بیٹھے رہئے، اور گھنٹی بجے گی تب آیئے گا۔ تو چھوٹے چھوٹے لوگ نہیں، بڑے بڑے لوگ، ابن عباسؓ جیسے لوگ بھی علم سیکھنے جاتے تھے، تو یہ محنت مشقت برداشت کرتے تھے، اپنا کھا کے پڑھتے تھے، اور تھوڑی تھوڑی دور نہیں، ہزاروں میل کا پیدل سفر کرتے تھے؛ مگر آج، آج کیا ہے؟ آج تو کچھ نہیں، تین پیسے کا ٹکٹ لیجئے اور چلے آیئے، اور آپ کو مدرسے سے کھانا ملے گا، کتاب ملے گی، سونے کو ایسی جگہ ملے گی آرام سے، اور اس کے بعد آپ مطبخ سے کھانا کھایئے اور رات کو جا کے تماشا دیکھئے، بس ہوگئی، یہ ہے تعلیم آج کل کی۔

تو یہ طالب علمی نہیں تھی، نہ یہ آسانیاں تھیں علم کے حاصل ہونے کی، اور نہ یہ آسانیاں تھیں سفر کی، اور نہ یہ آسانی تھی اس کے اوپر خرچ جو پڑتا ہے اس کی، کوئی بھی آسانی

نہیں تھی، چھاپا خانہ نہیں تھا، آپ کسی سے حدیث سنیں تو آپ خود اپنے ہاتھ سے اس کو لکھیں، جی! یہ بھی نہیں ہے کہ چھپی ہوئی کتاب ملتی ہو، تو اس کو خرید لیں۔ آج چھپی ہوئی کتاب ملتی ہے، وہ بھی اپنے سے نہیں خریدتے ہیں، مدرسے والوں سے خریدوا کر پڑھتے ہیں، دیکھئے: ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

بخاری وغیرہ کے اندر حدیث موجود ہے کہ شعبی نے ایک حدیث بیان کی -وہ حدیث مجھے یاد ہے مگر دیر لگے گی میں بیان نہیں کرتا-، حدیث بیان کرنے کے بعد انھوں نے کہا کہ دیکھو! اتنی قیمتی چیز اور أَعْطَيْتُكَها بِغَيْرِ شَيءٍ (میں نے اس کو مفت میں یوں ہی بغیر کوئی محنت مشقت تم سے لیے ہوئے مفت میں یہ حدیث تم کو دے دی) وَلَقَدْ كانَ يُرحَل فِيمَا دُوْنَها إلَى المَدينةِ[1] کہا کہ اس سے کم کی چیز، ایک مسئلہ، ایک حدیث، دو فقرے کی حدیث جو ہے اگر معلوم کرنا ہوتا تھا تو کوفہ سے لے کر مدینے تک کا سفر کرنا پڑتا تھا، تب جا کے معلوم ہوتا تھا، اور آج ہم نے بیٹھے بیٹھے تم کو تین مسئلہ، تین باتیں تم کو بتا دیں، مفت میں، نہ کوئی محنت، نہ مشقت، نہ کوئی معاوضہ، نہ خرچ نہ ورچ۔ وہی حال آج ہو گیا ہے، آپ دیکھ لیجئے۔

تو میں کہتا تھا کہ ایک تو جانے کی بات رہی، اور ایک جانے کا مقصد، تو حسن بصری کا غالباً مقولہ ہے، کہ ہم جاتے تھے ایک محدث کے یہاں، تو ہم حدیث سننے -اب آپ کو سمجھانے کے لیے میں کہتا ہوں کہ سبق پڑھنے- سے زیادہ ہم یہ دیکھتے تھے کہ یہ نماز کس طرح پڑھتے ہیں؟ یہ وضو کس طرح کرتے ہیں؟ یہ بیٹھتے کس طرح سے ہیں؟ کھانا کھاتے ہیں تو کیا طریقہ کھانا کھانے کا ہے؟ پانی پینے کا ہے؟ کہا کہ یہ ہم اس سے زیادہ سیکھتے تھے۔

(۱) بخاری شریف: باب اتخاذ السراري ومن أعتق جاريته ثم تزوجها الخ، اس میں امام شعبی کے الفاظ یہ ہیں: خُذْها بِغَيرِ شيءٍ، قد كانَ الرَّجُلُ يَرْحَلُ فيما دُوْنَها إلى المدينةِ، یہ اور اس سے ملتے جلتے الفاظ بخاری کے اور مقام کے علاوہ سنن دارمی، الأدب المفرد، صحیح مسلم اور ابن ماجہ وغیرہ میں ہیں۔

یعنی اپنی اسلامی تربیت، طور طریقہ سیکھنے کا ہم کو زیادہ اہتمام ہوتا تھا حدیث سننے سے، اسی فکر میں ہم بہت زیادہ رہتے تھے۔ اور آج؟ ہم کچھ علم کی بات صرف سننے کے لیے آتے ہیں، یاد کرنے کے لیے نہیں؛ اور باقی تربیت والی بات؟ تو وہ تو ہم اُس کے لیے بالکل نہیں آتے۔

اب آج کل نہ معلوم کہاں سے ایک بال نکلا ہے، مولوی صاحب بھی بڑے بڑے بال رکھتے ہیں، نہ وہ سنی ہوتا ہے، یعنی سنت کے مطابق ہوتا ہے، اور نہ جو ہے اس طرح ہوتا ہے۔ میں آپ کو ایک بات کہتا ہوں، میں حرام حلال کی بات نہیں کرتا، میں تو ایک بات کہتا ہوں کہ کوئی ہیئت ہماری جو قرآن وحدیث پڑھنے والے ہیں، ان کی ہیئت کوئی ایسی ہیئت ہونی چاہئے کہ جو اہل صلاح واہل شرف سے اس کا ملاؤ ہو، ایسے نہیں کہ لوفر طبقے کی طرح کے بال ہوں، ان کے جیسے کپڑے ہوں، یہ نہ ہونا چاہئے۔ حرام حلال کی بحث نہیں کرتا میں۔ اس سلسلے میں میں کہتا ہوں کہ ایک مرتبہ نہیں کتنی مرتبہ میں نے اپنے یہاں لڑکوں کو حجام کے ہاں بھیجا ہے کہ یہ بڑے بڑے بال کٹواؤ۔ کسی کو اگر رکھنا ہے تو ہماری طرح رکھو جیسا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا تھا، ورنہ جڑ سے منڈواؤ یا اس کو ترشواؤ۔ یہ کیا کہ اتنے بڑے بڑے بال ہوں اور ان کو ٹوپی سے چھپائے رہو۔ یہ کس کی ہیئت ہے؟ یہ کہاں سے سیکھا ہے تم نے؟ چنانچہ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں، غرض نہیں ہے کوئی کہنے کی، بات آ گئی تو کہتا ہوں کہ کل میں نے اعلان کر دیا کہ کوئی بھی لڑکا اگر ہمارے ہاں ایسا ہوگا کہ جو اس طرح بال نہیں کٹائے ہوگا تو میں یا تو مجلس سے اٹھا دوں گا، یا میں چلا جاؤں گا، میں نہیں برداشت کرتا۔ آج جو ہے، جب چاہئے شہر میں آپ پوچھ لیجئے ہمارے ہاں مدارس ہیں، تو لوگ آپ کو ملیں گے کہتے ہوئے کہ ایک طالب علم کو دیکھا تھا وہاں سے نکلتے ہوئے۔ ہماری ذمہ داری کہاں گئی؟ ہم کاہے کے لیے ان کو کھلاتے پلاتے ہیں؟

اگلوں کی طالب علمی:

خیر یہ تو بہت آگے کی بات ہے، ہمارے پڑھنے پڑھانے کے زمانے میں یہاں

بہت سے میرے پرانے پرانے شاگرد موجود ہیں، مولانا عبدالجبار[۱] موجود ہیں، یہ مولوی عمر[۲] بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کے ہاں دیکھو کہ ہمارے پڑھانے کا کیا طریقہ تھا؟ اور ہمارے پڑھنے کا کیا طریقہ تھا؟ ہمارے ہاں کیا انتظامات تھے؟ ہمارے ہاں ضروری تھا کہ طالب علم جو ہے رات کو ایک مرتبہ مطالعہ کر کے آئے۔ اب کہیں مطالعے وطالعے کا وجود نہیں ہے۔ ہمارے دور میں ایک مرتبہ تو رات کو لڑکا وہ دیکھ کے آتا تھا، ہمارے ہاں پڑھتا تھا وہ، اور پھر اس کے بعد بیٹھ کر اس کا تکرار کرتے تھے، جس کو اب آج کل لڑکے دور اور ملانا کہتے ہیں۔ تو ملانے تک تو کچھ کچھ لڑکے کرتے ہیں، مطالعہ بالکل نہیں کرتے۔ ہمارے زمانے میں مدرس بھی رات کو مطالعہ کر کے پڑھاتا تھا، اور بہت سے مدرس تو ایسے ہوتے تھے کہ اگر انھوں نے مطالعہ نہیں کیا، تو نہیں پڑھاتے تھے؛ مگر آج کل کسی مطالعے کی ضرورت اس لیے نہیں، کہ آج کل کی تو پڑھائی یہ ہے کہ آپ بیضاوی کی ایک عبارت پڑھ دیجیے، اور میرا کام یہ ہے کہ میں اٹھا کر کے ایک تقریر کوئی جاندار کر دوں، اس کا عبارت سے کوئی تعلق ہو نہ ہو، بس تقریر کر دیجیے۔ اب یہ پڑھائی ہوتی ہے۔ اور یہ پڑھائی یہیں نہیں، یہاں سے لے کے دیوبند اور سہارن پور، سہارن پور تو نہیں مگر دیوبند تک چلی جا رہی ہے کہ دھواں دھار تقریریں ہوتی ہیں صاحب تین تین دن چار چار دن۔ اور حاصل کیا ہے؟ لڑکوں سے پوچھو کہ کیا سیکھا انھوں نے؟ کیا آیا ان کو؟ تو کچھ بھی حاصل نہیں، خالی تقریر ہے۔

ہمارے ہاں یہ طریقہ نہیں تھا، ہمارے ہاں طریقہ یہ تھا کہ مدرس خود مطالعہ دیکھ کے پڑھاتا، لڑکے مطالعہ دیکھتے تھے۔ ہمارے ہاں پڑھانے کا طریقہ یہ تھا، ہم شاہ صاحب[۳] کے یہاں پڑھتے تھے، تو ہم کو خوب اچھی طرح سے یاد ہے کہ کوئی پڑھنے والا پڑھتا تو محمدِ

(۱) حضرت محدث الاعظمیؒ کے تلمیذ اور عزیز و جاں نثار شاگرد اور ہمارے استاذ حضرت مولانا عبد الجبار صاحب مئویؒ۔ متوفی ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۳ء=۱۷ر رجب ۱۴۱۴ھ۔ مراد ہیں۔

(۲) مولانا محمد عمر صاحب مبارک پوری مراد ہیں، حضرت محدث الاعظمی کے شاگرد اور جید الاستعداد عالم تھے، وفات ۱۳ر اپریل ۱۹۹۵ء کو ہوئی۔

(۳) حضرت علامہ انور شاہ کشمیری۔ متوفی ۱۳۵۲ھ=۱۹۳۳ء۔ مراد ہیں۔

بنِ کہہ دے، تو شاہ صاحب وہیں سے کہیں دُبنِ، اتنا ہی بتاتے تھے کہ دُبنِ، اور جب تک وہ نہ کہہ لیتا تھا، آگے نہیں چلنے دیتے تھے۔ اب پوری بخاری غلط پڑھ جایئے مدرس ٹوکتا ہی نہیں، مدرس کو پتہ بھی نہیں چلتا ہے کہ کہاں غلط ہوا، کہاں صحیح ہوا، خبر ہی نہیں ہوتی کہ یہ صحیح ہے کہ غلط ہے۔

مدرس کی ذمہ داریاں:

تو دیکھیے! مجھے معاف کیجیے میری تلخ باتوں کو؛ مگر میں آپ کو کہتا ہوں کہ خدا کی قسم ہم، جس طرح میں کہتا ہوں جب تک نہ کریں گے نا، ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہوں گے، محمد رسول اللہ کے سامنے سرخ روئی نہیں حاصل ہو سکتی ہے، ہم شرمندہ ہوں گے، شرمندگی کے سوا کوئی حاصل نہیں ہے، برا نہ مانیے۔ ہم کو ایک کام کا ذمہ دار بنایا ہے، تو اس ذمہ داری کو سمجھنا چاہیے اور اس کا حق ادا کرنا چاہیے، یہ خوب اچھی طرح سے سمجھ لیجیے۔ عبارت بالکل صحیح پڑھنی چاہیے، جو سمجھ میں نہ آوے رک کے اسے پوچھنا چاہیے، ہم کو خود بھی دھیان ہونا چاہیے کہ بھئی یہ بات مشکل ہے ذرا اس کو سمجھا دینا چاہیے۔

علم کا مقصد عمل ہے:

اور یہ سب کچھ ہونا چاہیے اس لیے کہ اس کے مُقتضا کے اوپر عمل کریں، ہم بخاری کی کتاب الصلاۃ پڑھیں، تو اس لیے پڑھیں، کہ ہم کو جو ہے نماز پڑھنا ہے، یہ نہیں کہ بخاری کی پوری کتاب الصلاۃ پڑھ گئے اور بعد مغرب کھانا کھا کے سو گئے، نہ عشا ہے نہ فجر۔ آپ بتا دیجیے کون سا ایسا مدرسہ ہے جس کے اندر یہ نہ ہوتا ہو، میں اپنے مدرسے کی بات کہتا ہوں کہ بار بار میرے پاس آدمی شکایت لے کے آتا ہے کہ فلانے فلانے لڑکے ہیں کہ فجر کے وقت ان کو جگا دیجیے تو بس اس کے بعد پھر سو جاتے ہیں، میں نے کہا ان سب کا ایک ایک ہفتہ کھانا بند کرو۔ اس لیے تھوڑا ہی پڑھاتے ہیں کہ آپ پڑھ کر کے عالم اس کے صرف بن جایئے، کتاب الصلاۃ پڑھا ہے تو نماز پڑھو بھی۔ جو اخلاقی چیزیں تم نے سیکھی ہیں، ان

اخلاق کو اختیار کرو، ان کے مطابق عمل کرو۔ خوب سمجھ لو، اگر یہ تم نے نہیں عمل کیا، تو تمھارا پڑھنا اوڑھنا سب بےکار ہے۔

اور میں نے جو بات کہی تھی، پھر کہتا ہوں کہ اسی بنا پر میں کسی مدرسے کے طلبا سے بھی راضی نہیں ہوں۔ ان کی ہیئت، اہل صلاح کی ہیئت نہیں ہے۔ ان کا طرز عمل، اہل صلاح کا طرز عمل نہیں ہے۔ اور وہی نہیں مدرسین سے بھی میں خوش نہیں ہوں؛ اس لیے کہ جو ہمارے بزرگوں کا، جو ہمارے سلف کا، جو اہل صلاح ہمارے اساتذہ کا طریقہ تھا، وہ طریقہ ہم نے چھوڑ دیا۔ ہم کو ہر چیز کے اوپر ٹوکا کرتے تھے، چھڑی سے مارا کرتے تھے، گالی گلوچ کرتے ہوئے دیکھ لیا، اور کوئی ایک نماز چھوڑ دی قصداً تو اس کے اوپر، ہر چیز کے اوپر تنبیہ ہوتی تھی۔ یہاں جو ہے پورے مہینے نہ نماز پڑھیے، مدرس صاحب کو پتہ بھی نہیں ہے، خبر بھی نہیں ہے کون نماز پڑھتا ہے، کون نماز نہیں پڑھتا، تو اس وجہ سے مجھے جو ہے اس طریقۂ کار سے کوئی خوشی نہیں ہے۔ میں آپ سے کہتا ہوں کہ ہم سب کو مل جل کر ایک دوسرے کے تعاون سے وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے، جس طریقے کو محمد رسول اللہ ﷺ نے چاہے عمل کے لیے، چاہے علم کے لیے، چاہے وعظ کے لیے، چاہے تدریس کے لیے جو طریقہ اختیار کیا ہے، وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے، اور اُس کے مطابق ہم کو تعلیم دینی چاہیے۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے ہیں، تو خوب سمجھ لیجیے کہ ہم بالکل اپنے فرض سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، اور اپنے طالب علموں سے یہ کہہ دیجیے کہ میں ہرگز ان طالب علموں کو اُس وقت تک عالم نہ سمجھوں گا، جب تک کہ وہ اپنے علم کے مُقتضا کے اوپر عمل نہ کریں گے۔

ایک، اور جب تک کہ اُن میں سے ہر شخص بطور خود محسوس کرے کہ ہم میں کیا کمی ہے، اُس کمی کو پورا کرنے کی کوشش نہ کرے گا۔

دستار بندی سند کمال و دلیل استناد نہیں ہے:

یہ جو ہم پگڑی دیں گے، یا ہماری طرف سے، بالکل کوئی ہم سے نہ کہنے آئے کہ اس نالائق کو دے دیا۔ اُس نالائق کو صرف اُس نے بخاری کے الفاظ پڑھ لیے ہیں، اس لیے ہم

ایک پگڑی دے رہے ہیں؛ لیکن یہ دلیل نہیں ہے کہ ہمارے نزدیک یہ مستند عالم ہے، ابھی سے ہم بتائے دیتے ہیں۔ مستند عالم بننے کے لیے اور اس کی شہادت ہم سے حاصل کرنے کے لیے، ضرورت ہے کہ جس کے اندر جو کمی ہے، اُس کمی کو پورا کرے، وہ پگڑی، وہ شہادت نہیں ہے کہ وہ پورا جیسا چاہیے ویسا ہو گیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر لوگ اس کے اوپر ناراض نہ ہوتے، گرفت نہ کرتے، تو جب تک یہ نہ ہوتا ہم پگڑی نہ دیتے؛ مگر کیا کریں ہم بھی مجبور ہیں؛ مگر ہم خوب صحیح صحیح کہہ دیتے ہیں کہ یہ پگڑی جو ہے کسی کو مل گئی، نہ دوسرے سمجھیں نہ وہ سمجھیں کہ بس ہم بالکل پکے ہو گئے، ہم کو تو پگڑی مل گئی، ہر ایک کا فرض ہے، نہیں سمجھ میں آتا ہے تو دوسرے سے اس بات کو سمجھے، دوسروں سے اس بات کو سمجھے۔

آپ کو میں ایک بات مثال کے طور پر کہتا ہوں کہ میرے ہاں اپنے پڑھنے پڑھانے کا طریقہ تھا، ہماری اس جماعت کے اندر بہت سے لڑکے بہت اچھا پڑھنے والے ہیں اور میں مولوی عمر وغیرہ سے کہتا ہوں کہ جن جن لڑکوں کو میں نامزد کروں، بخاری کے جس مقام سے چاہیں اس سے پڑھوالیں، تو جو ایسے نہیں ہیں، تو اب یہ لڑکے موجود ہیں، اِن سے پوچھیے، ایک ایک لڑکے کو ایک ایک ذہین لڑکے کے حوالے کیا کہ میرے ہاں نہیں پڑھ سکتا ہے تو تم لوگ اس سے سنو اور پڑھنے کا اس کو عادی بناؤ، چنانچہ اس کا فائدہ ہوا، کہ وہ میرے ہاں تو نہیں پڑھ سکتے تھے، مگر اُن کے سامنے پڑھتے پڑھتے وہ بھی پڑھنے کے قابل ہو گئے۔

تو جو طریقہ کسی کی اصلاح کا ہو سکتا ہے، اس کے اندر کوئی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔ اور اگر ہم اس میں کوتاہی کریں گے، تو پھر میں وہی کہتا ہوں کہ ذمہ داری ہماری باقی رہ جائے گی۔

صحیح بخاری کی آخری حدیث:

ان چند کلمات کے بعد اب نمونے کے طور پر ایک بات کہتا ہوں کہ ہمارے سامنے صحیح بخاری کی آخری حدیث پڑھی گئی، صحیح بخاری کا آخری باب اور اس کی آخری حدیث

آپ کے سامنے مولانا عبدالجبار صاحب نے پڑھی؛ اس لیے کہ وہ بھی میرے شاگرد ہی ہیں، اِن کے استاد ہیں، میرے شاگرد ہیں، تو میں نے اُن سے پڑھوادیا، میں خود پڑھتا؛ لیکن میری کمزوری کا حال آپ جانتے ہیں، صرف یہ آخری حدیث میں نے پڑھ دی زبانی سہی۔ میں نمونے کے طور پر آپ کو بتاتا ہوں، کہ مثلاً صحیح بخاری ہم کو پڑھانی ہے، تو یہ بتانا چاہئے کہ یہ باب جو ہے، اس باب کا کیا مقصد ہے؟ اور جو چیز اِس کے اندر بیان کی گئی ہے، نیچے جو حدیثیں ہیں، وہ اُس کے اوپر کس طرح دلالت کرتی ہیں؟ کم سے کم اتنا ہونا چاہئے۔

بخاری نے باب منعقد کیا کہ اعمال بنی آدم کے اور ان کے افعال جو ہے وہ تولے جاتے ہیں، اہل سنت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے، تمام اہل سنت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے، کہ اللہ رب العزت قیامت کے دن میزان عدل کو قائم کرے گا، اور وہ میزان سچ مچ میزان ہوگی، ایک ترازو ہوگی، جس کے دو پلے ہوں گے، اس کے اوپر کی زبان جو ہوتی ہے وہ ہوگی۔ یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ اب جن لوگوں کو اس کے اندر شبہہ ہے، مگر ترازو پر تو اعمال جیسی چیز نماز جو جسد نہیں ہے، جو جواہر میں سے نہیں ہے، اعراض میں سے ہے، تو وہ کیسے تولی جائے گی؟ تو ہمارے علما نے بتایا کہ ارے ہوسکتا ہے کہ جس صحیفے میں، جس کاغذ میں وہ عمل لکھا ہے، وہ کاغذ تول دیا جائے، نیکیوں کے پرچے، اعمال نامے.......................۔

میلاد حقیقی

اَلْحَمْدُ لله، نَحْمَدُهٗ، وَنَسْتَعِيْنُهٗ، وَنَسْتَغْفِرُهٗ، وَنُؤْمِنُ بِهٖ، وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللهُ فَلا مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلا هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لا شَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، أَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا. أمابعد!

فأعوذ بالله مِنَ الشَّيطَانِ الرَّجيم ﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾.

آج کے جمعہ میں کچھ دل میں ایسی خواہش پیدا ہوئی کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور تبلیغِ رسالت کی تھوڑی سی تفصیل آپ کے سامنے رکھی جائے، اور مقصد دو ہے: ایک مقصد یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کا ایک طبقہ ہے، جو میلاد کے نام سے جو مجلس منعقد کی جاتی ہے، اس کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے، اتنی اہمیت دیتا ہے کہ اتنی اہمیت وہ فرض نمازوں کو بھی نہیں دیتا، اتنی اہمیت وہ کلام پاک کی تلاوت اور اس کے پڑھنے کو بھی نہیں دیتا، تو بتایا جائے کہ اگر میلاد اتنی ضروری چیز ہے تو اس میں کیا ہونا چاہیے۔ یعنی آج مقصد یہ ہے کہ ہم آپ کو میلاد پڑھ کر سنائیں، تاکہ ایک طرف یہ الزام رفع ہو کہ ہم میلاد کو نہیں مانتے؛ دوسری طرف یہ بات واضح ہو کہ اگر کوئی میلاد کرے، تو اسے اس میں کیا بیان کرنا چاہیے؟ صحیح میلاد کا طریقہ کیا ہے؟ میلاد کا مقصد کیا ہے؟ جس کسی نے یہ مجلس سب سے پہلے منعقد کی ہے، اس کا مقصد درحقیقت اس تاریخ کی تجدید تھی، جو اسلام کی بہت عظیم الشان تاریخ ہے، جہاں سے اسلام کی تاریخ کی بنیاد پڑتی ہے، یعنی حضرت محمد رسول اللہ

ﷺ کی پیدائش! تو اس نے یہ خیال کیا کہ اگر آنحضرت ﷺ کی پیدائش نہ ہوتی، تو یہ اسلام کہاں سے ملتا؟ قرآن کس پر نازل ہوتا؟ آپ ﷺ کے پیدا ہونے کے بعد جب اس کا وقت مقرر اللہ کے علم میں آ پہنچا، تو اللہ ربّ العزت نے اپنی رسالت محمد رسول اللہ ﷺ کو سپرد فرمائی، اور ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ﴾ خدا کے نزدیک جو برگزیدہ دین تھا، اس دین کے ساتھ آنحضور سرور عالم ﷺ کو اس نے مبعوث بنایا، تو اس نے ایسے شخص کی اور ایسی شخصیت کی پیدائش کے تذکرے کو بہت زیادہ ضروری اور اہم سمجھ کر اس مجلس کا انعقاد شروع کیا۔ مقصد اس کا یہ تھا کہ یہ جو نعمتِ عظمیٰ ہم کو حاصل ہوئی ہے، تو سال بہ سال اس نعمتِ عظمیٰ کو ہم یاد کریں۔ اس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ صرف چند لڑکوں کو بلا کر اور قصیدہ خوانی کر کے مٹھائی بانٹ دیں، اور بس۔ مقصد تو اس کی یاد دہانی کرانی تھی کہ یہ جو نعمت ہم کو حاصل ہوئی ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی، یہ جو ہمارے اوپر انعام ہوا ہے اسلام اور ایمان کا اور اس مذہب کا، وہ مذہب جس شخصیت کے اوپر نازل ہوا، اس کی پیدائش کے دن کو ہم یاد کر کے اس نعمتِ عظمیٰ کو یاد کریں، اور اس نعمت کی قدر پہچانیں؛ مگر آپ دیکھتے ہیں کہ صرف اس میں محمد رسول اللہ ﷺ کی ولادت کا بیان ہوتا ہے اور کھڑے ہو کر پھر سلام پڑھتے ہیں۔

تو آج ہم لوگوں کے اوپر واضح کریں گے کہ اگر مجلسِ میلاد منعقد کی جائے، تو اس میں اصلاح اور ترمیم کی ضرورت ہے، وہ ترمیم اور اصلاح یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت وتبلیغ کا بیان کیا جائے، اس لیے کہ اصل چیز تو وہی ہے، لوگ اتنے سے نہ سمجھیں گے کہ آپ ﷺ کے پیدائش کا بیان کر دیا جائے، بس ان کو سب چیز یاد آ جائے گی، اور سب یاد کر لیں گے، جو مجالسِ میلاد منعقد کی جائیں، ان کے اندر محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت وتبلیغ اور اس عہد کا وہ نقشہ جو اس دعوت وتبلیغ کے وقت میں موجود تھا، بتائیں کہ یہ نقشہ تھا، اور اس حال میں آنحضرت ﷺ مامور ہوئے کہ کلمۂ توحید کی صدا بلند فرمائیں، اور اس حکم کو آپ کس

طرح بجا لائے؟ اس کے لیے کتنی کتنی مصیبتیں اور اذیتیں آپ ﷺ نے برداشت فرمائیں!؟ اس کے لیے آپ پر کتنے کتنے مصیبت کے پہاڑ ٹوٹے!؟ کس کس سے دشمنی ہوئی!؟ یہ ساری چیزیں آپ کے سامنے ہونی چاہئیں، تب آپ کو سمجھ میں آئے گا۔

اسلام کتنی مصیبتوں کے بعد پھیلا ہے:

ہم تو مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے، اور ماں باپ کو سنتے ہوئے کلمہ ''لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہُ'' پڑھ لیا، ہم کو کیا قدر رہو گی اس کلمہ کی؟ اس کلمہ کی قدر اس سے پوچھیے کہ جس شخصیت کو اس سے بھی زیادہ تیز دھوپ میں اور یہاں سے بھی زیادہ سخت اور سنگلاخ زمین مکۂ معظّمہ کی ریتیلی اور پتھریلی اور کنکریلی زمین پر ننگے بدن، سینے کے بَل لٹا کر اور اس سے کہا جائے کہ، ایک خدا کو ماننا چھوڑو، اور بُتوں کو مانو، تو اس حال میں بھی وہ بندہ کہتا تھا کہ أحَد أحَد، ایک خدا ہے، ایک خدا ہے، اس سے پوچھو اس کلمہ کی قدر، ہم کو کیا اس کلمہ کی قدر رہو گی، ہم کو کچھ نہیں معلوم کہ یہ کلمۂ طیبہ جو جنت کی کنجی ہے، یہ کلمۂ طیبہ جس کی بدولت عرب کے فاقہ مست لوگوں کو جن کی ایک چپہ پر بھی حکومت نہیں تھی، زمین کے ایک چپہ اور ایک بالشت پر بھی ان کی حکومت نہیں تھی، اسی کلمہ کی بدولت اللہ ربّ العزّت نے ساری روئے زمین کا ان کو مالک بنا دیا۔ آپ سوچیے، ہم کو کوئی قدر نہیں ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت وتبلیغ اور تبلیغِ رسالت کی، ہم کچھ نہیں جانتے ان کی نسبت، ہم کو ہر سال تو بس یہ بتایا جاتا ہے، کہ حضرت آمنہ کے پیٹ سے بارہویں ربیع الاول کو محمد رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے، اور اس کے بعد کھڑے ہو کر: یا نبی سلام علیک، یا رسول سلام علیک، بس چلدیئے، کل اتنا ہم کو اس کلمہ کی نسبت بتایا جاتا ہے۔ ارے، ہم کو بتاؤ کہ ہم کس طرح مسلمان ہوئے، یہ اتنے سارے لوگوں کو، اور جگہ چھوڑ دیجیے، میں کہتا ہوں کہ اسی مجمع میں اتنے آدمیوں کو اسلام کس طرح ملا ہے؟ یہ کلمہ طیبہ کس طرح حاصل ہوا ہے؟ اور پھر اتنے ہی لوگوں کو نہیں، میں کہتا ہوں کہ دنیا کا کوئی خطہ بھی ہو، اس خطہ میں دیکھ لیجیے

کہ اسلام کس طرح پہنچا ہے؟ کون کون سی کٹھنائیاں محمد رسول اللہ ﷺ کو جھیلنی پڑی ہیں، تب جا کر یہ بات حاصل ہوئی ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ جس وقت محمد رسول اللہ ﷺ نبی بنائے گئے ہیں ہر آدمی جانتا ہے کہ ایک متنفس بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں تھا، یہ ایک ایک کر کے دو دو کر کے ہوتے ہوتے یہ ساری دنیا میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ اسلام کا پرچم لہرا رہا ہے، مگر کیسے ہوا؟ ہوتا اس طرح سے ہے کہ اپنی پیدائش کی جگہ مکہ معظّمہ میں اور سمجھئے کہ اپنے گھر کی اور اپنے محلّہ کی مسجد میں خانۂ کعبہ میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے ہیں اور سجدے کی حالت میں ہیں تو کافر اور مشرک اور ان کے دشمن اونٹ ذبح کر کے اس کی اوجھڑی، پورا اوجھ لا کے آپ کی پیٹھ پر ڈال دیتے ہیں کہ وہ سر نہ اٹھا سکیں، یہ حال ہے، آنحضور سرورِ عالم ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے ہیں، آنحضرت ﷺ کا پورا بائیکاٹ کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ ایک مقام میں جس کو شِعب ابی طالب کہتے ہیں آپ گویا نظر بند کیا کہئے خانۂ قید ہو کر رہ جاتے ہیں، رسد پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے، کہاں سے کھانا آئے، کہاں سے کیا ہو۔ آنحضور ﷺ مکہ معظّمہ میں جن لوگوں کو کہتے تھے، کچھ لوگ ساتھ ہوئے، مگر اتنے سے تو کام نہیں چلتا تھا، اللہ ربُّ العزّت نے اب اس کے بعد ایک حکم یہ بھی دیا کہ ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾ جس بات کا آپ کو حکم ہے اس کو ایک دم واشگاف کہئے، کھلم کھلا اور علی الاعلان کہئے، لیجئے یہاں سے تبلیغ کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔

جن لوگوں نے حج کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ صفا پہاڑ کے پاس ایک مکان تھا اور اب تو جو آدمی جائیں گے، وہ جانیں گے بھی نہیں؛ مگر ہم لوگوں نے وہ جگہ بھی دیکھی تھی جس کو دار الارقم کہا جاتا تھا، اُس وقت وہ گھر دوسرے کے قبضہ میں تھا؛ مگر بہر حال اس جگہ پر گھر بنا ہوا ہم لوگوں نے خود دیکھا تھا، اسی گھر میں آنحضرت ﷺ بند رہتے تھے، جو مسلمان ہوتا تھا وہیں جا کر کے ملتا تھا، وہیں آپ سے ملاقات کرتا تھا، وہیں آپ تبلیغ کرتے تھے۔ یہ

پابندی تھی اور یہ زمانہ تھا، اور کوئی شخص حمایتی آنحضرت ﷺ کا نہیں تھا، جب آنحضرت ﷺ کو یہ حکم ہوا کہ اب کھلم کھلا آپ دعوت دیجیے، تو کہاں نہیں گئے، مکہ معظّمہ میں آپ کہہ لیجیے، مکہ معظّمہ کے پاس کہہ لیجیے کہ تین جگہ گویا میلا لگتا تھا یا یوں کہیے کہ بازار لگتا تھا، اور اٹھارہ اٹھارہ دن یا بیس بیس دن وہ بازار لگتا تھا، یا میلا لگتا تھا، ایک جگہ کا نام عُکاظ تھا، آج بھی وہ جگہ موجود ہے؛ ایک جگہ کا نام مجَنّہ تھا، وہ بھی جگہ موجود ہی ہے، نام چاہے بدلا ہوا ہو، ہر سال حج ہوتا تھا، سارے عرب کے لوگ حج کرنے کے لیے آتے تھے، تو آنحضرت ﷺ اس میلے میں جاتے تھے، عکاظ جاتے تھے، مجَنّہ جاتے تھے، منی میں جاتے تھے، وہ زمانہ دوسرا زمانہ تھا، وہاں تو جو قبیلہ مثلاً بازار میں جاتا تھا، اس کی ایک جگہ بنی ہوئی تھی کہ وہ یہاں ٹھہرے، دوسرا قبیلہ اس کی یہ جگہ ہے، یہاں ٹھہرے، تو آنحضرت ﷺ ایک ایک قبیلہ کو پُوچھ کر اور اس اس قبیلہ کے پاس جا کر دعوت دیتے تھے، یہ کون قبیلہ ہے؟ فلاں ہے، وہاں جاتے تھے۔ یہ کون قبیلہ ہے؟ وہاں جاتے تھے۔ منیٰ میں بھی یہی ہوتا تھا۔

ایک طرف سے یہ بات ہوئی، اور دوسری طرف سے مخالفت کا شروع ہی سے یہ عالم تھا کہ آنحضرت ﷺ کہیں جا رہے ہیں، کسی کو وعظ اور تبلیغ کرنے کے لیے، تو آپ ایک طرف توحید کی دعوت دیتے ہیں، تو پیچھے ایک آدمی نہایت گورا چٹا بہت خوبصورت ان کے چپ ہونے کے بعد کہتا ہے کہ ارے یارو! یہ بے دین آدمی ہے، بے دینی کی باتیں کرتا ہے، آپ لوگ کیا جانیں، یہ تو ہمارے گھر ہی کا آدمی ہے، اس کی بات نہ سنیے، وہ ابولہب تھا، خود گھر ہی کا آدمی، چچا ہی اپنا، اپنے بھتیجے کی نسبت ان کی تقریر یا ان کے خطبہ کے بعد یہ کہتا ہے۔

طائف کا سفر اور مخالفت کی انتہا:

ابو طالب جب تک زندہ تھے، تو اگر چہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے؛ مگر یہ کہ ابو طالب کی حمایت تھی؛ اس لیے کہ آپ ان کے حقیقی بھتیجے تھے، رشتے کی بنا پر کوئی آدمی آپ

کو کوئی تکلیف جلدی پہنچانے کی ہمت نہیں کرتا، اور کرتا تھا تو ابو طالب ان کی پوری حمایت کرتے تھے، لیکن ابو طالب کے انتقال کے بعد یہ حمایت بھی ختم ہوگئی، ان کے انتقال کے بعد جناب محمد رسول اللہ ﷺ طائف گئے، میں سمجھتا ہوں کہ یہاں پر بھی کچھ حُجاج ہوں گے جنھوں نے طائف دیکھا ہوگا، آج طائف کوئی آدمی پیدل نہیں جاتا ہے، سب موٹروں سے اور تیز سے تیز رفتار موٹروں سے جاتے ہیں؛ مگر محمد رسول اللہ ﷺ نے تبلیغ کی دعوت کے لیے مکۂ معظّمہ سے طائف تک کی مسافت پیدل طے کی اپنے پاؤں سے، اور جب وہاں تشریف لے گئے ہیں تو بہت سی روایتوں کے اندر آپ کو ملے گا کہ آپ نے کوئی خطبہ دینا چاہا تو وہاں کے رئیسوں نے، اور وہاں کے کہنا چاہیے کہ بدمعاش رئیسوں نے لڑکوں کو لگا دیا، اور انھوں نے پتھر برسایا، جسمِ مبارک لہولہان ہوگیا، پیر میں موزہ پہنے ہوئے تھے، چمڑے کا وہ موزہ خون آلود ہوگیا، پیر اس میں چپک گیا، یہ مخالفت تھی، طائف گئے تو کوئی بات پوچھنے والا نہیں تھا، رُفیدہ نام کی ایک عورت تھی، معلوم نہیں کس بنیاد پر آنحضرت ﷺ اس کے دروازے پر پہنچ گئے، تو رفیدہ نے بہت ہی ہمت کر کے، بڑی محبت سے، بڑے پیار سے آنحضرت کو بٹھایا، اور سَتُّو کا شربت آپ کو پلایا۔ آپ سوچ لیجئے! ہم اور آپ کہیں تقریر کرنے کے لیے جاتے ہیں، تو ہمارا کس طرح استقبال ہوتا ہے؛ مگر محمد رسُول اللہ ﷺ نے سَتُّو پی پی کے اس اسلام کو پھیلایا ہے، اس مقام پر اتنے دنوں تک دعوت وتبلیغ کرتے ہوئے کئی سال ہوگئے اور بڑی بڑی مصیبتیں آنحضرت ﷺ کے سامنے آئیں، تو طائف میں جب آپ تبلیغ ودعوت کا انجام دیکھ چکے، تو کہتے ہیں کہ ایک درخت کے نیچے آپ آئے اور آپ نے وہاں دو رکعت نماز پڑھی۔

طائف میں آپ کی دعا:

یہ جو تبلیغی جماعت کے امیر مولانا یوسف مرحوم تھے انھوں نے ایک کتاب ''حیاۃ الصحابہ'' لکھی ہے، اس کے اندر بھی یہ واقعہ پڑھ سکتے ہیں، مجمع الزوائد جو حدیث کی

ایک کتاب ہے، جو مصر میں مدتوں ہوئی چھپ چکی ہے، اس کے اندر آپ پڑھ سکتے ہیں، اور اس کے علاوہ اور بہت سی کتابوں کے اندر لکھا ہے، وہ الفاظ آج تک محفوظ ہیں، میں تو سمجھتا ہوں کہ بہت مایوسی کے عالم میں آپ نے یہ نماز پڑھ کر اللہ رب العزت کے سامنے دعا کی ہے، اس دعاء کے ابتدائی الفاظ ہیں کہ ''اَللّٰھُمَّ إنِّيْ أَشْكُوْ إلَیْکَ ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَھَوَانِيْ عَلَی النَّاسِ أَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ'' اے اللہ! میں اپنی کمزوری اور قوت کی کمی کی شکایت آپ کے پاس کرتا ہوں اور میری جو بے عزتی اور بے قدری لوگوں کے یہاں ہے، اس کی بھی شکایت آپ کے یہاں کرتا ہوں۔

''اَللّٰھُمَّ إنِّيْ أَشْكُوْ إلَیْکَ ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَھَوَانِيْ عَلَی النَّاسِ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ، اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ، إلٰی مَنْ تَکِلُنِيْ؟ إلٰی عَدُوٍّ یَتَجَھَّمُنِيْ أَوْ إلٰی قَرِیْبٍ مَلَّکْتَهٗ أَمْرِيْ'' [1] (خداوندا! تو ارحم الراحمین ہے، تو مجھے کس کے سُپرد اور کس کے حوالے کر رہا ہے؟ ایسے دشمن کے حوالے کرتا ہے کہ جو نہایت بدخوئی سے بہت بُرے چہرے سے میرا مقابلہ کرتا ہوا میرے سامنے آتا ہے، اس دشمن کے حوالے کرتا ہے مجھ کو؟ یا ایسے رشتہ دار کے حوالے کرتا ہے کہ جس کو تو نے گویا میرا مالک بنا دیا ہے، تو جو چاہے وہ کر سکتا ہے، کہاں جاؤں؟)

اس کے بعد کہتے ہیں کہ پھر بھی:

''فَإنْ لَمْ تَکُنْ غَضْبَانَ عَلَيَّ فَلَا أُبَالِيْ غَیْرَ أَنَّ عَافِیَتَکَ اَوْسَعُ لِيْ''

کہا کہ خیر! جس حال میں بھی آپ نے مجھے رکھا ہے، اور جو جو مصیبتیں پہنچ رہی ہیں، تو اگر یہ مصیبتیں اس حال میں پہنچ رہی ہیں کہ آپ ناراض نہیں، آپ غصہ نہیں ہیں، تو مجھے ان کی کچھ پرواہ نہیں، اگر آپ خوش ہیں تو مجھے کچھ پرواہ نہیں، مگر اے اللہ تیری عافیت تو میرے لیے بہت کشادہ ہے، تیری عافیت تو ساری دنیا کو گھیرے ہوئے ہے، مجھ کو بھی تو عافیت

(۱) مجمع الزوائد: ۳۵/۶

نصیب ہو۔

آنحضور ﷺ نے کہا کہ مگر ان سب چیزوں کے باوجود بس میں یہی دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! تیرا غضب میرے اوپر نہ نازل ہو، اور اے اللہ! تجھے ہمیشہ عمر بھر منانا ہے یہاں تک کہ تو راضی ہوجائے۔

لَکَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ

یہ دعا کررہے تھے۔

آپ ان الفاظ کو سامنے رکھیے! آنحضور سرور عالم ﷺ کا دل اس وقت میں کیسا بھر آیا تھا، پورا نقشہ آپ کے سامنے تھا کہ جس دن سے یہ کلمۂ توحید ہم نے بلند کیا ہے، تو کیا کیا دن آیا ہے ہمارے اوپر، کہیں اللہ رب العزت ناراض تو نہیں ہے ہم سے، تو کہتے ہیں کہ اگر آپ ناراض ہیں تو عمر بھر آپ کو راضی کرنے کی کوشش کریں گے، یہاں تک کہ آپ راضی ہوجائیں؛ لیکن اگر یہ ساری چیزیں ہمارے اوپر پیش آرہی ہیں مگر آپ ناراض نہیں ہیں، غصہ نہیں ہیں، خوشی کی حالت میں ہم پر یہ آرہا ہے تو لا اُبالی ہم کو کچھ پرواہ نہیں ہے، ایسی ایسی لاکھوں مصیبتیں ہم پر آجائیں، تو ہم کو کوئی پرواہ نہیں۔ تب اسلام ملا ہے، آپ یہ سمجھ لیجیے۔

بس میں آپ سے یہی کہنا چاہتا ہوں کہ ہم کو میلاد میں یہ بتانا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ نے ہمارے لیے کیا کیا مصیبتیں جھیلی ہیں، سوچو کہ جس نے ہمارے لیے یہ مصیبتیں جھیلی ہیں، اس کا کتنا حق ہمارے اوپر ہوگا، اور پھر اس کے بعد سوچو کہ اس حق کا کتنا حصہ ہم ادا کررہے ہیں، یہ سب غور کرو۔ یہ بتانے کی ضرورت ہے میلاد میں۔

امت کی نجات کی فکر:

آج جیسا میلاد میں چاہتا ہوں وہی میلاد میں آپ کے سامنے پڑھ رہا ہوں، میں آپ کو بتاتا ہوں کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ ساری مصیبت جھیلی تھی کس واسطے؟

قرآن پاک میں خود ہی فرمایا ہے کہ ﴿وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا﴾ کہ تم سارے لوگ جہنم کے گڈھے، آگ کے گڈھے کے، بہت بڑے جہنم کی آگ کے گڈھے کے کنارے کھڑے تھے، تو اللہ رب العزت نے گویا ہاتھ پکڑ کے وہاں سے ہٹایا، کیسے؟ کیا اللہ میاں اتر آئے تھے؟ محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیجا اور انھوں نے ہاتھ پکڑ پکڑ کے سب کو کھینچا، اس کے لیے یہ ساری مصیبتیں آپؐ نے برداشت فرمائیں، خود آپؐ نے فرمایا، محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری مثال ایسی ہے جیسے کوئی چراغ جل رہا ہو، تو پتنگے اس پر نہیں گرتے؟ تم اسی طرح سب کے سب جہنم میں گر رہے ہو، اور میں تمہارا نیفہ پکڑ پکڑ کر کھینچ رہا ہوں، کہ ارے اس گڈھے میں نہ جاؤ، اور اسی نیفہ پکڑ کھینچنے میں آپ کے اوپر پتھر برسائے جاتے ہیں، تلوار چلائی جاتی ہے بھوکا پیاسا رکھا جاتا ہے، ایک دن نہیں کئی کئی دن تک۔

ابھی کل میں کوئی کتاب پڑھ رہا تھا، جس میں لکھا ہوا تھا کہ پوری عمر محمد رسول اللہ ﷺ کی گذر گئی ہے، کسی دن بھی ایک دن میں دو کھانا آپؐ نے نہیں دیکھا، جب کہ ہم غریب سے غریب آدمی چار طرح کا کھانا دونوں وقت تینوں وقت اس کے سامنے موجود ہوتا ہے؛ مگر محمد رسول اللہ ﷺ کو دو طرح کا کھانا ایک دن میں نصیب نہیں ہوا، اور اس طرح آپ نے زندگی گذار کر ہم کو مسلمان بنایا ہے۔

شاہان وقت کو دعوتی خطوط:

آنحضرت ﷺ نے مکۂ معظّمہ کے رؤسا، ایک ایک آدمی، ابوجہل، اور ان لوگوں کو جو ان بازاروں میں یا میلوں میں آتے تھے، پھر اس کے بعد ایک ایک بادشاہ جو اس زمانے میں تھے، ان کے پاس خطوط بھیج کر تبلیغ کی دعوت دی، اور ہر سلسلے میں آنحضور سرور عالم ﷺ کی انتہائی بے حرمتی، ایذا رسانی ہوئی، کہیں استقبال بھی ہوا، کہیں کہیں نہایت برا استقبال ہوا، آنحضرت ﷺ نے جب بادشاہانِ زمانہ کے پاس اپنی دعوت دینی شروع کی

تو جن لوگوں کے پاس دعوت بھیجی، ان میں سے روم کا بادشاہ، جسے آپ کہہ لیجیے کہ یورپ کا، اٹلی کا بادشاہ تھا، اس کے پاس بھیجا، ایران کا جو بادشاہ تھا کسریٰ، اس کے پاس بھیجا، اور جو ملوک تھے، مصر کے بادشاہ کے پاس بھیجا، وغیرہ وغیرہ۔

شاہ ایران کی گستاخی اور اس کا انجام:

کسریٰ کے پاس جو آنحضرت ﷺ کا پروانۂ دعوت پہنچا، آپ سن لیجیے! کتنی مصیبت سے پہنچنا ہوتا تھا، کسریٰ کی حکومت میں ایک شخص کا نام باذان تھا، ایران اور عرب کے درمیان میں عراق حائل ہے، عراق کی سرحد کے اوپر باذان رہتا تھا، یہاں سے کوئی چیز بھی جاتی تھی تو پہلے باذان یا بہرام کے پاس جاتی تھی، پھر اس کے ذریعہ سے کسریٰ کے پاس پہنچتی تھی، کسریٰ تک آپ ﷺ کا نامۂ مبارک پہنچا تب تک کوئی بھی نامناسب بات نہیں پیش آئی؛ مگر جب خط پہنچا اور اس نے قاصد کو بلایا اور کسی آدمی کو بلایا کہ وہ خط سنے، عربی میں خط تھا، پڑھا جانا شروع ہوا، بس ابھی اتنا ہی پڑھا گیا تھا کہ ’’مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ إِلٰی کِسْریٰ‘‘ بس اتنی عبارت ابھی شروع ہوئی تھی کہ اس نے نامۂ مبارک کو کہا کہ اِدھر لاؤ، لیا اور لے کر پھاڑ کر پھینک دیا، اور جو لے کر گئے تھے، ان کو کہا کہ نکل جاؤ دربار سے، کیا بات ہوئی بھائی؟ کہا کہ بات یہ ہے کہ ہمارے نام سے پہلے اپنا نام لکھ دیا، من محمد رسول اللّٰہ إلی کسریٰ، کسریٰ کے نام سے پہلے محمد (ﷺ) کا نام لکھ دیا، بس اتنے پر نامۂ مبارک اس نے پھاڑ کر پھینک دیا اور قاصد کو نکال دیا۔

دیکھا آپ نے؟ یہ حال تھا، ان سب چیزوں کو محمد رسول اللہ ﷺ جب جھیل گئے ہیں، تب اس کے بعد ایران میں ایمان پہنچا ہے۔ یہ ساری بے حرمتی، بے عزتی برداشت کرنے کے بعد تب جا کر پہنچا ہے۔ آنحضور ﷺ کی خدمت میں واپس آئے، اور انھوں نے کہا کہ حضرت! اس نے آپ کا نامۂ مبارک لے کر پھاڑ کر پھینک دیا، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ’’اَللّٰھُمَّ مَزِّقْہُ کُلَّ مُمَزَّقٍ‘‘ اے اللہ! جس طرح اس نے

ٹکڑے ٹکڑے اس کے کر دیے ہیں، اسی طرح اس کے بھی تو ٹکڑے کر دے۔ تو آپ نے دیکھا، زیادہ دن نہیں گذرے، حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں پوری ایران کی حکومت کے پرخچے اڑ گئے، کہیں نام ونشان ہے؟ مجوسیوں کی حکومت کا کہیں نام ونشان دنیا میں دیکھ رہے ہو؟ حضرت عمرؓ ہی کے زمانے میں پرخچے اڑ گئے، پرزے اڑ گئے، اور اسلام کا جھنڈا لہرایا، خود اس محل کے اوپر جس محل میں کسریٰ رہتا تھا، جہاں اس نے نامۂ مبارک کو پھاڑا تھا؛ مگر جب اتنی مصیبت اتنی بے حرمتی برداشت کر لی گئی تب۔

شاہ روم کو دعوت اسلام:

اس کے برخلاف جب اس بادشاہ کے یہاں جس کا پایۂ تخت اٹلی تھا، جس کو اس زمانے میں رومیہ کہتے تھے، اب رومۃ الکبریٰ اور اٹلی کہتے ہیں؛ مگر وہ رہا کرتا تھا عموماً شام میں، اس لیے کہ اس کی حکومت شام کے اوپر بھی تھی، دمشق اور حمص وغیرہ سب کے اوپر اس کی حکومت تھی، اس کے پاس جب نامۂ مبارک پہنچا ہے، تو اس زمانے میں عرب کے کچھ لوگ موجود تھے وہاں پر، اور اتفاق سے حضرت ﷺ کے مخالف لوگ، اشد شدید مخالف موجود تھے، جب وہ خط لینے والے وہاں پہنچے، تو اس نے کہا کہ ارے بھائی! یہاں تجارت کرنے کے لیے عرب کے بہت سے لوگ آیا کرتے ہیں، کچھ لوگ ہیں کہ نہیں؟ اگر ہوں تو ذرا ان کو بھی بلایا جائے۔ معلوم ہوا کہ ہاں ایک پورا قافلہ موجود ہے، ان میں حضرت ابوسفیان بھی موجود تھے، وہ اس وقت انتہائی مخالف، محمد رسول اللہ ﷺ کے تھے۔ اس نے کہا کہ ٹھیک ہے، بس ایسے ہی آدمی کی ضرورت ہے، آیا اور اس نے ایک دربار منعقد کیا، اور ابوسفیان کے پیچھے کچھ اور آدمیوں کو بھی بٹھا دیا وہیں پر، اور اس نے سوال کرنا شروع کیا کہ صاحب کوئی آدمی آپ کے یہاں نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ جی ہاں کر تو رہا ہے۔ پوچھا ان کا نام ونسب کیسا ہے؟ خاندان کیسا ہے؟ بولے کہ اس کا خاندان نہایت عالی ہے۔ تو اس نے کہا کہ ٹھیک ہے، رسولوں کا خاندان ایسا ہی ہوتا ہے۔

اس کے بعد پوچھا آپ کے اور ان کے درمیان کبھی لڑائی بھی ہوتی ہے، آپ تو مخالف ہیں نا؟ کہا کہ ہاں، ہوتی ہے۔ کہا کہ کیا ہوتا ہے لڑائی میں؟ کہا کہ لڑائی میں ہوتا یہ ہے کہ کبھی ان کو فتح ہوتی ہے، کبھی ہم کو فتح ہوتی ہے۔ کہا کہ دنیا کا دستور یہی ہے کہ کبھی اِن کی جیت کبھی اُن کی جیت۔ پوچھا کہ اچھا ایک بات یہ بتایئے کہ ان کی ساری زندگی آپ کے سامنے گذری ہے؟ کہا کہ جی ہاں۔ کہا کہ کبھی کسی دفعہ بھی ان کو جھوٹ بولتے ہوئے آپ لوگوں نے پایا؟ کسی جھوٹ کا بھی آپ لوگوں کو تجربہ ہوا پوری عمر میں؟ تو ابوسفیان اشد شدید مخالف ہیں، انھوں نے کہا کہ جی نہیں، کبھی کسی جھوٹ کا بھی تجربہ نہیں۔ تو کہا کہ اللہ کے بندے ایک شخص ایسا ہے جو معمولی انسان کے اوپر جھوٹ نہیں بولتا، وہ ایک دم سے بے دھڑک اللہ میاں کے اوپر جھوٹ بولنے لگے گا، کہ انہوں نے ہم کو رسول بنایا ہے، عقل میں کسی کے یہ چیز آتی ہے، کسی انسان کی نسبت جو کبھی ایک جھوٹی بات نہیں کہتا، وہ سب کو چھوڑ کر کے پہلا قدم ایسا رکھے گا اور اللہ میاں کی نسبت کہے گا کہ انہوں نے ہم کو رسول بنا دیا، انہوں نے ہم کو نبی بنا دیا ہے، جھوٹ بولے گا، تو یہ جھوٹ بولے گا؟ ناممکن، کبھی نہیں، وہ یقیناً سچے ہیں۔ پھر پوچھا کہ کس بات کا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا کہ: ''يَأمُرُنا بالصَّلاةِ والصِّدقِ والعَفَافِ والصِّلَة'' کہا کہ ہم کو وہ نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہیں، سچ بولنے کا حکم دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ حرام چیزوں سے، عورت ہو، کوئی چیز ہو، کھانے کی ہو، پینے کی ہو، شہوت کی ہو، اس سے عفیف رہنا چاہیے، محارم سے پرہیز کرنا چاہیے، اور کہتے ہیں کہ سب کے ساتھ جوڑ اور ملاپ رہنا چاہیے، ماں باپ میں، بھائی بہن میں، پڑوسی پڑوسی میں، دوست دوست میں، غرض کہ صلہ، میل ملاپ ہونا چاہیے، مقاطعہ اور بائیکاٹ کی شکل نہ ہونی چاہیے۔ تو انھوں نے کہا کہ یہ یقیناً انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات ہیں۔ پوچھا کہ آپ لوگوں سے اور ان سے بہت کچھ باتیں ہوئی ہوں گی، عہد معاہدے بھی ہوئے ہوں گے؟ کبھی انھوں نے غداری کی ہے؟ کوئی عہد معاہدہ کیا ہو تو کبھی معاہدے کے خلاف انھوں نے کیا ہے؟ ابوسفیان کہتے

ہیں کہ کہیں سے تو کوئی جگہ مجھ کو ملی نہیں کہ جھوٹ بولوں، کوئی جھوٹ اس میں شامل کرسکوں، اور شامل بھی کیا کرتے وہ پیچھے جو چند آدمیوں کو بٹھا رکھا تھا، وہ اسی لیے بٹھا رکھا تھا کہ اگر یہ جھوٹ بولیں تو تم بتا دینا پیچھے سے کہ یہ بات غلط کہتے ہیں، تو کوئی امکان تو تھا نہیں جھوٹ بولنے کا، کہا کہ کہیں کوئی گنجائش نہیں تھی، یہ سوال کیا تو میں نے کہا کہ نہیں صاحب کبھی غداری نہیں کی ہے، مگر آج کل ہمارا اور ان کا ایک معاہدہ چل رہا ہے، دیکھئے تو کیا کرتے ہیں، یعنی ذرا سی کمزوری کی بات، کہ اب دیکھنا ہے کہ اس میں کیا ہوتا ہے، وہ خود ہی کہتے ہیں کہ کہیں سے تو کوئی موقع ملا نہیں تھا، بس یہاں میں نے اتنا شوشہ لگا دیا کہ ایک معاہدہ ہے دیکھئے کیا کرتے ہیں۔ یہ ساری باتیں سننے کے بعد اس نے کہا کہ اگر یہ بات صحیح ہے، تو اب معلوم ہونا چاہئے کہ وہ یقیناً میرے اس پیر کے نیچے جو سرزمین، یعنی جو ملک ہے، یقیناً وہ اس ملک پہ قابض ہو جائیں گے، اور وہ نبی برحق ہیں، اور کہا کہ ''ولَوْ كُنتُ أعلَمُ أني أخلُصُ إلَيهِ لقَدِمتُ علَيهِ ولَغَسَلْتُ عن قدَميه'' کہا کہ اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں ان تک صحیح سالم پہنچ جاؤں گا، وہ عیسائی تھا، اس نے سوچا کہ میں یہاں سے قدم نکالوں گا تو میری حکومت تو چلی ہی جائے گی، مجھ کو زندہ جانے بھی نہیں دیں گے، راستے میں کہیں مار ڈالیں گے، کہا کہ مجھے یقین ہوتا کہ میں زندہ وصحیح سالم ان کے پاس پہنچ جاؤں گا تو میں تو ضرور جاتا، اور جا کر ان کے پیر دھوتا۔ یہ روم کا بادشاہ ہے، اور یہی دو حکومتیں تھیں دنیا میں کہ جن سے کوئی ٹکر نہیں لے سکتا تھا، تو وہ روم کا بادشاہ کہتا ہے کہ جا کر میں ان کے پیر دھوتا۔

پھر آنحضور ﷺ کا خط اس نے منگوایا، اور سب کے سامنے پڑھ کر سنایا، اور سنانے کے بعد اپنے آدمیوں کو اکٹھا کر کے کہا کہ بھائی بات تو بالکل سچی معلوم ہوتی ہے، اور میری رائے یہ ہے کہ اگر ہم کو اپنی حکومت برقرار رکھنی ہے، تو ہم سب کو مسلمان ہو جانا چاہیے۔ بس اس کے جو آدمی تھے وہ بھڑ بھڑا کے اٹھے، دروازہ اس نے بند کرا دیا تھا، سب بھاگے وہاں سے چیخ پکار کرتے ہوئے؛ مگر وہاں گئے تو دروازہ بند تھا، جا نہیں سکتے تھے، تو کہا

کہ ان کو لوٹا لاؤ، جب وہ لوٹا کر لائے گئے تو کہا کہ بس ہم تم لوگوں کا امتحان لینا چاہتے تھے، کہ دیکھیں تم لوگوں پر کیا اثر ہوتا ہے؟ اس کو اپنی جان کی پڑی تھی، اس نے کہا کہ ٹھیک ہے ہم ایسے ہی رہیں گے، تم لوگ بھاگتے کہاں ہو؟ ہم تو دیکھتے تھے کہ تم لوگوں پر کیا اثر ہوتا ہے؟[۱]۔

مصیبتوں کا سلسلہ:

بہر حال وہ مسلمان نہیں ہوا؛ لیکن میں کہنا چاہتا ہوں، میں نے یہ بات اس لیے چھیڑی ہے کہ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ نے جو اتنی ساری مصیبتیں برداشت کی تھیں، اتنے پاپڑ بیلے تھے، کہاں کہاں؟ روم میں، ایران میں اپنے خطوط اور اپنی دعوتیں بھیجی تھیں، خود پیادہ پا طائف گئے، اور اس کے علاوہ سواری سے بھی کہیں کہیں جایا کرتے تھے، منیٰ جاتے تھے، عُکاظ جاتے تھے، مجنّہ جاتے تھے، یہ ساری مصیبتیں برداشت کرتے تھے، اور کوئی بھی ایسا سفر نہیں ہوتا تھا کہ جس میں کچھ بھی نہیں تو بدزبانی، بدکلامی، تہمتیں، یا اس کے علاوہ بدنی اور جسمانی اذیتیں نہ ہوئی ہوں۔ ایک مقام پر آنحضرت ﷺ تشریف لے گئے اور وہاں پر آپ ﷺ نے کچھ کہا، وہاں کچھ لوگ مائل ہو گئے؛ مگر ایک بدبخت معلوم نہیں کہاں کا وہاں بیٹھا ہوا تھا، بس اس نے کہا کہ دیکھئے صاحب! خیریت اس میں ہے کہ آپ ابھی تشریف لے جائیے یہاں سے، یہ اونٹنی ہے آپ کی، سوار ہوئیے اور تشریف لے جائیے، ورنہ خیریت نہیں ہے، آپ لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ کا کوئی حمایتی تو تھا نہیں، آنحضرت ﷺ اٹھے اور اونٹنی کے اوپر سوار ہوئے، اور جب اونٹنی کے اوپر بیٹھ گئے تو اس کی کوکھ میں اس نے ایک کونچا مارا، بس وہ بدکی اور اس نے آنحضرت ﷺ کو گرادیا، اور نہیں تو یہی کرتے تھے۔

اب میں آپ سے یہی پوچھتا ہوں کہ یہ ساری مصیبتیں کس بات کے لیے جھیلتے

(۱) پورا واقعہ بخاری شریف کے شروع میں مذکور ہے۔

تھے؟ میں نے یہ ہرقل والی حدیث اسی لیے پڑھی ہے، وہ لوگوں کو حکم دیتے تھے نماز کا، سچائی کا، عفاف کا، صلہ کا، اسی کے لیے یہ ساری مصیبتیں آپ برداشت کرتے تھے، اور اتنی ساری مصیبتیں برداشت کر کے اتنی تعداد مسلمانوں کی محمد رسول اللہ ﷺ نے پیدا کی ہے، تو ان کو کوئی پیغام دیا ہے۔ یہ ساری مصیبتیں اس واسطے نہیں جھیلی ہیں کہ ہم ایسا کریں کہ ایک دن سال میں پورے مئو کا چکر لگا کے دس، بیس، پچاس، سو لڑکے ڈاڑھی منڈے، بے نمازی، غزل پڑھتے ہوئے جائیں، چندہ کریں، اور شربت پئیں، اور میلاد کریں، اور چندہ پکا وکا کے کھا جائیں، یہ نہیں تھا۔ ان کا پیغام تھا کہ نماز پڑھو، سچ بولو، عفیف بنو، صلۂ رحمی کرو۔ اس بادشاہ نے آپ کی دعوت، آپ کا پیغام پوچھا، یہ پیغام ہم نے نہیں، ایک مخالف نے محمد رسول اللہ ﷺ کے بتایا کہ یہ حکم دیتے تھے۔ یہ پیغام محمد رسول اللہ ﷺ کا پہنچانے کے لیے روز میلاد کرو، خدا کی قسم! اگر روز میلاد کرو گے، تب بھی تم عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، حق ادا نہیں ہوگا، چہ جائے کہ تم نے سمجھا ہے کہ سال میں ایک مرتبہ ولادت کا بیان کر دیا، بس سارا حق محمد رسول اللہ ﷺ کا ادا ہو گیا۔

میلاد میں کیا بیان ہونا چاہئے؟

خوب سوچو! یہ آج میں نے میلاد اسی لیے پڑھا ہے کہ میں آپ کو بتاؤں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے میلاد میں کیا ہونا چاہئے؟ اور اس میلاد سے ہم کو کیا حاصل کرنا چاہئے؟ اس میں ہم کو کون سی عبرت حاصل ہونی چاہئے؟ اور اس کے بعد ہماری زندگی کے اندر کیا کچھ تبدیلی ہونی چاہئے؟ کچھ ہوش پیدا ہونا چاہئے کہ ہم کو کیا کرنا ہے؟ یہ میلاد ہم کو کس چیز کی تعلیم دیتا ہے؟ کیا سبق دیتا ہے؟ تو یہ میلاد ہم کو سبق دے گا کہ اس دین کو پھیلانے کے لیے، اس کلمہ کی صدا کو بلند کرنے کے لیے، اور محمد رسول اللہ ﷺ کے پیغام کو پھیلانے کے لیے۔ اگر تم سچے غلام محمد رسول اللہ کے ہو تو۔ یہ ساری مصیبتیں اور مخالفتیں اور ساری آزمائشیں برداشت کرو؛ مگر ہم گھر میں آرام سے گدّے پر بیٹھے ہوئے، کولر لگائے ہوئے

بھی محمد رسُول اللہ کے حکم کی تعمیل نہیں کرتے، سنا آپ نے؟ نہیں کرتے ہیں۔ خوب جانتا ہوں میں ایسے لوگوں کو کہ صاحب کُولر لگا ہوا ہے، ٹھاٹھ سے گدّے کے اوپر بیٹھے رہتے ہیں، وہ بیوی کا ایک حق ادا نہیں کرتے؛ بلکہ اس کی کمائی کھاتے ہیں۔ محمد رسُول اللہ کا یہ پیغام نہیں تھا، محمد رسول اللہ ﷺ کا پیغام تھا کہ ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ﴾ جس طرح کا تمھارا حق ان کے اوپر ہے، اسی طرح کا ان کا حق بھی تمھارے اوپر ہے۔ اس کو بیان نہیں کرتے ہو میلاد میں کہ یہ پیغام تھا محمد رسول اللہ کا؟

والدین کا ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیئے؟:

ایک نہیں بیس آدمیوں کو دیکھا جاسکتا ہے کہ ایک باپ آتا ہے اور کہتا ہے کہ صاحب لڑکا کچھ نہیں پوچھتا، حالانکہ ہماری سب کمائی اس کے قبضہ میں چلی گئی، تو اب تو گھر میں رہنا بھی ہمارا مشکل ہوگیا ہے۔ یہی پیغام تھا محمد رسول اللہ کا؟ یا پیغام تھا کہ ﴿وَقَضٰی رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوْا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ اور ان کا پیغام تھا کہ ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ﴾ اور ان کا پیغام تھا کہ ﴿وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا﴾ یہ پیغام دیا تھا انھوں نے، ماں باپ کو اوہ بھی مت کہو، ماں باپ کے لیے دعا کرتے رہو کہ خداوندا! تو ان کے اوپر ایسے ہی رحم فرما جیسے انھوں نے چھوٹے میں ہماری پرورش کی، کس کس طرح سے پالا اور پوسا ہے، ہم کو تو یہ حکم ہے، مگر ہم تو اکثر وبیشتر دیکھتے ہیں کہ باپ جو ہے کسی جھونپڑی کے اندر رہتا ہے، اور بیٹا محل کے اندر عیش کرتا ہے، اور بلکہ کہتا ہے کہ تمھارا کیا ہے؟ تم کون ہوتے ہو؟.................. اُس دنیا کی طرف کوئی دھیان نہیں، آپ دیکھ لیجیے صرف اِس دنیا کے لیے کرتے ہیں، باقی وہ دنیا جس کے لیے حضرت کہہ گئے تھے کہ اُس دنیا کے لیے کرو، تو اس کا کوئی حساب کتاب نہیں۔

آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ:

میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم کثرت سے محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت

پڑھیں، اور عبرت حاصل کرنے کے لیے پڑھیں، کثرت سے آپ ﷺ کی سیرت کا بیان سنیں، اس سیرت کے بیان میں ساری چیزیں آپ کو ملیں گی۔ یہ ملے گا کہ آپ ﷺ روزہ کس طرح رکھتے تھے؟ یہ ملے گا کہ آپ نماز کس طرح پڑھتے تھے؟ یہ ملے گا کہ آپ بیوی بچوں میں کس طرح رہتے تھے؟ یہ ملے گا کہ پڑوسیوں کے ساتھ آپ کا کیسا برتاؤ تھا؟ اور یہ ملے گا کہ جو لوگ ان کے پاس سیکھنے سکھانے کے لیے آتے تھے ان کے ساتھ کیسا برتاؤ تھا؟ اور جو لوگ آپ کے بڑے تھے ان کے ساتھ آپ کا کیسا برتاؤ تھا؟ یہ سب چیزیں آپ کو ملیں گی۔ یہ ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت جس کے بارے میں اللہ ربُّ العزت نے فرمایا کہ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ ان کی زندگی میں تمھارے لیے ایک عمدہ نمونہ اور پیروی کی چیز ہے، مگر کس کے لیے ہے؟ جو آخرت کا طلبگار ہو، جو اللہ کو یاد کرتا ہو؛ لیکن جو اللہ کو کبھی یاد نہ کرے، جس کو آخرت کی ضرورت نہیں، اس کے لیے تھوڑا ہی کچھ ہے۔

معاشرے کا بگاڑ:

محمد رسول اللہ ﷺ کا پیغام یہ تھا کہ مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا[1] جو ہمارے چھوٹوں کے اوپر رحم اور مہربانی کا سلوک اور برتاؤ نہ کرے، اور جو بڑوں کی تعظیم وتوقیر نہ کرے، فرمایا کہ ہم میں سے نہیں ہے، وہ ہوگا کسی کا، ہمارا نہیں ہے، مگر آج بڑوں میں سب سے بڑا باپ ہے، باپ کو مارنے تک کو تو ہم جانتے ہیں کہ مار دیتے ہیں، ماں کو مار دیتے ہیں، آئے دن عورتیں آتی ہیں کہ کچھ نہیں پوچھتا ہے، صاحب، کھانے کو نہیں پوچھتے، کچھ نہیں دیتے، یہاں کا ہو، باہر کا ہو، ہر ہفتہ میرے پاس کوئی نہ کوئی عورت آتی ہے، کہ صاحب ایسا ہے، ذرا سی بات پر لڑکا ناراض ہوگیا، اور بات بھی نہیں پوچھتا، اور کیوں ناراض ہوگیا؟ ناراض اتنے پر ہوگیا کہ لڑکی کے یہاں چلے گئے اور

(۱) ترمذی شریف: باب ما جاء في رحمة الصبيان ۱۹۱۹/

ایک مہینہ کے بجائے دو مہینے رہ گئے، اس کے بعد سے صاحب ہماری صورت نہیں دیکھنا چاہتا، کہتا ہے کہ ہم تمھاری صورت دیکھنا نہیں چاہتے۔ کیا یہی ہے ''یوقر کبیرنا'' والی بات؟ محمد رسول اللہ کی تو حدیث میں بیان کیا جاتا ہے کہ ماں باپ کے قدموں کے نیچے جنت ہے، اور جن کے قدموں کے نیچے جنت ہے ان کے ساتھ یہ برتاؤ ہے!؟ محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کسی بوڑھے کی تعظیم وتوقیر کرے گا، اس کا لحاظ کرے گا، تو اس کے بڑھاپے کے وقت میں اللہ رب العزت کسی کو کھڑا کردے گا کہ وہ بھی تمھارے ساتھ اچھا برتاؤ کرے گا، اور ہمارا برتاؤ کیا ہے؟ ہمارا برتاؤ تو یہ ہے کہ کوئی بوڑھا ہے تو اس کی لاٹھی کہیں چھپا دیا ہے، کہیں اسے چڑا دیا ہے، یہ ہمارا کام ہے۔ اچھا تو تم بوڑھے ہوگے تو اللہ رب العزت ویسے ہی کوئی تمھارے لیے بھی کھڑا کردے گا، وہ تمھارے لیے سیٹی بجائے گا، وہ بھی آوازے کسے گا، وہ بھی مذاق کرے گا؛ لیکن اگر تم کسی بوڑھے کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو گے، تو تمھارا وقت جب آئے گا، تو اللہ رب العزت انتظام کرے گا تمھارا بھی کوئی خیال کرے۔

اسلامی احکام کی خلاف ورزی:

سن لو اچھی طرح کان کھول کر! مذاق سمجھ رہے ہو، یہ دین ہے دین، اللہ رب العزت کی شریعت ہے، اس شریعت کی خلاف ورزی کرکے تم کبھی نہیں پنپ سکتے ہو، اور کوئی بھی نہیں پنپ سکتا ہے، اس دین اور شریعت کی تو ایک ایک چیز لے کر کے دوسری بہت ساری قومیں ہیں کہ آج ہم سب کے اوپر سربلند ہو رہی ہیں، اور ہم اپنی چیزیں چھوڑ کر دوسروں کا طریقہ اختیار کر رہے ہیں، بالکل دوسروں کا راستہ اختیار کر رہے ہیں، شادی بیاہ کے اندر آپ دیکھیے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا کیا طریقہ تھا، ہمارا کیا طریقہ ہے؟ ایک چیز بھی محمد رسول اللہ کے طریقے پر نہیں ہے؛ اور نہ تم ہو، نہ میں ہوں، سوسائٹی ایسی بن گئی ہے کہ کوئی کرنا بھی چاہتا ہے تو نہیں کر پاتا ہے۔ ایک نہیں، ایک ایک شہر میں کئی کئی لڑکیاں ایسی آپ کو

ملیں گی کہ جو بوڑھی ہونے کے قریب ہوگئی ہیں، مگر ان کا نکاح نہیں ہوا، کیوں نہیں ہو رہا ہے؟ اس لیے کہ وہ دے نہیں پاتا ہے، وہ اس لائق نہیں۔ بہت سے لوگوں نے آکر مجھ سے صراحۃً کہا کہ صاحب کیا بتائیں کوئی پوچھتا نہیں، وہ کہتا ہے کہ اتنا ملے گا تو ہم کریں گے۔ یہی سکھا گئے تھے؟ اپنی بیٹی فاطمہؓ کا محمد رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے خود ہی نکاح کر دیا تھا، تو ان سے کہا تھا کہ ہفت اقلیم کی سلطنت لاکر لکھ دو تب اس لڑکی سے نکاح کریں گے؟ یہی سکھا گئے تھے؟ اسی کے اوپر عمل کر رہے ہو؟۔

کامیابی اتباع سنت میں ہے:

دیکھیے! صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے اتباع کے اندر خیر ہے، صرف انہیں کی سیرت ایسی ہے کہ اس کے اوپر چل کر کے اس دنیا کے اندر بھی ہم کامیاب ہوں گے، اور آخرت کے اندر تو کامیابی کھلی ہوئی ہے کہ بغیر اس کے ناممکن ہے؛ لیکن اس دنیا میں بھی کامیاب زندگی اگر تم بسر کرنا چاہتے ہو، تم، ہم اور سبھی، تو بلا ان کے اتباع اور پیروی، اور بغیر ان کے نقشِ قدم پر چلے ہوئے یہ چیز حاصل نہیں ہوسکتی۔

وَآخر دعوانا ان الحمد لِلّٰه رَبّ العٰلمین.

☆☆☆☆☆☆

اتباع سنت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهٗ، وَنَسْتَعِيْنُهٗ، وَنَسْتَغْفِرُهٗ، وَنُؤْمِنُ بِهٖ، وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا. أمابعد!

فأعوذ باللّٰه من الشيطن الرجيم، بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم، ﴿مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾.

اس ماہ مبارک (رمضان شریف) میں یہ خوشی کی چیز ہے کہ اس بات کی طرف توجہ بڑھ جاتی ہے کہ کم سے کم رمضان میں جتنے جمعہ پڑیں، انھیں تو پڑھ ہی لیا جائے، نیکی کی طرف جو قدم بھی بڑھتا ہو، وہ بہتر ہے؛ لیکن نیکی کے کاموں کی طرف توجہ اگر ایمان کی بنا پر ہو، اس بنا پر ہو کہ ہم کو شریعت کا یہی حکم ہے، تبھی معتبر ہے، ورنہ اس کا اعتبار نہیں۔ مثال کے طور پر دیکھیے کہ کچھ لوگ نیچے مسجد کے تہہ خانے میں بیٹھ کر باتیں کررہے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اس لیے جمعہ پڑھنے آتے ہیں کہ آرام سے وہاں خوب سوئیں گے، اور خوب بک بک کریں گے، اس طرح کرنے سے کیا ثواب ملے گا۔

مسجد کا احترام:

دوسری بات یہ ہے کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ یہ مسجد ہے، تہہ خانے کا حصہ ہو، یا یہ حصہ جہاں آپ بیٹھے ہیں، یا اوپر کا حصہ ہو، سب مسجد ہے، ان سب کا احترام کرنا

ہوگا، اس میں اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ اس کو چوپال بنالیں، وہیں بیٹھ کر گپ کریں، یہ خدا کا گھر ہے، بدتمیزی نہ کرو، ہم کو تو اس بات کی خوشی ہوئی تھی کہ رمضان کے احترام میں یہ جمعہ پڑھنے کے لیے آئے ہیں؛ مگر معلوم ہوا کہ نہیں، یہ تہہ خانے میں سونے اور گپ کرنے کے لیے آتے ہیں۔

ایذاء مسلم حرام ہے:

آج میں جمعہ میں یہ دیکھتا رہا کہ لوگ کب چلتے ہیں، میں نے دیکھا کہ خطبہ کی اذان سے ایک آدھ منٹ پہلے تک بڑے بڑے لڑکے بھی چلے آرہے ہیں، جانتے ہیں یہ کس بات کا نتیجہ ہے؟ یہ ہماری شامت اعمال ہے، اپنے باپ دادا کو وہ دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ بھی اسی وقت آتے ہیں، تو وہ سویرے کیوں آئیں گے؟ اور جس نیکی کو میں نہیں کرتا، کس منھ سے دوسروں سے کہوں گا، اپنے ہی لڑکوں کو سہی، کیسے میں کہوں گا؛ اور اس پر بدتمیزی یہ کہ چلیں گے تو اس وقت جب کہ خطبہ کی اذان ہونے کو ایک منٹ باقی ہے، اور آئیں گے تو پہلے دروازے سے جھانکیں گے اور چڑھ کر آگے بڑھتے آئیں گے؛ حالانکہ صف بھری ہوئی ہوتی ہے، یعنی آتے ہیں تو کسی طرح اِن کو اُن کو دبا کر کہیں کھڑے ہوجائیں گے۔ بالکل نیکی نہیں ہے ان سب باتوں میں، خوب سمجھ لو، نیکی اس میں ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ پہلی صف میں کھڑے ہونے کا بہت ثواب ہے، مگر جس طرح پہلی صف میں کھڑے ہونے کا ثواب ہے، اسی طرح کسی مصلی کو ایذا دینے، اذیت پہنچانے کا عذاب بھی ویسا ہی ہے، آپ پہلی صف میں جگہ لینے کے لیے کسی کو لانگھ پھاند کر نہیں جاسکتے، اگر لانگھ پھلانگ کر جاتے ہیں تو یہ حرام ہے، یہ ایذاء مسلم ہے، تو جتنا آپ کو ثواب نہیں ملے گا، اس سے زیادہ گناہ ہوجائے گا۔

اسی سلسلے میں، میں یہ بھی کہتا ہوں کہ بہت سے لوگ اپنی پرہیزگاری، اپنے تقویٰ، طہارت اور عبادت گزاری کے زعم میں یہ سوچتے ہیں کہ ہم کو کیا؟ ہم تو عبادت

کرتے ہیں، تو یہ لوگ راستے ہی میں گزرگاہ میں کھڑے ہوکر لمبی لمبی سنتیں پڑھنا شروع کردیتے ہیں، میں ان کو بتانا چاہتا ہوں کہ مصلی کے آگے گزرنا گناہ ہے؛ لیکن نماز پڑھنے والا اگر کوئی ایسی جگہ پاتا ہے کہ وہاں پڑھنے سے لوگوں کو تکلیف نہ ہو، پھر بھی ایسی جگہ نیت باندھ لیتا ہے کہ لوگوں کو گزرنے میں پریشانی ہوتو اس کو گناہ ہوگا، جو لوگ خوب لمبی نیت باندھے ہوئے پڑھ رہے ہیں کہ ہم کو کیا، ہم تو نماز پڑھتے ہیں، جس کو غرض ہو پیچھے سے جائے، تو ان کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ہم دیر تک پڑھتے ہیں تو ہم کو کہاں پڑھنا چاہیے، تاکہ کسی گزرنے والے کو گناہ لازم نہ آئے، اور اگر ہم اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ گناہ ہوگا جس کو ہوگا، ہم تو نماز پڑھ رہے ہیں ہم کو کیا، ہم جہاں چاہیں پڑھ لیں، تو یہ غلط ہے، ایسی صورت میں آدمی تمھارے سامنے سے گزرے گا تو گناہ تم کو ہوگا۔ ہر چیز کا جو حکم ہے، اس کے حکم کے مطابق کام کرنا چاہیے۔

میں نے جو آیت پڑھی ہے، اس کے اندر اللہ رب العزت نے یہی بتایا ہے کہ رسول جو کچھ تمھیں دیں اس کو لے لو، اور جس چیز کو روکیں، جس سے منع کریں اس سے باز آجاؤ، رسول نے ہم کو منع کیا ہے اس بات سے کہ ہم مصلیوں کو ایذاء پہنچائیں، تو اگر ہم نیکی ہی کے کام کے سلسلے میں کسی مصلی کو ایذاء پہنچائیں گے، تو یہ رسول کے حکم کے خلاف ہے۔

جمعہ کا احترام:

بارہا بیان کیا جاچکا ہے کہ ہر جمعہ کو مسجد کے دروازے پر فرشتے مقرر کردیے جاتے ہیں، وہ آنے والوں کو درجہ بدرجہ لکھتے جاتے ہیں، جو جتنا پہلے آتا ہے، اتنا ہی زیادہ ثواب کا مستحق ہوتا ہے، یہ سب لکھا جاتا ہے، اس کے بعد سمجھ لیجیے کہ جو جتنی دیر کرکے آئے گا، ثواب گھٹتا جائے گا، لیکن ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ تمھارا آنے والوں میں نام ہی نہیں لکھا ہوا رجسٹر میں ملے گا، اور وہ یہ ہے کہ امام جب منبر کے اوپر آجائے اور اس کے بعد تم آئے، تو تمھارا نام رجسٹر میں نہیں ملے گا، وہ رجسٹر بند کردیا جاتا ہے۔ ہم لوگوں کو کچھ خیال

نہیں، ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ ایک گمچھا (انگوچھا) اوڑھ کر جمعہ پڑھنے چلا آیا۔ یہ حال ہے، جمعہ میں تو ایک مصلی جیسے آتا ہے اہتمام کے ساتھ آنا چاہیے۔

عبادت وہی ہے جو سنت کے مطابق ہو:

بہر حال! مسئلہ جو مجھے سمجھانا ہے وہ خوب سمجھ لو کہ عبادت اور نیکی وہی ہے، جو رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق ہو، اور جو رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق نہیں، تم ہزار دفعہ اس کو نیکی کہو، مگر وہ نیکی نہیں۔ بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ صاحب یہ اچھی بات ہے، جیسے بھی کرلیجیے، نیکی ہے۔ جی نہیں، جیسے بھی کرلیجیے وہ نہیں نیکی ہے، محمد رسول اللہ ﷺ کا حکم یہ ہے کہ صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّي (۱) نماز پڑھو، مگر کیسے؟ جیسے مجھ کو پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اسی طرح پڑھو۔ آخری حج میں آپ ؐ نے فرمایا کہ حج کا طور طریقہ اور ڈھنگ ہم سے سیکھ لو، ہوسکتا ہے کہ آئندہ تم ہم کو نہ دیکھ پاؤ، ہمارے طریقے سے جو حج کرے گا وہ تو حج ہوگا، جو محمد رسول اللہ ﷺ کے طور وطریقہ پر حج نہیں، وہ حج ہی نہیں، اسی کو سعدی نے کہا ہے:

مپندار سعدی کہ راہ صفا　　　　تواں رفت جز برپئے مصطفیٰ

مثال کے طور پر ایک بات آپ کو بتاؤں، ہم روزہ رکھتے ہیں، ہم کو روزہ رکھنے کا حکم ہے، قرآن پاک نے اس کی تعلیم دی ہے، اور محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل سے سکھایا ہے، روزہ یہ ہے کہ صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک نہ کھانا کھائیں، نہ پانی پئیں، نہ بیوی کے پاس جائیں، نئے لڑکے تو نہیں جانتے ہوں گے، مگر پرانے مسلمان سب جانتے ہیں کہ روزہ کے نام سے تو نہیں، ایک دوسرے نام سے، ہندو قوم بھی روزہ رکھتی ہے، جسے وہ ''برت'' کہتے ہیں، ان کے برت میں اولاً تو تحدید نہیں ہے کہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہو، دوسرے یہ کہ مطلقاً کھانے پینے کی ممانعت نہیں ہے۔ مثلاً ''اَن'' یعنی غلہ تو

(۱) بخاری شریف: باب الأذان للمسافر إذا كانوا جماعة ۶۰۵/

نہیں کھاتے، باقی پھل فروٹ پیٹ بھر کھاتے ہیں، پانی خوب پیتے ہیں، مان لیجیے کہ ایک روزہ وہ بھی ہے، کوئی کہے کہ یہ بھی تو روزہ ہے، لاؤ ہم بھی یہی روزہ رکھ لیں، تو کیا روزہ ہو جائے گا؟ کچھ بھی نہ ہوگا، جب تک محمد رسول اللہ ﷺ والا روزہ نہ رکھو گے، روزہ کا ثواب تم کو نہیں مل سکتا۔

افطار میں تعجیل:

اسی سلسلے میں ایک بات اور بتاتا ہوں، محمد رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے جہاں غروب کا تم کو ظن غالب ہو جائے کہ آفتاب ڈوب گیا، تو افطار میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے، بہت سے لوگ جو کہتے ہیں کہ احتیاط کی بنا پر ۵ منٹ رک جاؤ، یہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی پیروی نہیں ہے، یہ تو یہود و نصاریٰ کی پیروی ہے، تقویٰ وہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہو، مشکوٰۃ شریف کی روایت ہے، اور دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے کہ میری امت اسی وقت تک خیریت سے رہے گی، جب تک وہ افطار میں تاخیر نہ کرے گی؛ مگر ہم اپنی نافہمی سے سمجھتے ہیں کہ تقویٰ کی بات یہ ہے کہ ذرا سا احتیاط کرلو کہ شک مٹ جائے، اور محمد رسول اللہ ﷺ کا تو حال یہ تھا کہ سفر میں جا رہے تھے، جو صاحب ساتھ تھے، انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ نماز پڑھ لی جائے، یا افطار کرلیا جائے، تو آنحضرتؐ نے کہا کہ لاؤ افطار کراؤ، انھوں نے کہا کہ حضرت ذرا سا ٹھہر جایئے، آپ نے فرمایا کہ ٹھہر جایئے کا کیا مطلب؟ جب ادھر سے سیاہی تم کو نظر آنے لگے - یعنی دن ڈوبنے کا پتہ چلنے لگے - تو افطار کرلو، دیر کرنے کے کیا معنی؟

میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ جو کام ہم رسول اللہ ﷺ کے کرنے کے مطابق کریں گے، تو اس کے اندر ثواب ہوگا۔ اگر اپنی طرف سے اس میں کچھ اضافہ کریں گے، تو کوئی ثواب نہ ہوگا؛ بلکہ بسا اوقات مضر ہوگا۔ کوئی سمجھے کہ چار رکعت ظہر کی فرض ہے، لاؤ ۶/۵ رکعت پڑھ لیں، جتنا گڑ ڈالیں گے، میٹھا ہی ہوگا؛ لیکن نہیں، وہ زہر ہو جائے گا۔ اگر

چھ رکعت فرض کی نیت سے پڑھو گے، تو ایسا کرنا جائز ہی نہیں ہو سکتا۔

ان سب باتوں کے کہنے سے میرا منشاء یہ ہے کہ نیکی کیجیے، اور نیکی وہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق ہے، آپ کے عمل کے مطابق ہے، اور اسی نیکی کے اندر سچائی ہے، اسی کو ہماری شریعت کے اندر صدق سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور یہی نیکی اللہ کی خشیت پر، اور ایمان پر مبنی قرار دی جاتی ہے، اس نیکی سے صرف جنت ہی نہیں ملتی، دنیا بھی ملتی ہے، سمجھتے ہو، اس دنیا کا بھی فائدہ ہوتا ہے، نیکی تو کی جاتی ہے اصل میں اس لیے کہ ہم کو جنت ملے، اللہ راضی ہو، لیکن رسول خدا ﷺ اور اللہ کے حکم کے مطابق اگر نیت ہو، بالکل ٹھیک ٹھیک اور سچی عبادت ہم کریں، تو صرف جنت ہی نہیں ملے گی، دنیا کا فائدہ بھی اس میں رکھا ہوا ہے، قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے فرمایا ہے: ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا﴾ اور میں نے کہا اللہ رب العزت سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو وہ بڑا بخشنے والا ہے، معافی مانگو گے تو اللہ بخش دے گا، گناہ تو بخش ہی دے گا، اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ علاوہ ازیں دھڑلے کی بارش برسائے گا، یعنی دنیا کا بھی فائدہ ہوگا، روزی کا سامان ہوگا۔

اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیجیے!:

میں یہ بات اس بنا پر کہتا ہوں کہ بہت سے لوگ جانتے ہیں کہ آج کل بعض جگہوں پر کاروباری حالت بہت خراب ہے، پریشانی اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ اس کی انتہا نہیں، چھوٹا بڑا ہر آدمی روزی کی جانب سے بے انتہا پریشان ہے، اس کے برعکس ہم پر (مئو میں) اللہ رب العزت کا فضل و کرم ہے کہ بڑی حد تک اطمینان سے زندگی بسر ہو رہی ہے، تو اس اطمینان کی حالت میں ہمیں ان لوگوں کا حال بھی سامنے رکھنا چاہیے کہ یہ پریشانی کچھ انھیں کے حق میں مقدر نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ کبھی ہمارے گناہوں کی نحوست کی وجہ سے ہم پر بھی وہی دن آجائے، تو ایسی حالت میں ہمیں دو کام کرنے ہیں: ایک یہ کہ اللہ رب العزت نے

ہمارے اوپر جو انعام واکرام فرمائے ہیں، جو فضل اور رحم فرمایا ہے، اس کا شکریہ ادا کریں، شکریہ ادا کریں گے تو اور بڑھے گا، چنانچہ حدیث کے اندر آتا ہے کہ جہاں تمھارا خزانہ رکھا ہو، اس میں سے صدقے کا مال نکال لو، تو دیکھنے میں تو وہ معلوم ہوتا ہے کہ گھٹ گیا، چالیس تھا، ایک نکال لیا تو انتالیس ہوگیا؛ مگر رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ نہیں! صدقہ جو تم نکالتے ہو، وہ مال کو کم نہیں کرتا، تمھارا چالیس کا چالیس ہی رہا؛ بلکہ اور زیادہ ہوگیا، فرمایا کہ مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ من مالٍ [1]، صدقہ کسی مال کو گھٹاتا نہیں۔ تو شکریہ ادا کرنے میں اللہ رب العزت کہتا ہے کہ ہم تم کو اور زیادہ دیں گے؛ لیکن ہمارا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہم کو خوب تجربہ ہے کہ بہت سے لوگ گھر سے پریشان تھے، روپیہ ہوگیا تو انھوں نے گھر بنوانا شروع کردیا، اور مسجد اور مدرسہ کا چندہ کم کردیا۔ میں نے کہا کہ یہ بات غلط ہے، چندہ اور بڑھانا چاہیے تھا، گھر بھی بنواتے، لیکن دو روپے دیتے تھے تو اب تین روپے دینے چاہیے تھے، اس لیے کہ زیادہ دینے سے اور اس شکریے سے اللہ رب العزت مزید انعام واکرام کرے گا؛ لیکن لوگ سوچتے ہیں کہ ادھر خرچ بڑھ گیا ہے، تو ادھر سے کم کردو، اور آدمی نہیں سمجھتا، جب مصیبت میں پڑتا ہے تو کہتا ہے کہ معلوم نہیں کون گناہ ہم سے ہوا ہے کہ ہمارے اوپر مصیبت آئی ہے؛ حالانکہ اس سے بڑا اور کیا گناہ ہوگا کہ اللہ رب العزت ہزارہا انعام واکرام کرے، اور آپ اس کا شکریہ نہ ادا کریں، قرآن تو کہتا ہے کہ ﴿وَهَلْ نُجَازِيْ اِلَّا الْكَفُوْرَ﴾ (جو ناشکرے ہیں انھیں سے تو ہم کسر نکالتے ہیں)، صاف لفظوں میں قرآن نے کہا ہے کہ جو لوگ ہماری نعمتوں کا شکریہ نہیں ادا کرتے، ہم انھیں سے بدلہ لیتے ہیں، میں اس سلسلے میں دو بات کہوں گا: ایک تو یہی کہ ہم شکریہ ادا کریں، دوسرے یہ کہ ان مسلمانوں کے لیے جو روزگار کی پریشانی میں مبتلا ہیں دعا کیجیے کہ اللہ رب العزت ان کی پریشانی دور فرمائے، ان کا حال دیکھ کر خود عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ بڑا اکرم پہلے ان پر بھی تھا، لیکن

(۱) مسلم شریف: باب استحباب العفو والتواضع/۲۵۸۸

آج وہ پریشانی میں مبتلا ہیں، اللہ ایسا دن ہمارے اوپر نہ لائے، اور کب نہیں آئے گا وہ؟ جب ان نعمتوں کا ہم شکریہ ادا کریں گے۔

خوش حالی میں اللہ کو یاد کرو وہ پریشانی میں تم کو یاد رکھے گا!:

ایک جگہ کچھ ہڑبونگ اور فساد کی صورت تھی، تو ایک صاحب کہنے لگے کہ اتنی بات تو ہے کہ مسجدوں میں الحمدللہ مصلی بہت ہو رہے ہیں، بہت خوشی کی بات ہے۔ میں نے کہا کہ یہ صرف اس ہڑبونگ کا اثر ہے، اگر وہ خوف مٹ جائے تو لوگ پھر اپنے اپنے گھر، تو یہ کوئی خوبی کی بات نہیں ہے؛ اس لیے کہ اللہ رب العزت کے یہاں اصول ہے، جو ہم کو شریعت سے یہ بتایا گیا ہے کہ جو مرفہ الحالی کے وقت ہم کو یاد رکھتا ہے، ہم پریشانی کے وقت اس کے کام آتے ہیں، اگر مرفہ الحالی میں کہا کہ کہاں کے تم؟ کہاں کے ہم؟ اس وقت تو کھانے کو ملتا ہے۔ تو جب پریشانی میں ہوگے تو وہ بھی کہہ دے گا کہ کہاں کے ہم، کہاں کے تم؟ جاؤ یہ خوب یاد رکھو، آدمی جتنا خوش حال ہو، اتنا ہی اللہ کو یاد کرنا چاہیے، اگر خوش حالی میں یاد کرے گا، تو جس وقت پریشانی ہوگی، اللہ رب العزت کو یاد کروگے، تو وہ تمھاری سنے گا کہ ہاں یہ بندہ، جب خوب پیٹ بھر کھانے کو ملتا تھا، تب بھی ہم کو نہیں بھولا تھا، تو آج اس کی بھوک کی حالت [میں] ہم کو اس کی سننی چاہیے، اور اگر ایسا نہ ہوگا تو کہے گا تم ہمارے بندے نہیں ہو، پیٹ کے بندے ہو۔

تو یہ بات خوب سمجھ لینی چاہیے، کہ جب ہم اچھی حالت میں ہوں، تو اس کا شکر ادا کریں، اور میں کہتا ہوں کہ وہ شکریہ چاہے جس طرح کا ہو، بدنی ہو، مالی ہو، تو صرف یہی نہیں کہ تم کو جنت ملے گی، بلکہ جنت کے علاوہ دنیا بھی ملے گی۔

تین مخلص:

بخاری میں ایک نیکوکار لڑکے کا ذکر ہے، جو اپنے ماں باپ کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتا تھا، امام بخاری نے اس حدیث کو بیان کرنے سے پہلے اس سے فائدہ کا استخراج

کیا ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنے ماں باپ کا خیال رکھے، ان کی خدمت گزاری کرے، ان کی نافرمانی نہ کرے، تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے، دیکھیے! دنیا کا بھی فائدہ ہے، آخرت میں تو عذاب سے بچے گا ہی، دنیا کے اندر یہ ہے کہ مستجاب الدعوات ہوگا، اس کی دعا قبول ہوگی، اور وہ حدیث جس میں نیکوکار لڑکے کا ذکر ہے، یہ ہے کہ تین شخص کہیں سفر میں جا رہے تھے، ابھی راستے میں تھے کہ دھڑلے کی بارش شروع ہوگئی، میدان میں تھے، کیا کرتے، وہاں کوئی گھر، آبادی نہیں تھی، ادھر ادھر دیکھا تو پہاڑی میں ایک غار نظر آیا، اسی غار کے اندر چلے گئے، کچھ دیر کے بعد پہاڑ کے اوپر سے خوب بڑا سا پتھر لڑھکا، اور غار کے دہانے پر آرکا، غار بند ہوگیا، روشنی بھی نظر نہیں آتی تھی، یہ تو بڑی مصیبت ہوگئی، پانی سے بھاگے تھے، لیکن بالکل موت کے دہانے پر چلے آئے،، بہت پریشان ہوئے، آپس میں مشورہ کیا، کسی نے کہا کہ بھئی نجات کا کوئی راستہ نہیں سوائے سچائی کے، تم سے جو سچی عبادت ہوئی ہو، بس اس کے توسط سے دعا مانگو، تو نجات ملے گی، تو ہر شخص نے اپنے جاننے میں جو نیکی کی تھی، اور جس کی نسبت اس کو یقین تھا کہ بالکل کسی دنیاوی غرض کے لیے، نام ونمود کے لیے نہیں کیا تھا، صرف اللہ کے ڈر سے کیا ہے، ایسی عبادتیں انھوں نے چن چن کر ذکر کیں، اور اللہ سے کہا کہ خداوندا! یہ کام اگر تو جانتا ہے کہ ہم نے تیرے ہی ڈر سے کیا ہے، ہم دعویٰ نہیں کرتے، اگر تیرے ڈر سے کیا ہے، تو ہمارے اوپر رحم فرما، اور اس مصیبت کو ہم سے دور فرما دے۔

ان میں ایک وہی شخص تھا، یعنی نیکوکار کا بیٹا، اس نے کہا کہ ہم بکری چَرایا کرتے تھے، اسی کے اوپر ہماری گذر بسر تھی، صبح میدان میں لے کر چلے جاتے تھے اور شام کو جب لے کر آتے، تو دودھ دوہتے، اور سب سے پہلے ماں باپ کو پلاتے، تب اپنے بچوں کو پلاتے، ایک دن شام کو گھر لوٹنے میں دیر ہوگئی، آنے کے بعد بکری وغیرہ دوہنے کے بعد وہ پیالہ لے کے اپنے ماں باپ کے پاس پلانے پہنچا، تو دیکھا کہ دونوں سوگئے ہیں، بس رات بھر وہ پیالہ لیے کھڑا رہا، وہ کہتا تھا کہ الٰہ العلمین! ماں باپ کی آنکھ لگ گئی ہے، جگاؤں تو

تکلیف ہوگی، اور ان سے پہلے کسی کو پلا دوں، یہ ممکن نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ میرے بچے میرے پاؤں کے پاس چیخ چلا رہے تھے، مگر میں نے انھیں نہیں پلایا، جب صبح ہوگئی، اور وہ لوگ جاگے ہیں، اور ان کو پلا لیا ہے، تب بچوں کو دیا ہے۔ خداوندا! مجھ کو کوئی دعویٰ تو نہیں ہے، لیکن اگر تو جانتا ہے کہ تیرے ڈر کی وجہ سے میں نے یہ کام کیا ہے، تو اس کی بدولت اور اس کے وسیلے سے یہ پتھر سرکا دے، چنانچہ پتھر سرک گیا، مگر پورا نہیں سرکا۔

اب دوسرے نے دعا کی کہ خداوندا! میں نے کچھ مزدور رکھے تھے، ان کی مزدوری مقرر کیا تھا، اس کو دینے لگا، تو وہ بگڑ کر چلا گیا، نہیں لیا، میں نے سوچا کہ اب کیا کروں، یہ مال اس کا ہے، میں اس کے اندر تصرف کرتا ہوں، تو یہ حرام ہے؛ لیکن میں نے اسے بونا شروع کیا، بار بار کاشت کی وجہ سے خدا جانے کتنی گائیں، گائے کے چرواہے، سب اسی سے خرید لیے، اور اسی کے نام سے خریدے، معلوم نہیں کتنے برس کے بعد وہ آیا، اس نے کہا کہ صاحب! ہماری مزدوری آپ کے یہاں باقی ہے۔ میں نے کہا کہ ٹھیک کہتے ہو، تمھاری کل مزدوری موجود ہے، تم جا کر لے لو، پوچھا کہاں ہے؟ کہا جتنی گائیں نظر آتی ہیں، یہ پورا گلہ اور اس کا چرواہا سب تمھارے پیسے کا ہے، یہ سب لے جاؤ۔ اس نے کہا، اللہ کے بندے! مجھ سے مذاق مت کرو، غریب جان کر دل لگی کرتے ہو!۔ میں نے کہا: مذاق نہیں ہے، تم لے جاؤ، وہ سب لے کر چلا گیا، تو خداوندا! اگر تیرے ڈر کی وجہ سے میں نے یہ کیا ہو، تو ہماری یہ مصیبت دور کر دے، چنانچہ پتھر اتنا سرک گیا کہ آسمان نظر آنے لگا، مگر نکلنے کے قابل ابھی نہیں ہوا تھا۔

اب تیسرا اٹھا، اس نے کہا کہ خداوندا! میری ایک چچازاد بہن تھی، مجھے اس سے عشق ہوگیا، اور میں نے اسے بہلا پھسلا کر کسی طرح سے زنا پر آمادہ کرلیا، اس نے ایک سو بیس اشرفی کا مطالبہ کیا تھا، میں نے اس کا انتظام کر دیا، وہ آمادہ ہوگئی؛ لیکن جب میں اس سے بدکاری کرنے بیٹھا، تو اس نے کہا کہ اس کام کو اس کے حق کی بنا پر کرو، یعنی نکاح کرلو،

تب یہ کام کرو، ورنہ اللہ سے ڈرو۔ میں یہ سن کر وہاں سے اٹھ گیا، روپیہ بھی چھوڑ دیا، اور خداوندا! میں اس سے باز آ گیا اور چلا آیا، اے اللہ! اگر تیرے ڈر سے میں نے یہ کام کیا ہو، تو اس مصیبت کو دور کر دے، اس کے بعد وہ پورا کھسک گیا، اور تینوں اس سے نکل گئے۔

یہ ادھر ادھر کا قصہ نہیں ہے، ناول کی بات نہیں ہے، صحیح بخاری کے اندر یہ لکھا ہوا ہے، اور محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمایا ہوا ہے۔

میں اس وقت یہی بتا رہا ہوں کہ نیکی کا راستہ اختیار کرنے سے صرف جنت ہی نہیں ملے گی، وہ نیکی تمھارے دنیا کے اندر بھی کام آئے گی، تم کسی مصیبت میں مبتلا ہو گے، تو اپنے نیک اعمال کی بدولت اور ان کے توسط سے تم اللہ سے دعا کرو گے، تو وہ دور ہو سکتی ہے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک اور اس کا فائدہ:

وقت بہت ہو چکا ہے اور بیان کرنے کی زیادہ طاقت بھی نہیں ہے؛ لیکن اس وقت اس حدیث کی مناسبت سے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ، ان تین باتوں میں سے پہلی بات کے اندر تو اکثریت مبتلا ہے، یعنی ماں باپ کا حق نہ ادا کرنا، جیسے اس شخص نے ادا کیا، جس کا حدیث میں ذکر ہے، وہ بات تو ہمارے تصور اور خواب خیال میں بھی نہیں آ سکتی، ارے ماں باپ کو پیٹ بھر کھانا دے دیں، آرام سے سونے کی جگہ دے دیں، کوئی تکلیف نہ پہنچائیں یہی بہت ہے، اس کے اندر بھی کمی ہے، خوب سمجھ لو کہ ماں باپ کی نافرمانی کی کتنی شناعت ہے، پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ سب سے بڑا گناہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا۔ لوگوں نے کہا، اس کے بعد؟ فرمایا کہ ماں باپ کی نافرمانی۔ بس شرک کے بعد کسی کا درجہ ہے تو ماں باپ کے نافرمان کا! اور فرمانبرداری کا کیا فائدہ ہے؟ ابھی میں نے بتایا کہ دین بھی بنے گا، اور دنیا بھی بنے گی۔

حقوق العباد کی اہمیت:

اسی طرح دوسری چیز کے متعلق بھی کہتا ہوں کہ اس سلسلے میں ہم سے بہت کوتاہی ہوتی ہے، لوگوں کے حقوق ہمارے ذمہ رہ جاتے ہیں، بہت سے لوگ مزدوری پر کوئی کام کرتے ہیں، مثلاً یہ گدھے والے، بالو وغیرہ ڈھوتے ہیں، کتنے لوگوں کی نسبت انھوں نے بتایا کہ فلاں نے ہماری اتنی مزدوری مار لی، طے ہوا تھا کہ اتنا دیں گے، مگر دیتے وقت کم دیا، اب آپ بتائیے اس مظلوم کی آہ کہیں جائے گی یا نہیں؟ اور پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ معلوم نہیں کون سا گناہ ہم سے ہوا ہے!۔ حضرت معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) کو جب آنحضرت ﷺ نے یمن بھیجا تو کہا تھا کہ مظلوم کی بددعا سے بچنا، اس لیے کی مظلوم کی بددعا اور اللہ کے بیچ کوئی حائل نہیں ہے، سیدھی خدا کے پاس پہنچتی ہے، کسی کی مزدوری ہم نے کم کر لی، کسی کا دام جتنا دینا تھا نہیں دیا، یا کسی کا باقی تھا، ہم نے کہہ دیا کہ جاؤ نہیں دیں گے، بعض بعض آدمی ایسے ہیں کہ کچھ لے گئے اور سیکڑوں دفعہ مانگنے ان کے پاس صاحب حق گیا، ایک دفعہ گیا تو کہہ دیا کہ جاؤ نہیں دیں گے، جو ہو سکے کر لینا؛ لیکن وہ تو کچھ نہیں کر سکتا؛ مگر تم کو بتاتا ہوں کہ خدا کرے گا، تم دیکھ لینا کہ خدا کر لیتا ہے کہ نہیں؟ اس لیے کہ وہ مظلوم ہے، اس کی بددعا رک نہیں سکتی، خدا کے یہاں پہنچے گی، اور تم سمجھتے ہو کہ یہ ہمارا کیا کر لے گا۔ کوئی بھی ہو، کسی کا کوئی استثناء نہیں ہے، میں کسی سے کام لیتا ہوں، مدرسہ میں پڑھواتا ہوں، اس کی تنخواہ پوری نہیں دیتا، اس کی تنخواہ ناجائز طور پر کاٹ لیتا ہوں، تو میرے اوپر بھی تو کوئی ہو گا۔

یہ حقوق العباد ہیں، یہ بہت خطرناک چیز ہے، اتنی خطرناک ہے کہ وہاں جائیں گے تو روک دیے جائیں گے اور کہہ دیا جائے گا کسی کا کوئی حق تو تمھارے ذمے نہیں ہے، اگر ہے تو پہلے اسے ادا کر لو، پھر قدم بڑھاؤ، اس سے پہلے نہیں۔ اس کی بھی فکر کرو، کسی کا بھی کوئی حق ہو، ماں کا ہو، بیوی کا ہو، بچے کا ہو، باپ کا ہو، پڑوسی کا ہو، شریک کا ہو، دو آدمی کوئی معاملہ کرتے ہیں، اس شریک کا ہو، اس شرکت کے معاملے میں بہت گڑبڑ ہوتی رہتی ہے،

اس کی فکر پہلے کرو، جو چیزیں مہلک ہیں، برباد کرنے والی ہیں، ان کا اہتمام کرو، اپنے گناہوں سے توبہ کرو، لوگوں کے حقوق ادا کرو، پھر اس کے بعد اچھی طرح سے روزہ رکھو، اچھی طرح نماز پڑھو، جمعہ پڑھو، پھر نجات کی صورت نکلے گی، ورنہ یہ سب نیکی قیامت کے دن کسی حق کے عوض میں اس کو دے دی جائے گی، اور تم سے کہہ دیا جائے گا کہ جاؤ، ٹرخو۔

اور یہ بھی سن لیجیے کہ ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ جو خرابی ہمارے اندر ہے، اس کی نشان دہی کریں، مجھ کو ایسا وعظ کہنا نہیں آتا کہ میں وعظ کہوں، تو لوگ کہیں کہ بہت اچھی تقریر کی، خوب دلچسپ وعظ کہا، مجھے دلچسپ وعظ نہیں کہنا ہے، مجھ کو تو وہ وعظ کہنا ہے، جس سے ہماری تمھاری زندگی بنے، اور آخرت میں پوری پوری نجات ہم کو مل جائے، اللہ رب العزت راضی ہو جائے، چاہے میرا وعظ تم کو پسند ہو یا ناپسند ہو، اس کی پرواہ نہیں؛ مگر میں تم کو اس راہ پر لے چلنا چاہتا ہوں، جس راہ میں سلامتی ہو، عذاب الٰہی سے بچاؤ ہو، جس میں اللہ رب العزت کی خوشنودی ہو، اس طریقہ کے اوپر تم روزہ رکھو، اس طریقہ پر نماز پڑھو، اور اسی طریقے پر ہمارے تمھارے معاملات ہوں، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین!!!

☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

☆☆☆

سنت اور بدعت

الحمد للّٰہ، نحمدہٗ، ونستعینہٗ، ونستغفرہٗ، ونؤمن بہٖ، ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیّئات أعمالنا، من یھدہ اللّٰہُ فلا مُضِلَّ لہٗ، ومن یضلل فلا ھادی لہٗ، ونشھد أن لا الٰہ إلا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہٗ، ونشھد أنَّ سیّدَنا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہ، أرسلَہ بالحق بشیراً ونذیراً، صلی اللّٰہ علیہ وسلَّم تسلیماً کثیراً کثیراً، أما بعد!

فإن خیرَ الھَدیِ ھدْیُ محمدٍ ﷺ.

آنحضرت ﷺ نمونۂ عمل ہیں:

آپ لوگ اس بات کو بہت دفعہ سن چکے ہوں گے کہ اللہ رب العزت نے محمد رسول ﷺ کو ایک نمونہ بنا کر بھیجا ہے، آنحضرت ﷺ اس بات کے مکلّف اور مامور تھے اللہ کی جانب سے کہ وہ اللہ کے احکام کو، اس کے پیغام کو ساری دنیا کو پہنچا دیں؛ اور امتی اور آنحضرت ﷺ کے علاوہ جتنے لوگ ہیں، وہ اس بات کے مکلّف تھے کہ صرف اُس پیغام کو مانیں اور صرف اُس پیغام کے اوپر عمل کریں، جو محمد رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو پہنچایا ہے، اور اُس پیغام کے اوپر عمل کرنے کا ایک نمونہ حضرت کو بنا کر بھیجا، کہ اُس پیغام کے اوپر کس طرح کوئی عمل کرے، تو خدا کی جانب سے یہ حکم تھا کہ اُس پیغام کے اوپر اِس نمونے کے مطابق، جو ہم نے بھیجا ہے، محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات میں جو ہم نے نمونہ رکھ دیا، اُس نمونے کے مطابق وہ عمل کریں۔ بہت دفعہ سنا ہوگا کہ قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے ایک آیت نازل کی، جس میں آنحضرت ﷺ کو حکم دیا کہ ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ﴾ کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو، حضرت کو فرمایا حکم دیا کہ آپ ان سے کہہ

دیجئے تمام انسانوں کو یہ کہہ دیجئے کہ اگر تم کو اللہ رب العزت سے محبت ہے، تو اتبعونی تم میری پیروی کرو، میرے قدم بہ قدم چلو۔ دیکھئے! صرف اِن کا پیغام ماننا اور اِن کی پیروی میں منحصر کر دیا تھا اللہ رب العزت نے اپنی محبت کو۔ اور دوسری جگہ اللہ رب العزت نے صراحت کے ساتھ فرمایا کہ ﴿لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوْ اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ﴾ کہ تمھارے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات میں ایک نمونہ ہے پیروی کے قابل، ایک ایسی چیز ہے کہ جس کی پیروی کرنی چاہئے، اور وہ پیروی کرنے کی بہترین شکل، وہ پیروی کرنے کا ایک بہترین نمونہ اِن کی ذات کے اندر موجود ہے۔

حدیثیں پیغام خداوندی ہیں:

دونوں باتیں قرآن سے آپ نے سن لیں، تو ہم کو صرف اُس پیغام پر عمل کرنا ہے، جو محمد رسول اللہ ﷺ نے ہم کو سنایا۔ چاہے وہ پیغام قرآن کریم کی صورت اور اس کے لباس میں ہو، اور چاہے وہ پیغام حدیث شریف کے عنوان سے ہو۔ حدیث شریف بھی پیغام خداوندی ہی ہے، اللہ رب العزت نے فرمایا کہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى یہ ہمارے رسول اپنے جی سے اور اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے ہیں، جو ہمارا حکم ہوتا ہے، وہ بولتے ہیں۔ تو قرآن پاک تو وحی جلی ہے، کھلم کھلا صریح سب کے سامنے حضرت جبرئیل آتے تھے، اور قرآن پاک لے کر اترتے تھے اور محمد رسول اللہ ﷺ کو سناتے تھے۔ حدیث پاک جو ہے، ایسی کھلم کھلا وحی نہیں ہے؛ مگر وہ بھی فرشتوں کے ذریعے سے یا اللہ رب العزت کی قدرت کاملہ سے آپ کے دل میں ڈالا جاتا تھا، اللہ رب العزت کی طرف سے جو آپ کے قلب میں اِلقا ہوتا تھا وہی فرماتے تھے۔

عبادت وہی مقبول ہے جو آپؐ کے طریقے پر ہو:

تو ہمارے لیے عمل کی چیز بس صرف وہ پیغام ہے، مگر اُس پیغام کے اوپر عمل کرنے کی یہ صورت نہیں ہے، کہ ہم اس کے اوپر جیسا ہمارا من کرے، جیسی ہماری طبیعت چاہے،

کریں۔ محمد رسول اللہ نے ہم کو پیغام دیا کہ ﴿اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ نماز قائم کرو۔ آپ کہیں کہ ٹھیک ہے ہم نماز قائم کریں گے، بس جیسے ہمارا جی چاہتا اس طرح سے ہم قائم کریں گے۔ فرض کیجئے کہ ہم نماز شروع کریں گے تو پہلے بیٹھیں گے، تو ہم پھر اس کے بعد کھڑے ہوں گے، تو پھر اس کے بعد ہم سجدہ کریں گے، تو اس کے بعد اٹھ کے ہم رکوع کریں گے، جیسے ہمارا من چاہے گا ویسے کریں گے، بالکل قبول نہیں ہے۔ نماز پڑھنے کا پیغام دیا، تو نماز اسی طرح پڑھنا چاہئے جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ نے پڑھ کے بتایا ہے، اس لیے کہ نماز پڑھنے کا نمونہ بنا کے اللہ رب العزت نے ان کو بھیجا ہے۔ اسی لیے محمد رسول اللہ نے فرمایا کہ صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے دیکھتے ہو کہ میں نماز پڑھتا ہوں۔ تو خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہم کسی قرآنی حکم، یا کسی حکم الٰہی سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے اس پر عمل کر کے جب تک کہ وہ عمل ہمارا محمد رسول اللہ کے طور طریقے پر نہ ہو۔

ہم اپنے من سے کسی طرح سے حج کر لیں اور کہیں کہ ہم نے حج کر لیا، قبول نہیں ہوگا اللہ رب العزت کے نزدیک، جب تک کہ اس نمونے پر حج نہ ہو، جو نمونہ محمد رسول اللہ ﷺ نے پیش کیا ہے، نجات کے لیے کافی نہیں ہے بالکل۔

عمل کے لیے علم ضروری ہے:

تو اس لیے آپ سمجھتے ہیں، آپ کو اور سب کو یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ علم کی بہت ضرورت ہے، بے حد ضرورت ہے، صرف اتنا جان لینا کہ نماز فرض ہے، کفایت نہیں کرے گا، ہر آدمی کو یہ جاننا پڑے گا کہ نماز کس طرح پڑھی جائے، اور کس طرح پڑھی جائے سے بھی کام نہ چلے گا؛ بلکہ یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے کس طرح پڑھی ہے، اُس طریقے کو جاننا ضروری ہے۔ پھر کچھ لوگوں کو تو ایسا جاننا ضروری ہے کہ دین کی تمام چیزیں ان کو معلوم ہوں، اور باقی لوگوں کو دین کی اُتنی چیزیں ہر آدمی کو جاننا ضروری ہے فرداً فرداً جس چیز سے اس کا سابقہ ہو۔ مثلاً نماز ہے، نماز سے ہر آدمی کا سابقہ ہے، نماز کا طور طریقہ اور نماز کے

مسائل، اور نماز کس چیز سے فاسد ہوتی ہے؟ نماز کے اندر کیا فرض ہیں؟ یہ ہر آدمی کو جاننا چاہئے ؛لیکن اس کی اور جو باریکیاں ہیں، وہ جاننا آپ کو ضروری نہیں ہے، کچھ علماء ہونے چاہئیں کہ ان کی ضرورت پڑے تو اس کے اندر وہ رہنمائی کریں۔

تو ضرورت کے مطابق، اپنی ضرورت کے مطابق، علم ہر آدمی کے لیے ضروری ہے۔ایک آدمی دوکان کھولتا ہے، تو اس کے لیے واجب ہے ضروری ہے کہ وہ یہ جانے کہ کس طرح ہم بیع وشرا کریں گے، خرید فروخت کریں گے، تو یہ اسلام میں جائز ہوگا۔ جو بیع وشرا کرتا ہے، اس کے لیے اُتنا جاننا موٹی موٹی باتوں کا ضروری ہے، کہ بیع کس طرح سے منعقد ہوتی ہے؟ کس چیز سے فاسد ہو جاتی ہے؟ کس چیز سے باطل ہو جاتی ہے؟ اس کو جو ہے موٹی موٹی باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

تو ایک بات تو مجھے یہ کرنی ہے کہ ہم سب کو اس بات کی جانب سے غفلت ہے، حتی کہ نماز جو اہمّ فرائض ہے، اُس کے مسائل سے بھی کہنا چاہئے مجھ کو کہ عام مصلین ننانوے فیصدی ناواقف ہیں؛ شاید سو میں ایک آدمی ایسا ہو کہ وہ نماز کے ضروری مسائل سے واقف ہو۔ مثال کے طور پر آپ سے کہوں کہ ہر آدمی نماز پڑھتا ہے، تو ہر آدمی کو یہ جاننا ضروری ہے کہ نماز میں جب ہم رکوع کریں تو کتنا جھکنا چاہئے، دیکھئے باریک مسائل نہیں؛ لیکن اتنا تو جاننا چاہئے کہ کتنا ہم جھکیں گے کہ تب ہمارا رکوع ہوگا، اور اُتنا نہ جھکیں گے تو رکوع نہیں ہوگا؛ یا کتنا جھکنے سے مسنون طریقے سے رکوع ہوگا، اور اُتنا نہ جھکیں گے، تو مسنون رکوع نہیں ہوگا، سنت کے مطابق رکوع نہیں ہوگا، یہ ہر آدمی کو جاننا چاہئے۔اب میں کہہ سکتا ہوں کہ ننانوے فیصدی آدمی نہیں جانتے ہیں۔

تو اس لیے میں بتاتا ہوں کی علم کی بے حد ضرورت ہے، اس کی طرف توجہ کیجئے، اور خوب سمجھ لیجئے کہ میری مراد علم سے یہ نہیں ہے، کہ صحیح بخاری اور مسلم آ کے مدرسے میں پڑھئے، علم سے میری مراد یہ ہے کہ دین کی جن باتوں سے آپ کا تعلق ہے، تو ان باتوں کے

جو ضروری مسائل ہیں، ضروری باتیں ہیں، وہ جاننا ضروری ہے۔خرید فروخت کرتے ہیں، تو اس کے جو ضروری مسائل ہیں، علماء سے پوچھ لینے چاہئیں۔نماز ہر آدمی پڑھتا ہے، تو اُس کو جاننا چاہئے۔ پڑھنے والوں میں مرد بھی ہوتا ہے اور عورت بھی ہوتی ہے، عورت کو بھی جاننا چاہئے کہ کن کن چیزوں سے نماز فاسد ہوتی ہے؟ اور کن کن امور سے اس کو رخصت ہوتی ہے کہ نماز نہ پڑھے؟ اور کن کن چیزوں سے نماز خراب ہو جاتی ہے؟ یہ چیزیں اس کو جاننا ضروری ہیں۔کن صورتوں میں اس کو رخصت ہے؟ کن کن صورتوں میں رخصت نہیں ہے؟ اور اگر اس کو موقع نہیں ہے، یا اس کو شرم ہے تو ضروری ہے کہ شوہر کے ذریعے سے وہ مسئلہ معلوم کرائے۔ اللہ کے یہاں یہ جواب دے کر وہ چھٹی نہیں پا سکتی ہے کہ کیا کریں ہم تو پردے کی وجہ سے یا فلاں وجہ سے جا کر پوچھ نہیں سکے؛ اس لیے ہم سے یہ غلطی ہوتی رہی۔ اس سے بالکل چھٹی نہیں ہوگی۔

تو ایک بہت بڑی چیز کہ جس کی طرف سے ہم عام طور پر غیر متوجہ ہیں، یہ بہت ضروری ہے، یہ مجھے کہنا ہے۔

سنت اور بدعت:

اور دوسری بات مجھے یہ کہنا ہے کہ جو کچھ بھی ہم کریں تو اس کو محمد رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے اوپر کرنا۔ اپنے نکالے ہوئے طریقوں سے ان کو انجام دینا، یہ غلط ہے۔یہ غلط ہے اور یہ بدعت ہے۔اور محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (١) جو کوئی ہمارے اس اسلام اور شریعت کے اندر ایسی بات نکالے جو اُس شریعت میں سے نہیں ہے، اپنی طبیعت سے اس نے اس دین میں ایک بات نکال لی، تو فرمایا کہ مردود ہے، رد کرنے کے قابل ہے، پھینک دینے کے قابل ہے۔آپ یہ سمجھ لیجئے اچھی طرح سے۔

(١) بخاری شریف: باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود ٢٥٥٠/

نماز کے بعد مصافحہ:

مثال کے طور پر میں آپ کو بتاؤں اللہ کا فضل ہے کہ آپ کی بستی جو ہے اس بدعت سے پاک ہے، شریعت کا ایک حکم ہے کہ دو مسلمان ملیں تو مصافحہ کریں، اس مصافحے کے باب میں شریعت میں کوئی قید نہیں ہے کہ فلاں وقت کریں، بس ملاقات کے وقت وہ مسنون ہے، اب بہت سے شہروں میں اور بہت سی بستیوں میں دیکھا گیا ہے کہ مثلاً فجر کی نماز کے بعد یا عصر کی نماز کے بعد، نماز پڑھ چکے تو ہر مصلی مصافحہ کرتا ہے۔ کہیں بھی شریعت میں نہیں ہے، یہ اپنی پاکٹ سے نکال کے ہم نے ایجاد کیا ہے۔ تو مصافحہ ہے شریعت کی چیز، مگر جو شریعت ہماری ہے، مصافحے کے باب میں اس کا یہ وقت نہیں بتایا گیا ہے کہ فجر کے بعد یا عصر کے بعد کرو؛ لہٰذا فجر اور عصر کے بعد کی جو تخصیص کرتے ہو، یہ تمھاری جیب کی نکالی ہوئی چیز ہے، یہ مردود ہے۔

ایصالِ ثواب کے لیے وقت کی تعیین:

ایک مثال میں نے بتائی۔ اسی طرح سے میں کہتا ہوں کہ مثلاً قرآن پڑھ کر کے ثواب بخشا، عام طور پر جب آپ کو موقع ہو، رات میں، دن میں، شوال کے مہینے میں، شعبان کے مہینے میں، رمضان کے مہینے میں، جب چاہیں آپ کر سکتے ہیں۔ مردے کے لیے آپ نے کھانا کھلایا، تو اس کا ثواب جو ہے تو مردے کو پہنچ جائے، وہ جس مہینے میں اور جس دن چاہیں آپ کر سکتے ہیں؛ لیکن اگر آپ یہ خیال کرلیں کہ شعبان میں یہ کرنا چاہیے، سال بھر تو ایک لقمہ بھی کسی فقیر کو اُس مُردے کے نام سے نہیں دینا چاہیے؛ مگر شعبان میں ضرور کرنا چاہیے۔ یہ دین نہیں ہے، یہ بدعت ہے، یہ اپنی طرف سے ایک نکالی ہوئی چیز ہے۔ آپ اگر یہ کہیں کہ نہیں نہیں، ہم اُس کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں، تو اتنا کفایت نہیں کرے گا، اگر ضروری نہیں سمجھتے ہو، تو کبھی شعبان میں کھلاؤ، اور کبھی شعبان میں کچھ نہ کھلاؤ، شوال میں کھلاؤ، شوال میں نہ کھلاؤ، ذیقعدہ میں کھلا دو، ذیقعدہ میں نہیں ذی الحجہ میں، کھلاؤ

ہر سال؛ مگر بدل بدل کے، تاکہ جو زبان سے کہتے ہو وہ بات سچی ہو، زبان سے تو یہ کہو کہ نہیں صاحب! اس مہینے کو ہم ضروری نہیں سمجھتے؛ مگر کبھی بھی توفیق نہیں ہوتی کہ ان کو گیارہ مہینوں میں کھلاؤ پلاؤ، بس جب شعبان آئے، تو کہیں کہ دس طالب علم ہم کو چاہیے، پانچ طالب علم ہم کو چاہیے۔

زیارتِ قبر کا حکم اور اس کا مقصد:

اسی طرح زیارتِ قبر کی بات ہے، قبروں کی زیارت پورے سال مندوب ہے، مستحب ہے کہ قبر کی زیارت کرے، اور قبر کی زیارت کا مطلب میں بتا دوں کہ آنحضرت ﷺ نے خود فرمایا ہے کہ قبروں کی زیارت کرو۔ یعنی قبروں کی زیارت کا مطلب کہ قبرستان جایا کرو، اور قبرستان جایا کرو، تو کس مقصد کے لیے؟ یہ نہیں بتایا کہ وہاں جا کے قبر کو سجدہ کرو، وہاں پر اگربتی جلاؤ، چڑھاوا چڑھاؤ، پھول چڑھاؤ، چادر چڑھاؤ، یہ سب کچھ نہیں؛ کیوں کرو؟ فرمایا کہ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُكُمُ الآخِرَةَ(۱) یہ اس لیے کہتا ہوں قبرستان جانے کو، کہ یہ قبرستان جانے سے تم کو آخرت یاد آوے گی۔ جب ایک قبر دیکھو گے، تو فوراً سمجھ میں آئے گا کہ ایک دن ہمارا بھی یہی حشر ہونے والا ہے، ہم بھی روز زندہ نہ رہیں گے، ایک دن اسی طرح سے مٹی کے نیچے ہم بھی چلے جائیں گے، تو آخرت یاد آئے گی، آخرت یاد آئے گی تو سوچو گے کہ جب لابُدّی اور لازمی طور پر یہ ہونا ہے، تو اس کا کچھ سامان بھی کرنا چاہیے، اس مقصد کے لیے زیارتِ قبر مسنون اور مندوب قرار دی گئی ہے؛ مگر آپ دیکھ لیجیے میں کہتا ہوں اس میں بھی وہی کہتا ہوں کہ ننانوے فیصدی آدمی آپ کو ایسے ملیں گے کہ ایک رسمی بات کے طور پر چودھویں تاریخ کو چلے جاتے ہیں، نہ اس کا کوئی مقصد سامنے ہے، نہ نصب العین سامنے ہے، کچھ نہیں، بس ایک بات کرتے آئے ہیں لاؤ کرلیں۔ سمجھا آپ نے! وہ تو وہ ہونا چاہیے کہ جا کر کے اس کا دل پسیجے، اس کو سوچے کہ ایک دن ہم بھی مریں گے، اور ہم

(۱) ابن ماجہ: باب ما جاء في زيارة القبور ۱۵۶۹/

مریں گے تو مرنے کے بعد کے لیے دیکھیے، ذرا جائزہ لے کہ ہم نے کتنی نماز چھوڑی ہے، کتنی پڑھی ہے؛ کتنی زکوٰۃ نہیں دی ہے، کتنی دی ہے؛ حج ہمارے اوپر فرض ہے، تو ہم نے ادا کیا ہے یا نہیں کیا ہے۔ یہ تو بڑی بڑی چیزیں ہیں، رات دن جو ہم کام کرتے ہیں، اس میں کتنا کام ہے کہ جو آخرت کے لیے ہے، اور کتنا کام ایسا ہے جو آخرت کے لیے مُضر ہے، نقصان ہے۔ چوری ہے، بدمعاشی ہے، شراب خواری ہے، جوا کھیلنا ہے، یہ سب آخرت کے لیے کام ہے؟ یہ سب آخرت کے لیے نہیں ہے، آخرت کو برباد کرنے والا یہ کام ہے۔

تو قبروں کی زیارت کرنے سے کچھ عبرت حاصل ہو، اس مقصد کے لیے قبر کی زیارت ہے؛ لیکن آپ مجھے بتا دیجیے کہ کتنے آدمی ہیں کہ زیارتِ قبر کرنے کے بعد کوئی عبرت ان کو حاصل ہوتی ہو؟ کوئی عبرت حاصل نہیں ہوتی۔ تو زیارتِ قبر مسنون ہے، کرنا چاہیے؛ لیکن اس کی کوئی وقت کی تحدید نہیں محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے؛ لہٰذا بغیر وقت کی تحدید کے کیجیے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ شوال میں بھی کر لیجیے، شعبان میں بھی کر لیجیے، رمضان میں بھی کر لیجیے اور محرم میں بھی کر لیجیے، کسی وقت کی تحدید نہ کیجیے کہ اسی وقت میں جو ہے، سال بھر تو کبھی نہ جائیں؛ مگر چودھویں کو ضرور جائیں، ایسا قرار دینا جو ہے، یہ صحیح بات نہیں ہے۔

خوب سمجھو میری بات کو! کھلاتے پلاتے ہو، خوب کھلاؤ پلاؤ؛ لیکن چودھویں کو کھلاتے ہو، کبھی چودھویں کو نہ کھلا کر کے شوال کے مہینے میں کھلا دو، محرم کے مہینے میں کھلا دو، ذی الحجہ کے مہینے میں کھلا دو، عید پر کھلا دو، بقرعید پر کھلا دو اور کبھی چودھویں کو بھی کھلا دو، تاکہ یہ معلوم ہو کہ تم اس کو ضروری نہیں سمجھتے، یہ نہیں سمجھتے کہ شریعت کا حکم یہی ہے کہ اسی رات میں کھلاؤ۔

خیر و برکت کے لیے قرآن خوانی:

ان باتوں کے اوپر خوب غور کیجیے! ان باتوں کو خوب اچھی طرح سمجھیے! ہم لوگوں کی عادت ہے کہ ہم لوگ سمجھتے ہیں کہ ایک مکان بناتے ہیں، تو یہاں تو نہیں؛ مگر مالیگاؤں

میں میں نے دیکھا ہے کہ کبھی کبھی مسجد میں نماز پڑھنے کے بعد ایک آدمی بولتا ہے کہ فلانے کے یہاں پڑھنے کے ہے، یعنی اس کے گھر بنا ہے چل کے پڑھنا ہے۔ یہ اہمیت کی چیز یا کوئی شرعی کام نہیں ہے، یعنی کہیں قرآن حدیث میں نہیں آیا ہے کہ پڑھوایا کرو، قرآن حدیث میں تو یہ ہے کہ قرآن خیر و برکت کی چیز ہے، وہ خیر و برکت کس سے حاصل ہوتی ہے کہ مسجد میں اعلان کرانے کے بجائے تم خود پڑھ لو، تب بھی وہ بات حاصل ہو جائے گی، یہ ضروری تھوڑی ہے کہ محلے بھر کے آدمیوں کو جٹاؤ تبھی وہ خیر و برکت حاصل ہوگی۔

کھاتا بدلنے کے دن قرآن خوانی:

اور اسی طرح سے اب جو ہے، پہلے باہر کلکتے وغیرہ میں تھا، اب مئو میں بھی خوب رواج ہے کہ کھاتے کے دن جو ہے قرآن شریف پڑھوانا، جیسے معلوم ہوتا ہے کہ لازمی اور ضروری ہے، سمجھتے ہیں کہ اسی میں برکت کا انحصار ہے، ہرگز اس میں برکت کا انحصار نہیں ہے، تم ایک پارہ پڑھ لو، برکت تم کو حاصل ہو جائے گی۔ یہ بات بھی سامنے رکھ کر پڑھو کہ ہم تمام افعال غیر مشروعہ کرتے رہیں اپنے بیع وشرا کے اندر، جائز ناجائز، جھوٹ اور کتمان سب کرتے رہیں، اور قرآن شریف پڑھوالیں گے چار ختم تو بس برکت حاصل ہو جائے گی، ہرگز برکت نہیں حاصل ہوگی۔

پاکی عمل سے ہوتی ہے:

پہلے ایک صحابی کا واقعہ سنئے! ایک صحابیؓ نے ایک دوسرے صحابیؓ سے کہا کہ حضرت! ارضِ مقدسہ میں چلئے گا؟ ارضِ مقدسہ سے مراد یہی وہ سرزمین جہاں پر بیت المَقدِس- جو آج کل یہودیوں کے قبضے میں ہے- واقع ہے، تو وہ کہہ رہے تھے، کہ بڑی مقدس سرزمین ہے، بہت سے انبیاء علیہم السلام کی وہ آرام گاہ ہے، وہاں پر مسجد اقصیٰ ہے، تو بڑی مقدس سرزمین ہے، کیا وہاں نہ چلئے گا؟ تو انھوں نے ایک جواب دیا تھا، تو وہ خوب اچھی طرح سے ہر آدمی یاد رکھے، اور دیکھیے کہ اس سے علم کے کتنے دروازے کھلتے ہیں، اس کی

آنکھوں کے پَٹ کھل جائیں گے۔تو انھوں نے کہا کہ بھائی صاحب! ٹھیک ہے، وہ سرزمین مقدس ہے؛ لیکن إنَّ الأرضَ لا تُقدِّسُ أحداً، إنما يُقدِّس الإنسانَ عملُه [(۱)] فرمایا انھوں نے کہ بھائی خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ کوئی سرزمین کسی انسان کو پاک اور مقدس نہیں بنا دے گی، خانہ کعبہ چلے جاؤ، تمھارے چلے جانے سے، صرف اس سرزمین میں قدم رکھنے سے تم پاک ہو جاؤ گے، یہ غلط خیال ہے۔کوئی سرزمین کسی انسان کو مقدس اور پاک نہیں بناتی ہے، انسان کو اس کا عمل پاک بناتا ہے، عمل ٹھیک کرو۔سمجھے!

تو اب میں کہتا ہوں کہ بیع وشرا اور دوکان اور گھر ہر ایک کے اندر برکت کی۔مثلاً محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تجارت بہت اچھی چیز ہے؛ مگر اس کے اندر امانت اور دیانت بہت ضروری ہے۔محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی دوکان کھولے، بیع وشرا کرے، اور بیع وشرا ایسا کرے کہ ایک ذرہ برابر بھی کہیں جھوٹ نہ بولے، جیسا سودا ہے، ویسا ہی بتاوے، سمجھے! جو جو صحیح دام اس کا ہوسکتا ہے، اس میں دھوکے میں نہ ڈالے، بالکل سچی سچی بات بتاوے۔کپڑے میں، سودے میں کوئی عیب ہے، صاف کہہ دے کہ اس کے اندر فلاں جگہ ایک عیب ہے۔تو فرمایا کہ جو آدمی سچ بولے گا اور عیب ویب چھپائے گا نہیں، تو فرمایا کہ اُس بیع وشرا کے اندر برکت ہوگی، اس دوکان داری کے اندر برکت ہوگی؛ لیکن اگر اس میں سو جھوٹ بولتا ہے، جی! ایک سودا آیا، ایک آیا شخص خریدنے کے لیے، ایک چیز ہے، دام پوچھا، اس نے کہا صاحب! پچاس روپیہ اس کا دام لگا ہے تو ہم نے اس کو دیا نہیں؛ حالانکہ پچیس بھی نہیں لگا تھا۔تو فرمایا کہ جھوٹ بولنا، عیب کو چھپانا، اور اس طرح کے اور غیر مشروع جو امور ہیں، وہ ہوں گے؛ تو فرمایا محمد رسول اللہ ﷺ نے کہ مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا [(۲)] ان خرید و فروخت کرنے والے کی برکت بالکل مٹ جائے گی، ختم ہو جائے

(۱) موطا امام مالک: جامع القضاء وكراهيته

(۲) بخاری شریف: باب ما يمحق الكذب والكتمان في البيع ۱۹۷۶/

گی۔بس آپ سمجھ لیجئے! ہزار دفعہ قرآن شریف پڑھایئے؛ لیکن یہ کہ صدق، امانت اور اظہار عیب، کتمان سے بچنا، اگر اس سے پرہیز نہیں کروگے، تو محمد رسول اللہ یہ فرماتے ہیں کہ برکت محق ہو جائے گی۔

تشریع کا اختیار صرف اللہ کو ہے:

میری باتوں کو خوب سمجھئے! ایک کام اگر اچھا کرتے ہو، تو میں اس سے منع نہیں کرتا؛ مگر بتاتا ہوں کہ اُس اچھے کام سے فائدہ جب حاصل کروگے، جب یہ بھی کروگے تب؛ اگر یہ نہ کروگے، اُس اچھے کام سے تم فائدہ نہیں حاصل کرسکتے۔

ایک، دوسری چیز یہ ہے کہ کوئی چیز جو شریعت میں کسی خاص وقت اور کسی خاص حد کے ساتھ نہیں آئی ہوئی ہے، تو اُس کے اندر کبھی اِصرار نہیں کرنا چاہئے، کبھی یہ نہ کرنا چاہئے کہ اُس کی کوئی خاص حد مقرر کرلیں، کوئی خاص تاریخ، اس کا کوئی خاص موقع مقرر کرلیں، کبھی یہ نہ کریں؛ اس لیے کہ یہ دین کے اندر ایک بات داخل کرنا ہے، جو دین سے ثابت نہیں ہے۔یہ تشریع ہے، جس تشریع کا کسی انسان کو اختیار نہیں ہے، حتی کہ محققین کہتے ہیں کہ تشریع صرف اللہ کا کام ہے، محمد رسول اللہ ﷺ تو اُس شریعت کو پہنچانے والے ہیں۔نماز محمد رسول اللہ ﷺ نے نہیں مشروع فرمائی ہے، اللہ رب العزت نے مشروع فرمائی، اور اُس مشروعیت کی تبلیغ کی ہے، پہنچایا ہے محمد رسول اللہ ﷺ نے کہ ہمارے اور تمھارے اوپر اللہ رب العزت نے نماز فرض کی ہے، یہ نہیں کہ میں نے فرض کیا ہے۔سمجھ میں آیا؟ جو لوگ آیا کرتے تھے تو ان سے یہ کہا کرتے تھے، کلمہ پڑھوانے کے بعد یہ نہیں کہتے تھے کہ میں تمھارے اوپر پانچ نمازوں کو فرض کرتا ہوں؛ بلکہ کہتے تھے کہ إنَّ اللهَ قد افْتَرَضَ عَلَيْكُمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيلَةِ [(۱)] فرمایا کہ جب تم لا إله إلا الله محمد رسول الله پڑھ چکے نا، تو تم جان لو کہ بے شک اللہ رب العزت نے تمھارے اوپر فرض کیا

(۱) ترمذی شریف: باب ما جاء في كراهية أخذ خيار المال في الصدقة ۶۲۵/

ہے پانچ نمازوں کو رات اور دن میں، یہ نہیں کہتے تھے کہ محمد نے فرض کیا ہے۔

تو شریعت مقرر کرنا، یہ اللہ کا کام ہے، اور ہم لوگوں نے اس کو اپنے اختیار میں لے لیا ہے، ایک چیز ہے کہا کہ صاحب اس وقت میں ہونا چاہئے، اور اتنا ہونا چاہئے، ہم کون ہوتے ہیں اُس کو مقرر کرنے والے؟

احکام میں فرق مراتب:

یہ اتنی بات تو اِس وقت مجھے کہنا ضروری ہے، جو میں نے آپ کے سامنے کہی ہے، اور اِس کے بعد مجھے وہ بات پھر دہرانا ہے، کہ یہ جو زیارتِ قبر کا مسئلہ ہے، یا قرآن خوانی کا مسئلہ ہے، یا کھانا کھلانے کا مسئلہ ہے۔ یہ دین کی بنیادی چیزوں میں سے نہیں ہے، دین کی بنیادی چیزوں میں سے وہ روزہ ہے، جو آگے آنے والا ہے، تو ہم جتنا دھوم دھام اور جتنا اہتمام اِن چیزوں کے لیے کرتے ہیں، اِس سے سوگنا زیادہ اہتمام ہم کو آگے آنے والے رمضان کے لیے کرنا ہے۔ کوئی حیلہ، کوئی بہانہ نہ تلاش کرنا چاہئے کہ کسی طرح چھٹی مل جائے۔ بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ رمضان قریب آتا ہے تو ڈاکٹر کے پاس پہنچ جاتے ہیں کہ کسی طرح سے عذر مل جائے۔ یہ تو خیر غنیمت ہے، لیکن آپ اسی چور ہے کے قریب رمضان شریف میں چلے جائیے، کسی ہوٹل کے اندر پردہ لٹکا ہوا ہوگا، حتیٰ کہ ہٹے کٹے ہیں اور کھا رہے ہیں، اور وہ جو کھاتے ملیں گے نا، ان کو دیکھئے گا وہ جو ہے پھلجڑی لے کے اور موم بتی لے کے قبرستان میں ضرور ملے ہوں گے، جو بالکل ضروری چیز نہیں ہے، اور روزے کا حال یہ ہے کہ پردہ لٹکا ہوا ہے، وہ دن میں صاحب کھانا کھا رہے ہیں، جب چاہئے جاکے دیکھ لیجئے۔

تو اس بات کو بھی سمجھے آپ میری، کہ جو چیز جس درجے کی ہے، اس درجے میں اس کو رکھنا چاہئے، روزہ جو ہے فرائض میں سے ہے، اس کے چھوڑنے سے گناہ ہوگا، اس کے چھوڑنے سے اگر تم توبہ نہ کروگے تو اُس کے اوپر جہنم میں جاسکتے ہو؛ لیکن اگر شب

برأت کا روزہ نہ رکھوگے، بالکل اس کے اوپر جہنم میں نہ جاؤگے، کروگے تو ثواب ضرور ملے گا، نہ کروگے تو جہنم میں نہ جاؤگے؛ لیکن روزہ ایک بھی چھوڑ دوگے تو جہنم میں جاسکتے ہو، اگر اللہ رب العزت اپنے فضل وکرم سے اس کو معاف نہ کردے۔ تو اُس کا اہتمام کرنا چاہئے، اُس کی فکر کرنی چاہئے، اور اس میں دیکھنا چاہئے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا کیا طریقہ تھا، تو تم دیکھو کہ اُس مہینے کے اندر محمد رسول اللہ ﷺ خوب خیر خیرات کرتے تھے، نہایت بخشش فرمایا کرتے تھے، اُس مہینے میں جو ہے قرآن کریم کا دَور کیا کرتے تھے، اُس مہینے میں رات رات بھر کے قریب نفلیں پڑھتے رہتے تھے، اچھی طرح یاد کیجئے، سمجھئے، کتنا اہتمام ہوتا تھا، تو اِن باتوں کے لیے اپنے کو تیار رکھنا چاہئے، اور اِن باتوں کے لیے پوری مستعدی، پورا اہتمام اور پورا انتظام کرنا چاہئے۔ تو ایسا ہے نہیں، عید کا ہمارے ہاں بہت زیادہ انتظام ہوگا، ایسا انتظام ہوگا کہ جس کے لیے قرض لینا پڑے، چوری کرنا پڑے، تو ہو جائے گا، نیا کپڑا ہونا ہے، نیا جوتا ہونا ہے، اُس کے لیے پورا اہتمام ہوگا، ویسا اہتمام کسی نماز یا کسی روزے کے لیے ہم نہیں کرتے ہیں۔

یہ سب الٹی باتیں ہیں۔ سیدھی بات یہ ہے کہ فرائض کا سب سے زیادہ اہتمام؛ اُس کے بعد جو واجب ہے، اس کا اہتمام؛ اُس کے بعد جو سنت ہے، اُس کا درجہ اُس سے نیچے ہے؛ اس کے بعد جو مستحب ہے، اس کا درجہ اُس سے نیچے ہے۔ سب سے مقدّم فرض ہے، آپ دیکھیں کہ ان فرائض پنج گانہ کا آپ کیا اہتمام کرتے ہیں؟ آج اذان سے پیشتر جب میں آیا تھا، تو میں نے دیکھا تھا کہ شاید ایک صف بھی پوری نہیں تھی، محمد رسول اللہ کا تو یہ طریقہ نہیں تھا، نہ یہ کہا تھا انھوں نے، انھوں نے تو کہا تھا کہ مَنْ بَكَّرَ وَابْتَكَرَ بہت سویرے اٹھے اور خطبے کا ابتدائی حصہ ایک لفظ بھی نہ چھوٹے، یہ نہیں کہ یہی حد ہے؛ بلکہ اِس سے پہلے اُس کو موجود ہونا چاہئے، انھوں نے تو یہ کہا تھا کہ جمعہ سے جتنا پہلے کوئی آوے گا، تو ایک رجسٹر میں فرشتہ نام لکھتا رہتا ہے؛ لیکن وہ نام لکھنا بند ہوجاتا ہے جب خطبے کی اذان ہو

جاتی ہے فرشتہ رجسٹر بند کر دیتا ہے، آپ آیا کیجئے، اب آپ کا نام جمعے میں حاضر ہونے والوں میں نہیں ملے گا؛ مگر آپ اپنی اسی ایک مسجد میں، سارے مئو کا حال تو آپ گشت لگا کر دیکھ لیجئے کہ اذان سے پہلے آ جایئے تو گے آدمی رہتے ہیں؛ حالانکہ اِس جمعے کا اہتمام اس شب برأت سے ہزار گنا زیادہ کرنا ضروری ہے؛ مگر کوئی اہتمام نہیں ہے۔ ایک عذر اور ایک بہانہ بنا کے بس چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں جمعہ کر لیتے ہیں کہ دھوپ ہے صاحب، لہذا فلاں جگہ بھی ہونا چاہئے۔

عمل وہی مفید ہے جو سنت کے مطابق ہو:

یہ سب چیزیں محمد رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے خلاف ہیں، آپ کو جمعے میں آنا ہے، بہت سویرے آنا ہے، اور آ کر کے جو اللہ نے مقدر فرمایا ہے وہ نفل پڑھئے، آپ درود شریف پڑھتے رہئے، آپ خطبہ پورا سنئے، اُس حالت میں کوئی گفتگو کسی سے نہ کیجئے، حتی کہ کوئی بات کوئی بولتا ہو، تو منع بھی نہ کیجئے، یہ سارا کام امام کرے گا، آپ کے ذمے نہیں ہے، اور پھر پورے طریقے سے نماز پڑھئے، تب اس کے بعد جمعے کا فائدہ آپ کو حاصل ہوگا، کیا فائدہ حاصل ہوگا؟ کہ ایک جمعے سے دوسرے جمعے کے بیچ میں جو گناہ آپ سے صغیرہ ہوئے ہیں، چھوٹے گناہ، سب معاف ہو جائیں گے؛ لیکن ہم لوگ اس طرح سے کہ یہاں آ ویں بھاگتے بھاگتے بھاگتے تو کسی طرح سے جو ہے آخری قعدہ مل گیا، کسی طرح سے آخری رکوع مل گیا، اور سوچیں کہ ہم نے حکم پورا کر لیا، تو چونکہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے خلاف ہے، آپ نے حکم نہیں پورا کیا، انجام نہیں دیا آپ نے اُس حکم کو۔

تو یہ باتیں کہنا بہت ہی ضروری ہیں، اور ان چیزوں سے متعلق، یہ تو میں نے صرف وقت حاضر کے لحاظ سے یہ باتیں ذکر کی ہیں، اس سے زیادہ ضروری چیزیں ہیں کچھ اور، اور وہ مرنے جینے میں ہم کو کیا کرنا چاہئے؟ نکاح، شادی بیاہ میں ہم کو کیا کرنا چاہئے؟ بالکل کافروں کے طریقے سے ہم شادی بیاہ کرتے ہیں۔ آپ اچھی طرح سمجھ لیجئے! مرنے

جینے کے اندر کیا ہے؟ محمد رسول اللہ کا حکم یہ ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو، اس کو دفن کرو، اور ہمارا حال یہ ہے کہ ایک ایک دن ڈیڑھ ڈیڑھ دن چھوڑ دیتے ہیں، کہ نہیں ابھی کلکتے سے فلانے آنے والے ہیں، تب دفن ہوگا، محمد رسول اللہ نے تو کسی مدینے سے آنے والے کا بھی انتظار نہیں کیا تھا، کہ وہ نہیں آئے ہیں، لہذا روک دو۔

تو میں کسی خاص واقعہ نہیں، میں بتلانا چاہتا ہوں کہ ہم دین کا جو کام کریں، تو اُس طریقے پر کرنا ہے، جس طریقے پر محمد رسول اللہ نے کیا ہے، تب تو ہم دین کے اوپر عمل کرنے والے قرار دیے جائیں گے؛ لیکن نام لیں دین کا اور اُس دین کے کام کو ہم کریں کسی سکھ کے طریقے پر، کسی ہندو کے طریقے پر، کسی عیسائی کے طریقے پر، کسی یہودی کے طریقے پر، تو وہ دین کا کام نہیں ہوگا۔ نکاح کو محمد رسول اللہ نے اپنی سنت قرار دیا ہے، اُس نکاح کے اوپر آپ عمل کریں گے، تو محمد رسول اللہ کے طریقے پر کریں گے، تب تو وہ سنت ادا ہوگی، ورنہ وہ کافروں کی اور مشرکین کی سنت ہے، جس کے اوپر ادا کرتے ہیں، وہ جہیز کے معاملے میں ہو، مہر کے معاملے میں ہو، وہ سامان لینے دینے کے معاملے میں ہو، یہ محمد رسول اللہ کا طریقہ نہیں تھا، جو یہ چالو ہے آج کل، یہ تو کفار اور مشرکین کا طریقہ ہے، جو ہم اپنائے ہوئے ہیں، اور ہم سمجھتے ہیں کہ یہ دین کی ایک سنت ہے نکاح ہم اُس کے اوپر عمل کر رہے ہیں، اُس پر نہیں عمل کر رہے ہو، وہ کافروں کی جو رسم ہے اُس کے اوپر عمل کر رہے ہو۔

دعا کیجئے کہ اللہ رب العزت ہم کو دین کی سمجھ عطا فرمائے، اور ہم کو دین کے اوپر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اللہ رب العزت ہم کو دین پر اُس طرح لے چلے، دین پر ہم سے اُس طرح عمل کرائے، جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ نے کر کے دکھایا ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم، وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وعلى آله وصحبه أجمعين برحمتك يا أرحم الراحمين۔

دین کی قدر شناسی

یہ تقریر ایک کتابچہ کی شکل میں بہت پہلے مدرسہ دینیہ کے شعبۂ نشر و اشاعت کی طرف سے شائع ہوئی تھی، جس میں حضرت کی تقریر سے پہلے مدرسہ دینیہ کے مہتمم مولانا عزیز الحسن صدیقی صاحب مدظلہ کی ایک تمہید بھی تھی، اس تمہید کے ساتھ ہی یہ تقریر اس مجموعے میں شامل کی جارہی ہے (مرتب)

[رمضان المبارک میں عام طور سے مدارس کے منتظمین اور مدرسین مالیات کی فراہمی کے لیے ملک کے مختلف مقامات کا دورہ کیا کرتے ہیں، احقر بھی گذشتہ سال رمضان میں مدرسہ دینیہ کے لائق استاذ مولانا ابوبکر صاحب قاسمی کے ہمراہ مئو گیا، قصبہ میں ہم نے عام طور پر شیخ الحدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی مدظلہم کی اس تقریر کا تذکرہ سنا، جو موصوف نے چند دن قبل مئو کی شاہی مسجد میں جمعہ کے دن فرمائی تھی۔ مولانا نے اس تقریر میں کھل کر مسلمانوں پر تنقید کی تھی، مسلم معاشرے میں فی زمانہ جو خرابیاں پائی جاتی ہیں، ان کی نشان دہی کی تھی اور کتاب و سنت کی روشنی میں موجودہ مشکلات کا حل بیان فرمایا تھا۔

ہمیں افسوس ہوا کہ اس موقع پر ہم بھی کیوں نہ مئو میں موجود رہے عوام سے ہٹ کر جب ہم علماء کے حلقہ میں گئے تو وہاں بھی اس تقریر کا چرچا سنا کسی نے کہا کہ جمعہ والی تقریر ایک صاحب نے ریکارڈ کر لی ہے یہ سن کر ہمارا اشتیاق اور بڑھا اور اطمینان ہوا کہ اب اس سے استفادہ ممکن ہے۔

ہم حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں حاضر ہوئے تو گفتگو کے دوران تقریر کا بھی ذکر آیا۔ حضرت موصوف نے ہماری درخواست پر مئو کے ایک محلّہ اورنگ آباد کے مولوی محمد اسلام صاحب کو ایک خط تحریر فرمادیا اور فرمایا کہ تم لوگ ان سے مل کر تقریر کا ریکارڈ سن سکتے ہو۔ ہم نے اسی وقت اپنا یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ ہم اس تقریر کو ضبط تحریر میں لانا چاہتے ہیں اور اس کو شائع کرنا

چاہتے ہیں تاکہ اس کی افادیت عام ہوجائے۔ مولانا نے فوراً اسی وقت اس بات کی بھی اجازت مرحمت فرمادی۔ اب ہم خوش خوش اورنگ آباد کی طرف روانہ ہوئے، مولوی محمد اسلام صاحب سے ملاقات کی، مولوی صاحب بڑی خندہ پیشانی سے ملے اور ہمارے جذبہ کو سراہا۔ ہم نے کئی بار ریکارڈ سنا اور تقریر کو من وعن نقل کرلیا۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اگر ہمارے عزیز مولانا ابوبکر قاسمی اس کام پر آمادہ و مستعد نہ ہوتے تو یہ کام کبھی نہ ہوتا، انھوں نے پورے انہماک کے ساتھ تقریر نقل کی اور مسودہ کو صاف کر کے حضرت شیخ الحدیث کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔

حضرت شیخ الحدیث کی نظر ثانی کے بعد یہ تقریر ہر اعتبار سے مکمل ہوگئی ہے۔ میں مولوی اسلام صاحب کا بھی ممنون ہوں کہ انھوں نے اس کام میں ہماری بھرپور مدد کی، اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ یہ تقریر مئو کی شاہی مسجد میں ہوئی اور مخاطب مئو کے مسلمان ہی تھے؛ لیکن چونکہ اس تقریر میں ایسے مضامین آگئے ہیں، جن کی ہر جگہ کے مسلمان کو ضرورت ہے؛ اس لیے اس کی اشاعت سے کافی فائدہ متوقع ہے۔ شیخ الحدیث کی یہ تقریر ہمارے لیے تازیانۂ عبرت سے کم نہیں۔ اگر غور کیا جائے تو اس تلخ نوائی میں اصلاح کا جذبہ کارفرما ہے اور طریقہ بھی یہی ہے کہ ذوق نغمہ کی کمیابی پر نوا کو تلخ تر بنانا ہی پڑتا ہے۔

ہم غازی پور کے رہنے والے ہیں اور ہمیں خوب تجربہ ہے کہ ہمارے یہاں ایسی تقریروں کی کتنی ضرورت ہے۔ وہ غازی پور جو کبھی مرکز علوم تھا، جہاں سرسید احمد خاں نے سائنٹی فک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی تھی، جہاں کہتے ہیں علامہ شبلی اور علامہ فاروق چریاکوٹی نے تحصیل علم کی تھی۔ آج بربادی کے کن مرحلوں تک پہنچ چکا ہے اس کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟ علمی مجلسوں کی جگہ مناظرہ بازی کی مشق ہورہی ہے، تکفیر کے گولے داغے جارہے ہیں، علمائے حق کی تذلیل سرِ بازار کی جارہی ہے اور ان پر سب وشتم کے تیر برملا چلائے جارہے ہیں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ ایک طرف یہ حال ہے، تو دوسری طرف کچھ صالح طبیعتیں ایسی بھی ہیں جو ان چیزوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتیں۔ ہمارا یہ بھی احساس ہے کہ عوام کو ان باتوں سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے؛ لیکن گم

گشتگانِ راہ حقیقت ہیں کہ ان کو کچھ سوجھتی ہی نہیں۔ یہاں بے عملی اپنے انتہائی نقطہ تک پہنچی ہوئی ہے، بے حسی اور جمود نشانِ امتیاز بن چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دینی واصلاحی کام کرنے والوں کو قدم قدم پر مشکلات سے نبرد آزما ہونا پڑ رہا ہے۔

مدرسہ دینیہ غازی پور جس کو جماعتِ دیوبند سے نسبت پر فخر ہے اور جو گذشتہ چالیس برسوں سے غازی پور میں مسلکِ حق کی ترجمانی کر رہا ہے، اس کے حقیر و بے نوا خدام نے محض اللہ کے بھروسہ پر دینی کام اور ہمہ جہتی ترقی کا ایک منصوبہ تیار کیا ہے، اگر ایک طرف تعلیم کے میدان میں اس نے نمایاں ترقی کی ہے تو دوسری طرف تالیف وتصنیف اور نشر واشاعت کا کام بھی ہو رہا ہے۔

ہم حضرت شیخ الحدیث کی حالیہ تقریر کو مدرسہ دینیہ کے شعبۂ نشریات کی طرف سے شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ دعاء ہے کہ خداوند عالم اس میں برکت عطا فرمائے اور قبول فرمائے۔

خادم
عزیز الحسن صدیقی
مہتمم مدرسہ دینیہ غازی پور]

اَلْحَمْدُ للهِ، نَحْمَدُهُ، وَنَسْتَعِيْنُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنُؤْمِنُ بِهٖ، وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللهُ فَلا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلا هَادِيَ لَهُ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لا شَرِيْكَ لَهُ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، أَرْسَلَهُ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا. أمابعد!

فأعوذ بالله من الشيطن الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم.

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾.

حضرات! آج اس سال کے ماہِ رمضان کا یہ آخری جمعہ ہے، پہلے ہی آپ سن چکے ہیں کہ یہ پورا ہی مہینہ پہلی تاریخ سے لے کر ۲۹؍اور ۳۰ تک اس کا ہر دن مقدس اور بابرکت ہے اور رمضان المبارک کے سارے ہی ایام اللہ کی رحمتوں کے نزول کے ایام ہیں۔ جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے مہینہ کی جہاں اور بہت سی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں، ان میں ایک یہ بھی بیان فرمائی ہے: أَوَّلُه رَحْمَةٌ، وأوسَطُه مَغْفِرةٌ، وآخِرُه عِتقٌ مِنَ النَّارِ (۱). رمضان کا پہلا عشرہ (اس کے پہلے دس دن) رحمت کے ہیں؛ دوسرے عشرہ کو فرمایا کہ یہ بخشے جانے کے دن ہیں؛ اور آخر کے دس دن جہنم کی آگ سے آزادی مل جانے کے ہیں۔

غفلت وجہالت:

ہم اپنی غفلت سے بلکہ مجھے صاف صاف کہنے دیجیے کہ اپنی جہالت اور اپنی سرکشی کی وجہ سے ان دنوں کی عظمت کو نہ سمجھیں تو نہ سمجھیں؛ لیکن وہ جن کی بدولت ہم کو دین کی دولت ملی ہے اور جن کے دامن سے وابستہ ہو کر ہم نے اللہ کا نام پایا ہے، اسلام اور ایمان کی دولت ہمیں نصیب ہوئی ہے، اس کی قدر و قیمت وہ کیسے پہچانتے تھے؟ اس کی تفصیل میں گزشتہ سال بیان کر چکا ہوں اور اس سلسلہ میں بہت کچھ سنا چکا ہوں، آنحضور ﷺ کا معمول تھا جیسا کہ صحیح حدیث میں واقع ہے:

عن عائشة قالت: كان رسول الله ﷺ إذا دخل العشر شدَّ مِئْزَرَه، وأيقَظ أهلَه، وأحيى لَيلَه (۲).

یعنی جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تھا تو آپ اپنا تہبند کس کر باندھ لیتے تھے، رات کو جاگتے اور اللہ کی عبادت کے لیے گھر کی بیبیوں کو جگایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تم

(۱) المطالب العالیۃ: باب فضل رمضان
(۲) بخاری شریف: باب العمل في العشر الأواخر من رمضان ۱۹۲۰؍

لوگ بھی جاگو اور اللہ کی عبادت کرو۔ آپ پوری رات جاگتے تھے آرام اور خواب سے کوئی مطلب نہیں تھا۔

پس یہ دن اور یہ راتیں ایسی ہیں کہ ایک ایک لمحے کو قیمتی سمجھ کر اللہ کی عبادت میں گزار دینا چاہیے، جو ان کی قدر پہچانتے تھے ان کا معمول یہ تھا؛ لیکن ناقدروں کا معمول کیا ہے؟ آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔ اگر رمضان کے ابتدائی ایام میں کچھ کرتے بھی رہے ہوں، جیسا کہ دیکھا گیا ہے کہ چاند نظر آنے کے بعد تراویح بھی شروع ہو جاتی ہے، چند دنوں کے لیے مسجد بھر جاتی ہے؛ لیکن ہم میں کتنے ہی بدبخت ایسے ہیں کہ دو چار روز کے بعد ان کی عباداتی سرگرمیاں ختم ہو جاتی ہیں اور اس کے بجائے سیر سپاٹے میں لگ جاتے ہیں، کچھ ایسے بھی ہیں کہ تراویح پڑھتے بھی ہیں تو بیس تاریخ کے بعد چھوڑ دیتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ قرآن کا ایک ختم ہو گیا، تو تراویح بھی ختم ہو گئی۔ ایک ختم کا مسئلہ الگ ہے اور رمضان کی ہر رات میں تراویح کے سنت ہونے کا مسئلہ الگ ہے، ایک قرآن ختم ہو جائے تب بھی جب تک رمضان ہے ہر رات میں تراویح پڑھنا سنت ہے، اس سے کہاں چھٹی ہے؛ مگر بہت سے لوگ اپنی چھٹی کر لیتے ہیں، حالت یہ ہے کہ سہل پسند لوگ دو عشرہ تک تو خوب پابندی سے پڑھا کرتے ہیں؛ لیکن آخری عشرہ جو پورے اہتمام اور محنت کا تھا اسی کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ہم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے نام لیوا ہیں، آپؐ کا تو یہ حال تھا کہ آخری عشرہ کے دنوں میں آپ پورا اہتمام کیا کرتے تھے؛ لیکن ہم ہیں کہ ہم کو سیر سپاٹے سے ہی فرصت نہیں ملتی، ہوٹلوں میں چائے پیتے رہتے ہیں، سیاسی گفتگو کرتے ہیں۔ یہ ناقدری نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ یہ غفلت ہے، جہالت ہے، تمھارے دلوں کو زنگ لگ گیا ہے، تمھارے نزدیک دین کی باتوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں، میں تمھیں آج ہی کا ایک واقعہ تمھاری عبرت کے لیے سناتا ہوں، مقصد یہ ہے کہ تم اس سے نصیحت حاصل کرو گے، تو اس میں تمھارے لیے بڑی عبرت ہے کہ ہم نے دین کو کس طرح پس پشت ڈال رکھا ہے اور دنیا

کو کس طرح اپنے اوپر لاد لیا ہے۔

ایک صاحب اسی مئو میں چندہ جمع کر رہے تھے، ذکر آ گیا تو ان کی نسبت پوچھ لیا، معلوم ہوا کہ آج وہ گھر چلے گئے، اس پر میں نے اپنی مجلس میں کہا کہ آج جمعہ کا دن ہے، جمعہ اور ایک بڑی جماعت کو وہ چھوڑ کر چلے گئے، اتنی بڑی جماعت ان کو کہاں ملے گی، معلوم نہیں اس میں کیسے کیسے لوگ ہوں، کس کی دعا خدا قبول کر لے، ایسا موقع پھر کہاں ملے گا، تو اس پر ایک صاحب نے کہا کہ وہ سرائے میر گئے ہیں، وہاں عید کے لیے انھیں اوڑھنیاں خریدنی ہیں، میں نے کہا کہ اوڑھنی کی قدر و قیمت تھی؛ مگر اس بات کی قدر و قیمت نہیں تھی کہ اس عظیم الشان جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیتے نہیں معلوم اللہ ربّ العزت کس کے طفیل میں ہم کو بخش دیتا۔ یہ سب احساس اور نگاہ پر موقوف ہے، دنیا کے لیے آدمی کتنا اہتمام کرتا ہے اور دین سے کتنا غافل اور بے نیاز ہے، جس طرح وہ صاحب دو تین دن سے چندہ جمع کر رہے تھے، ایک روز اور رک کر مئو کی جامع مسجد میں نماز پڑھ لیتے، تو کتنا ثواب تھا، اگر آنکھ ہوتی تو ہم دیکھتے کہ اس میں کیا نفع ہے۔ ہر آدمی کا تقریباً یہی حال ہو رہا ہے کہ دنیاوی معاملات میں بے انتہا کد و کاش کرتا ہے۔ میرا بھی یہی حال ہے، جس دوکان پر دو پیسہ سستا سامان ملے گا ہم وہیں جائیں گے، اس رمضان میں کوئی رسڑا، کوئی سرائے میر، کوئی کہیں چلا جاتا ہے، اس لیے کہ وہاں دو آنے چار آنے کی کفایت ہو جاتی ہے، چند آنوں کے لیے دور دور کا سفر کرتے ہیں؛ لیکن یہیں رہ کر دو قدم چل کر یہ توفیق نہیں ہوتی کہ دنیا کے مقابلہ میں کئی لاکھ کا نفع حاصل کر لیں، یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ دین کی قیمت ان کی نگاہ میں نہیں ہے۔

ایک کے طفیل میں سب کی بخشش ہو سکتی ہے:

ایک ایک جزئی واقعہ سے اندازہ لگاؤ تو خوب سمجھ میں آ جائے گا، کہ دنیا سب کچھ ہے اور ہمیں دین کی کوئی خبر نہیں ہے، آدمی یہاں رہ کر اور موقع حاصل ہوتے ہوئے جماعت چھوڑ کر چلا جاتا ہے، آپ کیا اس کو معمولی بات سمجھ رہے ہیں؟ یہ اتنا بڑا مجمع ہے،

جماعت میں اس سے بھی زیادہ لوگ تھے۔ اس مجمع میں سارے لوگ جو شریک ہیں سب کے سب میرے ہی طرح سے بدکار اور گناہ گار نہیں ہوں گے، اس میں کوئی اللہ ربّ العزت کا نیک بندہ بھی ہوگا، اس نیک بندہ نے بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا ہوگا، آمین کہی ہوگی۔ اس کے طفیل میں ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو بخش دے، ہمارے نزدیک چاہے یہ کتنی ہی چھوٹی چیز ہو؛ لیکن فی الحقیقت ہے یہ بہت بڑی چیز۔ اللہ ربّ العزت نے اس کے لیے جماعت مشروع کی ہے، جماعت کی اس لیے تاکید آئی ہے کہ ہر آدمی بہت اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا اور ہر شخص بہت اچھی دعا نہیں مانگ سکتا، ہر آدمی بڑا مقبول اور اللہ کا پیارا نہیں بن سکتا؛ مگر اس جماعت میں کوئی تو ہوگا جس کی بات اللہ کو بھا جائے گی اور اللہ اس کی سن لے گا، پھر یہ تو ہوگا نہیں کہ اللہ اس کی سن لے اور بقیہ کو محروم کردے، اس کے طفیل میں ان شاء اللہ وہ سب کی سن لے گا، اسی لیے اللہ نے قرآن میں جو دعا کا طریقہ بتلایا ہے اور سورۂ فاتحہ نازل کی ہے اس میں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہا گیا ہے، یعنی ہم سب کو ہدایت دے۔ دعا مانگنے والا اپنے کو خاص نہیں کرتا، اسی لیے ہمارا یہ مطلوب ہونا چاہیے کہ نیکوکاروں کی صحبت نصیب ہو، ان کے ساتھ لگ لپٹ کر ہمارا بھی بیڑا پار ہو جائے؛ مگر لوگ ہیں کہ اس نکتہ کو نہیں سمجھتے، اس پر کوئی غور ہی نہیں کرتا۔ اس لیے غور نہیں کرتے کہ دین کی ان کو کوئی فکر نہیں ہے، جیسے بھی ہو دنیا حاصل ہونی چاہیے۔

ایک بزرگ کا عجیب واقعہ:

مجھے اس وقت ایک واقعہ یاد آرہا ہے، مکہ میں ایک مفتی تھے، جو نہر والا کے رہنے والے تھے؛ مگر ترکِ وطن کرکے مکہ معظّمہ چلے گئے تھے اور وہاں کے مفتی مقرر ہوئے، ان کا قطب الدین نام تھا، انھوں نے لکھا ہے کہ ہمارے والد کا معمول تھا کہ جب وہ عرفات سے منیٰ واپس آتے تھے، تو جلدی سے قربانی کرکے مکہ آجاتے تھے اور اس وقت سے ان کا معمول تھا کہ روزانہ صبح سے شام تک حطیم (جو خانۂ کعبہ کا ایک حصہ ہے) میں ایسی جگہ بیٹھے رہتے تھے،

جہاں سے طواف کرنے والوں پر نظر پڑتی رہے، دھوپ ہو یا بارش ہو، اس کی ان کو پرواہ نہ ہوتی، مغرب یا عشاء کے بعد طوافِ زیارت کرکے پھر منیٰ چلے جاتے، میں نے ان سے ایک روز پوچھا کہ آپ کو دیکھتا ہوں یوں ہی بیٹھے رہتے ہیں، سب لوگ طواف کرتے رہتے ہیں، تو بیٹھے بیٹھے آپ کیا کرتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں منیٰ سے اس لیے جلدی چلا آتا ہوں کہ حج کو اتنی مخلوق جو آتی ہے، یقیناً اللہ کے نیک بندے اور اولیاءِ کرام بھی ہر سال آتے ہوں گے، اللہ ربّ العزت اپنے گھر کی زیارت کے لیے اپنے خاص بندوں کو ضرور بھیجتا ہوگا۔ میں یہاں اس لیے دن بھر بیٹھا رہتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ ان اللہ والوں میں سے کسی کی نگاہ مجھ پر پڑ جائے، یا میری نگاہ اس پر پڑ جائے، تو اسی سے میرا بیڑا پار ہو جائے گا۔

نیکی توفیقِ خداوندی کے بغیر ممکن نہیں:

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہماری نگاہ میں ان چیزوں کی کوئی وقعت نہیں ہے، اچھے اچھے مواقع ہم کو حاصل ہوتے ہیں؛ مگر ہم ان کو اپنے ہاتھوں سے کھو دیا کرتے ہیں۔ مولانا حاجی رفیع الدین صاحب مرادآبادی نے ایک سفرنامہ لکھا ہے، اس میں لکھا ہے کہ جب میں سورت پہنچا تو وہاں ایک بزرگ سے میں نے ملاقات کی، ان سے میں نے کہا کہ مجھے آپ کچھ نصیحت کریں، انھوں نے کہا کہ جب حج کو جانا تو روضۂ پاک صلی اللہ علیٰ صاحبہا وسلم کی زیارت ضرور کرتے آنا، مولانا رفیع الدین صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے حیرت ہوئی کہ کیا نصیحت فرما رہے ہیں! کون ایسا ہوگا جو حج کو جائے، مکہ معظّمہ حاضر ہو اور مدینہ پاک جاکر آنحضور ﷺ کے قبر مبارک کی زیارت نہ کرے۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ بہت سے لوگ مکہ معظّمہ میں رہتے ہیں، خانۂ کعبہ کے پاس موجود ہیں اور سالہا سال سے مقیم ہیں؛ لیکن انھیں مدینہ منورہ کی حاضری اور روضۂ پاک کی زیارت نصیب نہیں ہوئی، اسی لیے میں نے یہ نصیحت کی کہ ممکن ہے کہ آپ وہاں جائیں اور طبیعت گھبرائے اور واپس چلے آئیں، مدینہ منورہ کی حاضری سے محرومی رہے۔ حاجی رفیع الدین صاحب لکھتے

ہیں کہ ان بزرگ نے مجھے نصیحت کر ہی دی تھی، میں نے دیکھا کہ ہماری ہی کشتی میں ایک ایسا آدمی سوار تھا جو بڑی دھوم دھام سے آیا تھا، مکہ معظّمہ پہنچا، طواف کیا اور کہا کہ اب تو میں جارہا ہوں۔ ہم لوگوں نے اس سے کہا یہ کیا حرکت ہے؟ حج تو کرلو اس کے بعد واپس جاؤ، اس نے کہا کہ بس خانۂ کعبہ دیکھ لیا، طواف کرلیا، یہی کافی ہے۔ کتنا بھی سمجھایا گیا؛ مگر وہ حج کیے بغیر ہی لوٹ آیا۔ حاجی صاحب لکھتے ہیں: ہم نے دیکھا کہ مکہ میں لوگ اپنے کاروبار میں لگے رہتے ہیں، جس طرح دوسرے دنوں میں مشغول رہتے ہیں، اسی طرح ایامِ حج میں بھی مصروف رہتے ہیں اور حج کی سعادت سے محروم رہتے ہیں۔

یہ سب اسی اندھے پن کی بات ہے، سجھائی ہی نہیں دیتا، دین کی قدر و قیمت ہی نہیں ہے۔ اگر ذرا بھی دین کی قدر و قیمت ہوتی، تو ناممکن تھا کہ ایسا موقع ملے اور پھر انسان اس کو ہاتھ سے جانے دے۔

جہاں ایسے کم نصیب گزرے ہیں، وہاں ایسے خوش نصیبوں کی بابت بھی کتابوں میں لکھا ہے کہ ہندوستان سے گئے ہوئے ان کو پچاس سال اور ساٹھ سال گزر گئے ہیں اور وہ مکہ میں رہ رہے ہیں؛ لیکن ایک سال بھی ان کا حج فوت نہیں ہوا۔ یہ کون لوگ ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو دین کی قیمت سمجھتے ہیں۔

ہمارا حال بچوں جیسا ہے:

ہمارا حال تو اس بچے کا ہے، جس کے ہاتھ میں سونے کا ایک ٹکڑا دے دیجیے اور جب چاہیے اس کو مٹھائی دے کر وصول کر لیجیے، اس کے ہاتھ میں ہیرا دے دیجیے، اس کے نزدیک اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی، وہ جانتا ہی نہیں ہے کہ اس کے ہاتھ میں ہے کیا؟ کھانے پینے کی کوئی معمولی چیز جلیبی وغیرہ دے دیجیے اور اس سے سونا اور ہیرا وصول کر لیجیے، بالکل ہمارا حال اسی بچہ جیسا ہے۔ دنیا کا معمولی سے معمولی نقصان ہم برداشت نہیں کرسکتے؛ لیکن دین کا بڑے سے بڑا نقصان ہوجائے تو ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہ ہوگی۔ اگر ہم دین کی قدر و قیمت

پہچانتے تو ایسی بات دیکھنے میں نہ آتی۔ یہ دس دین بڑے قیمتی ہیں، جو لوگ اس کی قیمت پہچانتے تھے اور پہچاننے والوں میں سب سے بڑے جوہر شناس رسول اکرم ﷺ تھے، جن کی بدولت ہمیں دین کی یہ دولت ملی ہے، آپ کے متعلق حدیثوں میں آتا ہے کہ آپ ان دس دنوں میں اعتکاف کرتے تھے، گھر سے بھی الگ ہوجاتے تھے اور یہی نہیں، بلکہ ازواجِ مطہرات اور بہت سے خوش نصیب لوگ مسجد نبوی میں اعتکاف کیا کرتے تھے، ایک دن آپ نے دیکھا کہ خیمے پڑے ہوئے ہیں، پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ خیمے ازواجِ مطہرات کے ہیں۔ یہ جذبہ تھا، یہ شوق تھا۔ دنیا کے لیے نہیں، دین کے لیے، دین اور آخرت کا نفع کمانے کے لیے اور ہمارا حال اس کے بالکل برعکس ہے، ہمارا حال یہ ہے کہ دنیا کے معاملہ میں تو ہم چاہتے ہیں کہ دوسروں سے آگے بڑھ جائیں، ''ہم'' کا مطلب خوب سمجھ لیجیے، شاید ہی کوئی ایسا ہو، جس کا استثناء ہو۔ آپ جائزہ لیجیے مثلاً زید نے اگر کپڑا خریدا ہے تو میں یہ سوچتا ہوں کہ اس سے بھی قیمتی خریدوں، اگر اس نے جوتا یا چپل دس روپے کا خریدا ہے، تو میں بیس کا خریدوں۔ دنیا کی محبت کا یہ حال ہے کہ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوششیں ہو رہی ہیں، بازار چلے جایئے، سولہ سولہ روپے گز کا جمپر کا کپڑا خریدا جارہا ہے، بیاہ میں شادی میں ہر آدمی اپنا نام کرنا چاہتا ہے، درانحالیکہ یہ چیز ایسی نہیں تھی کہ اس میں مقابلہ کیا جائے، جس میں لاگ ڈانٹ کیا جائے، آگے بڑھنے کا جذبہ اور مقابلہ کا جذبہ ہو، یہ تو گزر بسر کی چیز تھی، گھٹیا ہی رہے تو کیا ہوا۔

سبقت اور آگے بڑھنے کا جذبہ دینی کاموں میں ہونا چاہیے:

دین کا معاملہ، نماز روزہ، اللہ کی طلب، رسول کی پیروی، یہ ایسی چیزیں تھیں جس میں مقابلہ کیا جانا چاہیے تھا۔ اللہ نے خود فرمایا ہے کہ: ﴿ وَفِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ﴾ یعنی دین کے معاملہ میں البتہ لاگ ڈانٹ کی جائے، لوگ ایک دوسرے پر رشک کریں، آگے بڑھنے کا جذبہ ہو۔ صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) کا یہی حال تھا، وہ دیکھتے تھے کہ اگر کوئی زیادہ عبادت کرتا ہے، تو کہتے ہم بھی کم سے کم اتنی عبادت کریں گے۔ آج جو جذبہ یہاں

دنیا کے معاملے میں ہے، بلا استثناء وہی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر وہاں دین کے معاملے میں کارفرما تھا۔ جس طرح ہم دنیا کے معاملے میں ایک دوسرے سے آگے بھاگ رہے ہیں، صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) اسی طرح دین کے معاملے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ یہ صرف باتیں نہیں واقعات ہیں، جو تاریخ میں انمٹ ہیں، نقش اور محفوظ ہیں۔

یہ واقعہ پڑھا ہوگا، میں نے بھی گزشتہ سال سنایا تھا، ایک دفعہ آنحضور ﷺ نے صدقے کی ترغیب دلائی اور فرمایا جس کے پاس جو کچھ ہے لادے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس روز میرے پاس کافی مال تھا اور میں جانتا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس اتنا مال نہیں ہے، میں سوچا کرتا تھا کہ کبھی تو حضرت ابوبکر کی برابری ہو، دل میں آیا کہ آج خوب ہمت اور دریا دلی سے خیرات کروں گا اور آج حضرت ابوبکر سے آگے بڑھ جاؤں گا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوڑ کر گھر گئے، تاکہ زیادہ سے زیادہ چیزیں لاکر آنحضورؐ کی خدمت میں پیش کریں، آپ نے گھر جاکر گھر کی ہر چیز آدھی آدھی کی، آدھا سرمایہ گھر کے لیے رکھا اور آدھا آنحضور اکرم ﷺ کے خدمت میں لاکر پیش کردیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس اتنا سرمایہ نہیں تھا؛ مگر جو کچھ تھا وہ سب آپ کی خدمت میں لاکر حاضر کردیا۔ حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گھر کیا چھوڑا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آدھا سامان لایا ہوں اور آدھا گھر کے لیے چھوڑ آیا ہوں؛ پھر آنحضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ تم نے گھر کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ گھر کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔

تو یہ تھیں وہ چیزیں جن میں ان کے درمیان مقابلہ ہوا کرتا تھا، وہ لوگ اس دنیائے دنی کے لیے نہیں مرتے تھے۔ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ بڑی تیزی کے ساتھ مسلمان دنیا کی طرف لپک رہے ہیں، دنیا داری کے بارے میں مقابلہ ہو رہا ہے، پار سال اور اس سال میں مقابلہ کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ہماری اقتصادی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا ہے؛ مگر

بازار جاکر دیکھیے دوکانوں میں کتنا ازدحام ہے، بازار میں ہم جاتے ہیں تو قیمتی سے قیمتی چیز خریدتے ہیں، پھر بھی تسلی نہیں ہوتی، اس میں نیکوکاروں کا استثناء بھی نہیں ہے، وہ بھی اپنے گھر اور ماحول سے مجبور ہوکر بیش قیمت سے بیش قیمت کپڑا خریدتے ہیں؛ حالانکہ بیش قیمت کپڑا پہننا کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے، میری بات خوب سمجھ لو غلط فہمی نہ ہو۔

عورت کے لیے باریک کپڑا حرام ہے:

گذشتہ جمعہ میں میں نے تقریر میں کہا تھا وہ باریک کپڑا جس سے بدن یا بال نظر آئے بالغ عورت کو پہننا حرام ہے، چاہے وہ ریشمی ہو یا سوتی، جو حکم اس میں سینہ کھلنے کا ہے وہی حکم بال نظر آنے اور پیٹھ نظر آنے کا ہے۔ میں اس طرح کے کپڑے کو ناجائز اور حرام کہتا ہوں، مطلق سوتی اور ریشمی کپڑے کو حرام نہیں کہہ رہا ہوں۔

گزشتہ جمعہ کی تقریر کے بعد دوسرے یا تیسرے روز گھوسی سے دو آدمی آئے اور کہنے لگے کہ گھوسی میں مشہور ہے کہ مولانا نے اپنی تقریر میں ٹیرالن کو حرام بتلایا ہے۔ حالانکہ میں نے تو اس کا نام بھی نہیں لیا تھا، البتہ یہ ضرور ہے کہ ایسا باریک کپڑا جس سے بدن یا بال نظر آئے، وہ حرام ہے خواہ کوئی کپڑا ہو۔

ایمان سادگی چاہتا ہے:

میں اس وقت بالکل ایک دوسری بات کہہ رہا ہوں، ایک اچھا صوفیانہ کپڑا، جو پردہ بھی رکھتا ہو، وہ کپڑا اگر شلوار میں، جمپر میں اوڑھنی میں استعمال کرلو تو کیا بُرا ہے؟ مگر ہماری ہوس ہے کہ پوری نہیں ہوتی حضورؐ نے فرمایا ہے کہ:

الْبَذَاذَةُ مِنَ الایمان (1).

مطلب یہ ہے کہ معمولی کام چلاؤ کپڑے کا استعمال یہ ایمان کی بات ہے ایمان کا مزاج سادگی چاہتا ہے، شوقینی کو نہیں چاہتا ہے، یہی شوقینی انسان کو حرام تک پہنچا دیتی ہے۔

(۱) ابن ماجہ: باب من لا یؤبہ لہ /۴۱۱۸

حرام لباس:

اسی مئو میں بعض آدمی ایسے ہیں کہ ریشمی قمیص پہنتے ہیں، جب نماز پڑھنی ہوئی تو قمیص کو اتار کر کچھا لپیٹ کر نماز پڑھ لیتے ہیں۔ یہ کیا بدبختی ہے جو چیز نماز میں حرام ہے، وہ نماز کے باہر بھی حرام ہے، وہ جانتے ہیں کہ ایسے کپڑوں سے نماز نہیں ہوتی، پھر بھی اپنا شوق پورا کرنے کے لیے اس کو پہنتے ہیں، یہ شوق ہی تو پورا کرنا ہوا؟ یہ جو شوق ہمارا ہمارے لڑکوں کا ہمارے نوجوانوں کا اور عورتوں کا بڑھتا جا رہا ہے، ہوسکتا ہے کہ یہی شوق بڑھتے بڑھتے حرام تک لے جائے، اس میں زیر باری بھی ہے، جھلک دار اوڑھنیاں اسی شوقینی میں پہنچ جاتی ہیں، حالانکہ کھلی بات ہے کہ یہ حرام ہے، جس مولوی سے چاہو پوچھ لو۔ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تاکید تھی کہ موٹی بھدی چیزیں سر پر ڈالی جائیں کہ بال اور جسم نہ نظر آئے، میں تمھیں یہی سمجھانا چاہتا ہوں، دین اور دنیا دونوں ہی چیزیں تمھارے ساتھ ہیں، آج میں زیادہ نہیں کہتا، کم سے کم دنیا کی جتنی طلب اور چاہت تم کو ہے، خدا کے لیے اتنا ہی دین کے لیے بھی پیدا کرو، ورنہ یہی ہوگا کہ جتنے مواقع اللہ ہم کو نصیب فرمائے گا، ان کو ہم ہاتھ سے جانے دیتے رہیں گے۔ اور اگر ہم قیمت پہچان لیں گے، تو ایسے مواقع سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔

عید کی نماز پڑھنے کس طرح جانا چاہئے:

رمضان المبارک ختم ہو رہا ہے، آپ کو معلوم ہے کہ اس کے اختتام پر عید کی نماز پڑھی جائے گی، دنیا میں یہ دستور رائج ہے کہ کسی بادشاہ کے دربار میں جب جاتے ہیں تو مخصوص لباس پہن کر جاتے ہیں اور دربار کا پورا ادب واحترام کرتے ہیں۔ اگر آدمی شاہی دربار کے آداب کو ملحوظ نہ رکھے تو دربار سے دھکا دے کر نکال دیا جاتا ہے، اس کی رسائی مشکل ہوتی ہے۔ تو دنیا کے دربار کا تو یہ حال ہے، تم عید کی نماز پڑھنے اللہ کے دربار میں جاؤ گے، اللہ ربّ العزت کے دربار کی کچھ تو شرم ہونی چاہیے، دربار ہی میں نہیں، بلکہ عموماً ریشمی

کپڑے مرد کے لیے حرام ہیں؛ مگر بہتیرے آدمی ہیں جو اللہ کے دربار میں شرکت کے لیے جا رہے ہیں اور ریشمی کپڑے پہن کر جا رہے ہیں، یہ اللہ کے دربار کے ساتھ تمسخر ہے، گستاخی ہے، دنیاوی بادشاہوں کے ساتھ اس قسم کا مذاق کرتے تو دھکے دے کر نکال دیے جاتے، کچھ تو فرق کرو! کچھ تو سوچو! عید کے دن دیکھیں گے آپ کہ بڑے اہتمام کے ساتھ حجامت بنوا کر ریشمی کپڑے زیب تن کر کے داڑھی منڈا کر مسجد کا رخ کریں گے، داڑھی منڈانا شریعت میں منع ہے، اگر کہیں منھ کالا کرنے جاتے اور داڑھی منڈا کر جاتے، تو اس کا موقع تھا۔ اللہ کے آگے سجدہ کرنے جا رہے ہیں اور داڑھی صاف کرا کر جا رہے ہیں، اللہ کے دربار میں جا رہے ہیں اور شریعت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ایسی صورت بنا رکھی ہے جو اللہ کو ناپسند ہے، کیا الٹی بات ہے! کیسی عقل ہے، تمھیں ہر چیز کی عقل ہے، مگر دین کی عقل نہیں ہے، دین کی عقل اور دین کی سمجھ تمھاری ماری گئی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ہم میں ذرا بھی عقل ہوتی، تو اور دن تو جو چاہے کرتے ہی رہتے، ساری عمر منھ کالا کرتے؛ لیکن عید کے دن اللہ کے دربار میں جاتے تو کم از کم اپنی شکل وصورت، وضع اور ہیئت اسلامی بنا کر جاتے کہ خدا کے سامنے جا رہے ہیں۔ کیا حماقت ہے؟! ہم جا تو رہے ہیں اللہ کی عبادت کے لیے، لیکن ذرا بھی ان شرائط کا خیال نہیں کرتے، جو عبادت کے لیے ضروری ہوا کرتی ہیں۔

کفایت شعاری سے کام لینا چاہئے:

آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ ایک طرف ہم کو گرانی کا شکوہ ہے، بجا ہے، کتنے گھر ایسے ہیں جن کو کھانا نہیں مل رہا ہے، کتنے آدمی ایسے ہیں جو بظاہر خوش حال نظر آتے ہیں؛ مگر اندر سے کھوکھلے ہیں، قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے ہیں، ان کو دال روٹی نصیب نہیں ہوتی ہے، اگر قرض نہ لیں تو گھر میں آگ نہ جلے، دیکھنے میں بہت اچھے؛ لیکن کمائی اتنی نہیں ہے کہ پوری طرح کفایت کر سکے۔ ایک طرف ہمارا حال یہ ہے اور دوسری طرف اگر ہم کو اللہ نے دولت دی ہے تو تیس چالیس سے کم کا جوتا نہیں پہنیں گے، ہم کو یہ توفیق کیوں نہ

ہوئی کہ ہم بجائے تیس کے بیس کا جوتا خریدیں اور دس روپے سے ہم دوسروں کی مدد کریں۔

آپ خوب سن لیجیے! میں منع نہیں کرتا کہ آپ جوتا نہ پہنیں، میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ اس کے بجائے کہ تیس چالیس روپے کا جوتا خریدیں، آپ اس میں سے صرف دس روپے بچا کر اس سے دوسرے لوگوں کی مدد کردیں، میں غلو اور انتہاپسندی کی بات نہیں کرتا، انتہا پسندی تو جب ہوتی جب میں یہ کہتا کہ ننگے پاؤں رہو، یا آٹھ آنہ کا چپل پہنو۔ افسوس ہمیں ان چیزوں کا خیال نہیں رہتا! بیٹھ کر شکوہ کریں گے کہ صاحب بڑی گرانی ہے، ہم ذلیل ہورہے ہیں، پیٹے جارہے ہیں، پٹنے کی بات ہی ہے، تم نے خدا کو چھوڑ دیا ہے، لہٰذا پیٹے جاؤ گے۔ حق تعالیٰ کی نصرت جب نہ ہوگی تو یہی سب ہوگا۔ اللہ جب ہمارے سروں سے ہاتھ اٹھالے، گا تو ہم ذلیل اور رسوا ہی ہوں گے۔ خدا کو متوجہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تم دنیا پر دین کو ترجیح دو۔ ہر چیز کا موقع سمجھو، نیکی اور بدی کا فرق سمجھو، ضرورت مندوں کی امداد کرو۔

آخرت میں کام آنے والی چیز:

میں تم کو سمجھانا یہ چاہتا ہوں کہ جس طرح تم نے دنیا کی قیمت سمجھی ہے، اسی طرح دین کی بھی قیمت سمجھو، اسی طرح خدا کے لیے دین کی ضرورت کو بھی سمجھو، تمھاری یہ دنیا ہمیشہ تمھارے ساتھ نہیں رہے گی، یہ لیل ونہار تمھارا ساتھ چھوڑ دیں گے، یہ دنیا کام کی نہیں ہے، تم نے دنیا ایمانداری سے کمائی ہو، یا بے ایمانی سے، دونوں صورتوں میں سن لو کہ وہ تمھاری آنکھ بند ہوجانے کے بعد تمھارے کام نہ آوے گی۔ اگر اس کو دین میں صرف نہ کیا تو ساری دولت وثروت تمھارے لیے مصیبت ہوجائے گی، جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمھارے مال سے تم کو کیا ملے گا؟ بس وہی جو تم نے کچھ کھالیا ہے، پہن لیا ہے، کھا پہن کر ختم کردیا اور پرانا کردیا، بس یہی تمھارے ہاتھ لگے گا اور تیسری چیز فرمائی کہ جو اللہ کی طرف تم نے اٹھا کر بھیج دیا ہو، وہی تمھارے کام آئے گا، اس کے سوا جو تمھاری تجوری میں پڑا ہوا ہے، اگر تمھاری آنکھ بند ہوگئی، تو وہ تمھارے کس کام آئے گا؟ اگر تم نے اس سے خود فائدہ نہیں اٹھایا تو تمھاری اولاد سے

کیا توقع ہے کہ تمھارے مرنے کے بعد وہ تمھارے کام آئے گی۔ اگر تم نے مسجد نہیں بنوائی، کسی مسکین کا پیٹ نہیں بھرا، تو تمھاری اولاد کو کیا پڑی ہے کہ تمھاری اس پسماندہ دولت سے کسی مسکین کا پیٹ بھرے، وہ بھی وہی کرے گا جو تم کروگے، ہر آدمی اس حماقت میں مبتلا ہے، میں بھی اور آپ بھی، تجوری رکھ کر چلے جاتے ہیں اور کوئی کارِ خیر اپنے لیے نہیں کر جاتے۔ اسی مئو میں آپ کو ایسی نظیریں ملیں گی کہ بڑے بڑے کمانے والے بوڑھے ہوکر مرے ہیں؛ مگر دولت پر قبضہ لڑکے کا ہے، کچھ کرنا بھی چاہیں تو نہیں کرسکتے، ایک پیسہ بھی نہیں خرچ کرسکتے۔ یہی وہ دولت ہے جس کے لیے بے ایمانی کرتے ہیں، تمام خلاف شرع کام کرتے ہیں۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ جس طرح دنیا کو تم نے سمجھا ہے، اسی طرح دین کو بھی سمجھو، یہی دین کام آنے والا ہے؛ مگر تمھارا حال یہ ہے کہ جہاں سے دین ملے گا اسی جگہ سے تمھیں نفرت ہے، جن لوگوں کی صحبت سے تم کو دین کی روشنی ملے گی، ان سے تم کو نفرت ہے۔ تمھیں رغبت ان لوگوں اور ان مجلسوں سے ہے جہاں دین تباہ ہوتا ہے، کسی سٹی دار کی خوشامد میں چار چار گھنٹہ بیٹھے رہ جاؤ گے؛ مگر یہ تم کو توفیق نہیں ہوگی کہ جو اللہ کا بندہ اللہ کی شریعت جانتا ہے، اس کے پاس دین کی باتیں معلوم کرو، ان مجلسوں اور ان اشخاص سے تم کو نفرت ہے، تم مجلسوں میں بیٹھ کر ان کا مذاق اڑاتے ہو، تم مولویوں کی برائی کرتے ہو، خوب سن لو! مولوی برا ہو یا بھلا، دین ملے گا تو اسی سے ملے گا، دین وہی بتائے گا، قرآن وہی پڑھ کر سنائے گا، ہدایہ اور شرح وقایہ سے مسئلہ وہی بتائے گا، مروگے تو وہی تمھاری نماز جنازہ پڑھائے گا، کوئی مسٹر دین کی باتیں نہیں بتائے گا، کالج اور اسکول، سٹّی اور دوکان میں یہ چیزیں نہیں ملیں گی۔

عالم دین کا مذاق اڑانا منافق کا کام ہے:

حضورؐ نے فرمایا کہ وہ آدمی بالفعل کھلم کھلا منافق ہے، جو تین قسم کے آدمیوں کا مذاق اڑاتا ہے اور ان کی تذلیل کرتا ہے: ایک تو وہ آدمی جو اسلام کی حالت میں بوڑھا ہوا ہو، اگر تم اس کا مذاق اڑاؤ گے، تو یہ منافقت ہوگی؛ دوسرا وہ آدمی جو عالم دین کا مذاق اڑاتا

ہے؛تیسرا وہ آدمی جو عادل بادشاہ کا مذاق اڑاتا ہو۔

آپ نے ان سب کو منافق بتلایا ہے۔منافق کو تم جانتے ہو، وہ کافر سے بھی بدتر ہوتا ہے، ہم مولویوں کو بھی بہت خوش نہیں ہونا چاہیے، ان کے متعلق بھی کچھ عرض کروں گا، حدیث میں آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ربّ العزت قیامت کے دن جب بندوں کا فیصلہ کرنے بیٹھیں گے، تو علماء سے فرمائیں گے، ہم نے دنیا میں تم کو جو علم دیا تھا، اپنی بردباری جو تم کو عطا کی تھی، وہ اس لیے نہ تھی کہ ہم تم کو عذاب میں ڈالیں؛ بلکہ اس لیے یہ سب کچھ دیا تھا کہ ہم تمھاری مغفرت کریں، اگر بخشنا نہ ہوتا تو ہم تم کو علم ہی نہ دیتے۔

دیکھا آپ نے عالم دین کی تو جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ عزت وتکریم بیان فرمائی ہے اور ہم میں بہت سے لوگ ہیں جن کا مشغلہ ہی یہی ہے کہ وہ مولویوں کی برائی بیان کیا کرتے ہیں۔خیر کرلیں برائی، جناب رسول اللہ ﷺ کی زبان سے اپنے حق میں منافق ہونے کا فتوی بھی سن لیں، میں خود کچھ نہیں کہتا، میں تو محض حضرت (ﷺ) کا ارشاد بیان کررہا ہوں کہ تم علماء کی توہین کروگے اور ان سے نفرت دلاؤگے تو علم دین بھی بےقدر ہوجائے گا،تم اگر علماء کی ناقدری کروگے تو لوگ عربی اور دینی مدارس سے متنفر ہوجائیں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ جو اشخاص علم دین کے حامل ہوں گے، ان سے لوگ بےرغبت ہوجائیں گے، ان سے دور ہوتے چلے جائیں گے، علم دین کوئی حاصل نہیں کرے گا، میں پوچھتا ہوں کہ تم ان علماء کے مخالف ہو یا علم دین کی مخالفت کررہے ہو، تم کو خود اس بات کو سوچنا چاہیے؛ مگر تم کو کوئی فکر نہیں۔

عالم کو بھی اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے:

میں نے ابھی کہا تھا کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں علماء کرام کو چھوٹ دینا چاہتا ہوں کہ وہ جو جی چاہیں کریں۔میں علماء سے بھی کہتا ہوں اور اپنے کو شامل کرکے کہتا ہوں، مجھ کو اور تم کو چاہیے کہ ہم اپنے حالات کی اصلاح کریں، ہم لوگوں کو موقع نہ دیں کہ ہمارے حق میں ان کی زبانیں کھلیں؛ لیکن اتنی بات میں پھر کہتا ہوں کہ جو شخص علم دین رکھتا ہے، اس

میں کچھ خامیاں بھی ہوں، تو کسی جاہل کو قطعاً کوئی حق نہیں ہے کہ اس پر نکیر کرے، اس پر اعتراض کرے، اس کی برائیاں کرے۔دوسرے کسی عالم ہی کو حق ہے کہ اس کو ٹوکے، اس پر وہ نکیر کرے، تمھارا منھ نہیں ہے، اس کے پاس جو فضیلت ہے، جو تمغہ اللہ نے اس کو دیا ہے، اس کی برابری تمھارا بہت سا عمل بھی نہیں کرسکتا۔ ہاں اللہ نے جب عالم کے علم کو اپنا علم اور اس کے حلم کو اپنا حلم کہا ہے اور فرمایا کہ ہم نے اس لیے یہ علم تم کو دیا ہے کہ ہم تمھاری مغفرت کریں، تو ہم کو چاہیے کہ ہم اپنی حد سے تجاوز نہ کریں۔عالم کا جو منصب ہے اس کا احترام کریں۔ہم کتاب وسنت کے خلاف نہ جائیں، ہم علم کے شان اور اس کے وقار کو دھکا نہ لگائیں، جو علم ہم نے سیکھا ہے اس کو اپنے عمل میں لائیں اور اس کے مطابق اپنی زندگی گزاریں۔یہ ہمارے لیے ضروری ہے، اگر ہم یہ نہ کریں گے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جاہل ہماری اہانت کرے گا اور ساتھ ساتھ دین کی بھی بےقدری کرے گا۔

یہ بات جو میں کہہ رہا ہوں یہ دن رات کا مشاہدہ ہے، سینکڑوں آدمی ہمارے پاس آتے ہیں، علماء کے متعلق طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ایک بات اور میں بتادوں، میں اور میری عمر کے جتنے علماء ہیں، ان کا تو چل چلاؤ کا وقت ہے، ہرگز اس کا مطلب نہیں ہے کہ میں اپنی تعظیم وتکریم کرانا چاہتا ہوں، میں اپنے اکرام وعزت کا خواہش مند ہوں۔میرے ساتھ عزت وذلت کا جو معاملہ ہونا تھا وہ ہوچکا، میرا تو اب یہ آخری وقت ہے، یہ باتیں میں اپنے لیے یا اپنی عمر والوں کے لیے نہیں کہہ رہا ہوں، میں ایک عام بات کہہ رہا ہوں کہ آپ علم کی عزت کریں، اگر علم اور اہل علم کی ناقدری کا یہی حال رہا تو کس کو شوق ہوگا کہ علم دین حاصل کرے، وہ یہی سوچے گا کہ جس طرح فلاں مولوی بےقدر اور بےعزت ہے یہی معاملہ میرے ساتھ بھی ہوگا۔تمھارا تو فرض یہ تھا کہ تم علماء کو بےنیاز کردیتے، ان کی ضرورتیں پوری کرتے، ان کو دین کے کام میں لگادیتے، ان کی عزت کرتے، تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ دین کا علم سیکھنے میں لگتے۔خوب سمجھ لو! یہ سب کچھ میں اپنی ذات کے لیے نہیں کہہ رہا ہوں، اگر تم نے

ہماری ان باتوں کو نہیں سمجھا اور علم کے ساتھ تمھاری یہ بے رغبتی رہی، تو یہ تمھارے لیے ہلاکت ہے، تمھاری قوم کے لیے بربادی ہے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ آج جو لوگ علماء کی صحبت میں رہتے ہیں، ان کا حال بہت اچھا ہے۔ اسی قصبہ میں میں جانتا ہوں جو لوگ جس قدر علماء سے دور رہتے ہیں، اسی قدر ان سے بے دینی کی بات سننے میں آتی ہے، ابھی کل ہی ایک صاحب کہنے لگے کہ رمضان کے دن میں مسلمان خوب خوب لاٹری کا ٹکٹ بیچ رہا ہے۔ لاٹری کے جوا ہونے میں کوئی شبہہ نہیں ہے، جوا صرف اُسی کا نام نہیں ہے جو سڑک پر بیٹھ کر دیوالی میں کھیلتے ہیں، یہ بھی ایک قسم کا جوا ہے، خیر ایک گناہ کرتے اور سمجھتے کہ یہ گناہ ہے تو یہ بھی غنیمت تھا؛ لیکن یہاں تو بحث کرتے ہیں کہ اس میں کیا خرابی ہے؟ یہ تو ایک طرح کی امداد ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ امداد ہے تو یوں ہی بیٹھے بٹھائے کیوں نہیں تم کو کوئی آ کر دے دیتا؟ یہ منصب عالم کا تھا کہ وہ بتلاتا کہ یہ چیز صدقہ ہے، خیرات ہے، امداد ہے، یا جوا ہے۔ تم کون ہوتے ہو مسئلہ بتانے والے؟! تم کو قرآن کا ایک سیدھا لفظ تو پڑھنا آتا نہیں اور چلے ہو شریعت کا حکم بیان کرنے!۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں، تمھیں صحیح طور پر آبدست لینے کا بھی ڈھنگ نہیں ہے اور اس کے باوجود بھی تم دین کے مسائل پر رائے زنی کرتے ہو، تمھیں کیا حق ہے کہ دین کے بارے میں تم اپنی عقل کو دخل دو؟ مسائل دین میں رائے زنی وہ کرے جس کی نگاہ قرآن پر ہو، حدیث پر ہو، فقہ پر ہو، دین کے مسائل کا فیصلہ قرآن اور حدیث سے ہوگا، فقہ کی کتابوں سے ہوگا۔

یہ ہے ان کی جہالت کا حال، اہلِ علم کی صحبت سے جو جتنا دور ہے وہ اسی قدر بے ہودہ گوئی اور بکواس کرتا ہے، جو کوئی مستند عالم نہ ہو، باقاعدہ فقہ کی اس نے تحصیل نہ کی ہو، اساتذہ سے اس نے پڑھا نہ ہو، اس کو بھی حق نہیں ہے کہ مسئلہ بتلاوے، اور تمھارا یہ حال ہے کہ ایک حرف سے واقف نہیں ہو اور چلے ہو دین کے مسائل میں رائے زنی کرنے۔ میں کہتا ہوں بکثرت آدمیوں کو استنجاء کرنا نہیں آتا، کس طرح پانی لینا چاہیے؟ کتنا ڈھیلا استعمال کرنا چاہیے؟ کیا دعا پڑھنی چاہیے؟ کتنے ہیں جو یہ جانتے ہیں؟ شریعت نے ہمیں

جس طرح نماز، روزہ، حج کا طریقہ بتلایا ہے، اسی طرح شریعت نے ہمیں ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کی بھی تعلیم دی ہے، ایک ایک چیز کو بتایا ہے۔

آدابِ مجلس:

اب اس آیت کا ترجمہ بھی سن لیں، جس کی میں نے شروع میں تلاوت کی تھی:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾

یہ نماز روزہ کا حکم نہیں ہے، صرف مجلسی آداب ہیں جن کو قرآن بتلا رہا ہے۔ قرآن تو یہ کہہ رہا ہے کہ اگر تم سے مجلس کا منتظم کہے کہ ذرا جگہ کشادہ کر کے بیٹھو تو تم کو اس کی بات ماننی چاہیے؛ مگر آج ذرا کوئی کہہ کر تو دیکھے، فوراً الجھ پڑیں گے؛ حالانکہ قرآن کا حکم ہے کہ منتظم کی بات مانو، اس میں تمھاری کوئی بے عزتی نہیں ہے؛ بلکہ اللہ نے تو اس پر درجات بلند کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ نماز روزہ نہیں ہے، یہ مجلسی آداب ہیں؛ لیکن اس میں بھی دین کی تعلیم موجود ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر ضرورت کے ماتحت تم سے کہا جائے کہ چلے جاؤ، تو تم کو اٹھ کر چلا جانا چاہیے، اس میں تمھاری کوئی ہتک نہیں ہے، اس میں بے عزتی کی کوئی بات نہیں ہے۔ قرآن کی تعلیم تو ان ساری چیزوں سے متعلق ہے۔

قرآن ہی میں ایک دوسری جگہ کسی کے گھر آنے جانے کا طریقہ بتلایا گیا ہے کہ جب کسی کے گھر جاؤ، تو پہلے اجازت لو، اگر اجازت مل جائے تو جاؤ ورنہ واپس لوٹ آؤ۔ آج کل طریقہ یہ ہے کہ بے دھڑک اندر داخل ہو جاتے ہیں، نہ پکارنا ہے، نہ کچھ کہنا ہے اور اگر ان سے کسی نے کہہ دیا کہ ابھی فرصت نہیں ہے، پھر کسی وقت ملاقات ہوگی، تو منھ پھلا کر لڑنے کے لیے تیار ہو جائیں گے اور کہیں گے بڑے شاندار بنتے ہیں، انھیں کو فرصت نہیں ہے۔ حالانکہ قرآن کہتا ہے کہ ایسے شخص کو واپس آ جانا چاہیے۔

یہ سب دین ہے؛ لیکن ہم کو معلوم نہیں۔ آج بہت سے لوگ علماء کی مجلس میں بیٹھتے ہیں، تو شکوہ شکایت اور دنیا بھر کی باتیں کرتے ہیں، یہاں تک کہ بدتمیزیاں کرتے ہیں، یہ سب کچھ کیوں ہوتا ہے؟ اس لیے کہ قرآن نہیں جانتے ہیں، دین نہیں جانتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ نے فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور جن کو علم دیا گیا، اللہ ان کا درجہ بلند کرے گا۔ اللہ تو عالم کا درجہ بلند کرتا ہے اور تم لوگ اس کا درجہ کم کرتے ہو، اس کو ذلیل کرنے کے چکر میں رہتے ہو۔ بہر حال میں تم کو خوب اچھی طرح سمجھا چکا، میں زیادہ دیر تک نہیں بول سکتا، جو کچھ میں بیان کر چکا ہوں اس کا خلاصہ دوبارہ ذہن نشین کرلو۔

خلاصۂ کلام:

پہلی بات تو یہ ہے کہ دین کی قیمت پہچانو، دین والوں کی صحبت اختیار کرو دنیا ہی کو اپنا مقصود نہ بنالو۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر دین حاصل ہوگا، تو ان علماء ہی سے حاصل ہوگا، انھیں مدارس دینیہ سے دین ملے گا۔ ان علماء کا پورا پورا اعزاز و اکرام کرنا ہوگا، مدارس دینیہ کی بنیاد مضبوط کرنی ہوگی۔ صاف صاف لفظوں میں سمجھو! جو دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، ان کو دنیاوی ضروریات کی طرف سے تم کو بے نیاز بنانا پڑے گا۔ مدرسین کو تنخواہ نہ دو گے تو وہ بھی دوکان کھول کر بیٹھ رہیں گے، ظاہر ہے کہ ان کا بھی پیٹ ہے، ان کے بھی بال بچے ہیں، تو پھر دین کا کام کون کرے گا؟ اگر وہ دین کی اشاعت میں لگے ہوئے ہیں، تو تمھارا فرض یہ ہے کہ ان کی ضرورتیں پوری کردو اور ان کو مستغنی بناؤ، تم یہ کر کے ان پر احسان نہیں کرو گے؛ بلکہ یہ احسان تم خود اپنے اوپر کرو گے، تم اپنا فرض پورا کرو گے۔ رہا کھانے کمانے کا مسئلہ تو جن مولویوں کو لا کر تم نے مدرسہ میں رکھ دیا ہے، تم ان کو آزاد کردو تو بہتیرے تم سے اچھا کاروبار کریں گے، وہ تم سے اچھے کاروباری بن سکتے ہیں؛ مگر پھر تم کو دین کے مسائل بتلانے والے نہیں ملیں گے۔ تم چار پیسہ مدرسہ میں دے کر سمجھتے ہو کہ بڑا تیر مارلیا، یہ ہماری بدبختی ہے

کہ علماء دروازہ، دروازہ جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں، یہ ہمارا فرض تھا کہ ہم مدرسہ میں جا کر خود امداد دیتے؛ کیونکہ یہ ہمارا کام ہے۔ اب بھی دینے والے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم احسان کررہے ہیں اور بجائے ایک دفعہ کے سفراء کو چار مرتبہ دوڑا کر دیتے ہیں۔ حالت یہ ہے کہ کوئی محصّل دور سے نظر آجائے تو اس کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ وہ اپنا نہیں تمھارا بوجھ اتار رہے ہیں۔ میں بات کھری کھری کہوں گا، مجھ کو تم سے کچھ لینا نہیں ہے، میری کوئی ضرورت تم سے اٹکی ہوئی نہیں ہے، اور نہ تم سے میں کوئی اعزاز چاہتا ہوں۔ اللہ نے جو تھوڑا علم دیا ہے، اس کی روشنی میں تمھارے فائدے اور نجات کی بات بتاتا ہوں، بھلائی کی بات سنو گے تو تمھارا ہی فائدہ ہوگا، تمھاری ناگواری سے میرا کچھ نہیں بگڑے گا، میں تم سے کسی چیز کا متوقع نہیں ہوں۔

بہر حال حاصل کلام یہی ہے کہ تم ان باتوں کو سمجھو! اگر تم نے اس پر عمل کیا تو میرے بتانے کی وجہ سے مجھ کو بھی ثواب ملے گا۔

میں تو ایسے لوگوں کو بھی دیکھتا ہوں کہ دین کا مذاق اڑاتے ہیں؛ لیکن جب مرتے ہیں تو ہمیں جیسوں کو ان کی نماز جنازہ پڑھانی پڑتی ہے، ہم ان کے لیے دعاء مغفرت کرتے ہیں۔ تو کتنی عبرت کی بات ہے کہ یہی علماء جن کا مذاق اڑایا جاتا ہے، انھیں کی چار تکبیروں کے بغیر دفن تک ہونا نصیب نہیں ہوتا، نماز جنازہ بھی تو دین ہے، وہی دین جس کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ علماء معصوم ہیں، ان کے اندر بھی کمزوریاں ہیں۔ کم سے کم میں اللہ کے نزدیک اور خلق کے نزدیک شرمندہ ہوں، دعاء کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے؛ مگر ہماری کمزوریاں دیکھ کر دین کو نظر انداز کردینا عقل مندی کی بات نہیں ہے۔ ہماری کمزوریاں ہمارے اندر چھوڑ دو، ہم سے دین سیکھ لو، میں اپنی گناہ گاری کا اعتراف کرتا ہوں اور وہی رباعی جو کسی شاعر نے کہی ہے، آپ کو سناتا ہوں۔ شاعر کہتا ہے:

دارم دلے غمگین بیامرز ومپرس — صد واقعہ در کمین بیامرز ومپرس
شرمندہ شوم اگر پرسی عملم — اے اکرام الاکرمین بیامرز ومپرس

رمضان کی برکتیں

اَلْحَمْدُ للهِ، نَحْمَدُهٗ، وَنَسْتَعِيْنُهٗ، وَنَسْتَغْفِرُهٗ، وَنُؤْمِنُ بِهٖ، وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا. أمابعد!

قال اللّٰه تعالى في الحديث القدسي: كُلُّكُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ هَدَيْتُهٗ، الى اٰخر ما قال.

مشکوٰۃ شریف میں ایک لمبی حدیث ہے، اس میں آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا فرمان نقل کیا ہے کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے بنی آدم! تم سب گمراہ ہو، سب راہ سے بھٹکے ہوئے ہو، اِلَّا مَنْ هَدَيْتُهٗ (مگر جس کو میں ہدایت دوں) جس کے پاس بھی ہدایت کی کوئی روشنی ہے، وہ میری دی ہوئی ہے، جو بھی سیدھے راستے پر لگا ہوا ہے، وہ میرے لگانے سے لگا ہے، ہدایت میری عطا کی ہوئی ہے۔ اور فرمایا کہ تم سب بھوکے ہو، مگر میں جس کا پیٹ بھر دوں، بس وہی بھوکا نہیں ہے۔ اور فرمایا کہ تم سب ننگے ہو، مگر میں جسے کپڑا پہنا دوں؛ لہٰذا تم مجھی سے ہدایت طلب کرو، میں ہدایت دوں گا، تم مجھ سے کھانا مانگو، میں کھانا دوں گا، تم مجھ سے کپڑا مانگو، میں تمھیں کپڑا پہنا دوں گا، یہ سارا کام میرا ہے، اور کسی کی طاقت نہیں ہے۔ ان باتوں کے علاوہ اور بھی کئی چیزیں ارشاد فرمائی ہیں۔

خدا کی شانِ بے نیازی:

منجملہ ان کے ایک بات یہ ہے کہ فرمایا کہ میں تمھارا کسی باب میں قطعاً محتاج نہیں ہوں، بالکل بے نیاز ہوں، میری شان بے نیازی یہ ہے کہ آدم سے لے کر اس آخری انسان تک جو قیامت سے پہلے پیدا ہوگا، یہ سارے انسان اور سارے جنّات اتنے متقی اور پرہیزگار ہو جائیں، جتنا ہونا انسان کے لیے ممکن ہے، سب کا دل نہایت پرہیزگار نہایت نیکوکار ہو جائے، ایک بھی بدکار نہ رہ جائے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اتنی ساری مخلوق کے پرہیزگار اور عبادت گزار ہو جانے سے میری بادشاہت میں کوئی اضافہ نہ ہوگا، جتنی بڑی میری مملکت اور میری شہنشاہی ہے، اس میں تمھارے نیکوکار ہو جانے سے، تمھارے پرہیزگار ہو جانے سے کوئی اضافہ نہ ہوگا، اور اگر ساری مخلوق اور تمام جن وانس بدترین گناہگار ہو جائیں، تو میری شہنشاہی میں ایک ذرہ برابر کمی واقع نہ ہوگی۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ کرم اور عظمت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ساری مخلوق کسی ایک میدان میں اکٹھا ہو جائے، اور سب مل کر مجھ سے مانگیں، اور کیا مانگیں؟ جس کی جو امید ہو، جتنی توقع ہو، لاکھ دو لاکھ کی بات نہیں، جہاں تک تم تصور کر سکتے ہو، جہاں تک تمھاری آرزو پہنچ سکتی ہے، سب کے سب مانگیں، تو میں سب کے حوصلہ کے مطابق دے دوں گا، سب کی مانگ پوری کر دوں گا، اور میری ملک میں ایک ذرّہ برابر بھی کم نہ ہوگا، اور آنحضور ﷺ نے اس کی مثال بیان فرمائی کہ جیسے سوئی پانی کے اندر ڈالی جائے، اور پھر اسے نکال لیا جائے، تو اس میں سے کتنا پانی گھٹے گا، فرمایا اسی طرح سب کے مانگنے اور سب کو دینے کے بعد اللہ کے خزانے سے اتنا بھی نہیں گھٹے گا۔

تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب میری شان یہ ہے، سب کچھ میرے خزانۂ قدرت میں ہے، میری عظمت وجلال کے سامنے کسی کی کوئی ہستی نہیں ہے، تو مجھی سے مانگو جو کچھ مانگنا ہو، ہدایت مانگنی ہو، کپڑا مانگنا ہو، سب کچھ مجھی سے مانگو، ذٰلِكَ بِاَنِّي جَوَادٌ

مَـاجِدٌ (۱)، میں سب کچھ عطا کروں گا، اور میرا کچھ نہیں گھٹے گا، اس لیے کہ صاحبِ شرف، بہت ہی بزرگ، بے نیاز، بخشش کرنے والا ہوں، مجھے بخشش کرنے کے بعد کسی سے کسی نفع کی توقع نہیں ہوتی کہ میں کسی کو کچھ دے دوں، تو وہ میرا کچھ فائدہ کرا دے گا۔

رمضان شریف کی برکت:

یہ حدیث میں نے آپ کو اس لیے سنائی ہے کہ اللہ ربّ العزت نے رمضان کا یہ مہینہ اور یہ زرّیں موقع ہم کو اس لیے عطا فرمایا ہے کہ اس میں گنہ گار اپنے گناہ سے توبہ کر کے پاک وصاف ہوجائے، کوئی آدمی اگر اللہ کا پرہیزگار بندہ، مطیع اور فرماں بردار بننا چاہے، تو اپنی کوتاہیوں سے باز آ کر اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہو، اور جیسے بھی ممکن ہو، اپنے اوپر جہنم کا دروازہ بند کرے، اللہ نے یہ موقع دیا ہے، اگر اس کے بعد بھی ہم اس سے فائدہ نہ اٹھائیں تو یاد رکھیے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل کی بددعا پر آمین کہی تھی کہ یہ موقع پا کر بھی اگر کوئی اپنے کو نہ بخشوائے، اور پورا مہینہ یونہی غفلت میں گزار دے، تو خداوندا! وہ تیری رحمت سے دور ہوجائے، اور ایک حدیث میں ہے کہ اس کی ناک خاک آلود ہوجائے۔

رمضان کی خوبیاں:

اس ماہِ مبارک کے متعلق آنحضور سرورِ عالم ﷺ کی مشہور حدیث ہے کہ شَهْـرٌ يُـزَادُ فِيْـهِ رِزْقُ الْـمُؤْمِنِ (۲)، اس مہینے میں جہاں اور بہت سی خوبیاں ہیں، جہاں اس مہینے کی یہ خوبی ہے کہ اس کا ایک فرض ستّر فرض کے برابر ہے، اس کی ایک نفل فرض کے برابر ہے، جہاں اس میں یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کھلا دے، تو نہ پوچھیے کہ اس کا کتنا بڑا ثواب ہے، جہاں اس کی خوبی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ روزہ دار کی ایک دعا ضرور قبول ہوتی ہے، ایک وقت ایسا مقرر ہے کہ اس وقت جو دعا کرے گا ضرور قبول ہوگی، وہ کون سا وقت ہے؟ فرمایا کہ افطار کا وقت ہے؟ چنانچہ یہ دعا اس وقت منقول

(۱) سنن ترمذی: ۲۴۹۵ (۲) المطالب العالیہ: ۹۲۷

ہے اَللّٰهُمَّ اَسْأَلُکَ بِرَحْمَتِکَ الَّتِی وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ اَنْ تَغْفِرَلِیْ ذُنُوْبِیْ (۱)، خداوندا! تیری وسیع رحمت کے طفیل میں میں سوال کرتا ہوں، کہ میری مغفرت فرما دے، حق تعالیٰ نے کیا کیا انتظام فرمایا ہے، فرمایا کہ: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَاناً وَّاحْتِسَاباً غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ، مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَاناً وَّاحْتِسَاباً غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ، وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَاناً وَّاحْتِسَاباً غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (۲). تین تین چیزیں ہیں، روزہ رکھے تو پہلے کے تمام گناہ معاف، رات کو قیام کرے تو یہی بات، شب قدر میں کھڑا ہو تو یہی بات، اور کیا کیا بتاؤں کہ اس میں کتنی فضیلتیں ہیں، ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جو اعلان کرتا ہے کہ اے بھلائی کے طلبگار! آگے بڑھ، اور اے برائی کے طلبگار! اب سے باز آجا۔ جہاں یہ سب خوبیاں ہیں، وہیں اس مہینے میں یہ بھی خوبی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شَهْرٌ يُزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ، یہ ایسا مہینہ ہے جس میں مومن کی روزی بڑھا دی جاتی ہے، وہی بات ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ سب بھوکے ہیں، مگر میں جسے کھلاؤں، سب ننگے ہیں، مگر میں جس کو پہناؤں، اور پہنانے، کھلانے کے کیا کیا انتظامات اللہ رب العزت نے کر رکھے ہیں؛ لہٰذا ان سب چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے کسی اور دروازے پر دستک دینے کی ضرورت نہیں ہے، دستک دو اللہ رب العزت کے دروازے پر، جو کچھ مانگنا ہو، اللہ سے مانگو، وہی تم کو روٹی بھی دے گا، وہی کپڑے بھی دے گا، وہی تمھاری مغفرت بھی فرمائے گا، وہی تم کو ہدایت بھی دے گا۔

اعتکاف:

یہ عشرۂ اخیرہ ہے، اس میں روزے اور قیام اللیل کے علاوہ ایک اور عبادت بھی مشروع ہے، اور وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت مطہرہ سے ثابت ہے، وہ عبادت ہے اعتکاف کی، اعتکاف کے بارے میں حضرت نے فرمایا ہے کہ: اَلْمُعْتَکِفُ يَعْتَکِفُ مِنْ

(۱) مستدرک حاکم: ۴۲۲/۱ (۲) صحیح بخاری: باب فضل لیلة القدر ۱۹۱۰/

الــذُّنُــوْبِ، اعتکاف کرنے والا گناہوں سے اعتکاف کرتا ہے،یعنی گناہوں سے بچ جاتا ہے، جیسے مسجد میں بیٹھ کر گھر سے الگ تھلگ ہوگیا، اسی طرح اعتکاف کر کے گناہوں سے بھی الگ تھلگ ہوجاتا ہے۔

شبِ قدر:

اسی عشرہ میں ہزار مہینہ سے بڑھ کر ایک رات ہے، جس کو لیلۃ القدر یا شبِ قدر کہتے ہیں، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ رب العزت کی رحمتوں کا یہ جوش مارنے والا دریا جو بہہ رہا ہے، اس سے ہم کو فائدہ اٹھانا چاہیے، غفلت میں نہیں گزارنا چاہیے، اللہ رب العزت نے نیکی کمانے کو کتنا آسان کردیا ہے، اور گناہ بخشوانے کا طریقہ کتنا سہل کردیا ہے، اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا ہم حوصلہ پیدا کریں، ہمّت کریں، لیکن جذبہ ہو تب تو! جذبہ والوں کی بات بتاتا ہوں، ایک صحابی تھے، مدینہ منورہ سے کچھ فاصلہ پر کسی دیہات میں رہتے تھے، مگر مضطرب تھے کہ اتنی دور رہ کر میں مسجد نبوی میں حاضر ہو کر عشرۂ اخیرہ سے فائدہ نہیں اٹھا پاتا، انھوں نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ حضرت مجھے کوئی ایک رات بتادیجیے کہ میں اس پوری رات سے فائدہ اٹھالوں، کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے بائیسویں تاریخ بتادی، وہ بائیس کی شام کو عصر کے بعد مسجد نبوی میں آجاتے اور اپنی سواری مسجد کے دروازے پر باندھ دیتے اور رات بھر مسجد سے نہیں نکلتے، پوری رات عبادت کرتے، صبح کو اٹھتے اور اپنی سواری پر سوار ہو کر دیہات چلے جاتے۔ یہ جذبہ تھا، جو کمانا چاہتے ہیں، ان کے جذبات یہی ہوتے ہیں، یہ جذبے کی بات میں کہہ رہا ہوں، طلب ہو، جذبہ ہو، تب تو کچھ ہوسکے گا، یہاں طلب ہی نہیں، جذبہ ہی نہیں، یہاں تو یہ خواہش رہتی ہے کہ بے کچھ کیے ہوئے کوئی آدمی دعا کردے، اور دعا کر کے اس کو جنت میں اٹھا کر پھینک دے۔ یہ تو نہیں ہوسکتا، ﴿ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴾ کوشش کروگے تب حاصل ہوگا؛ طلب ہوگی، تب ملے گا۔ طلب نہ ہوگی، تو نہیں مل سکتا۔

زکوۃ کے آداب:

اس مہینے میں بہت سے لوگ زکوۃ و خیرات دیتے ہیں، میں بار بار اس بات کو دہراتا ہوں کہ صرف دینا کمال نہیں ہے، کمال یہ ہے کہ دے اور وہم وتصور بھی نہ ہو کہ میں نے کوئی احسان کیا، اگر دے کر احسان جتایا، تو اس نے اپنے صدقہ کو باطل کردیا، ﴿لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذیٰ﴾ اپنے صدقات کو احسان جتا کر برباد نہ کرو، دیکھیے کتنے لوگ تو زبان سے احسان کا اظہار کردیتے ہیں، اور بہت سے لوگ اپنے رویہ سے گویا بتاتے ہیں کہ وہ کوئی احسان کررہے ہیں، کہ لوگ جان لیں کہ یہ بہت محسن ہیں۔ یہ ہے نوعیّت، تم فرض ادا کرتے ہو، لینے والا تم سے لیتا ہے، یہ اس کا احسان ہے کہ وہ تم سے قبول کر کے تمھارا فرض ادا کردیتا ہے:

منّت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمیں کنی
منّت شناس از وکہ بخدمت بداشتت

یہ مت خیال کرو، اور نہ یہ گھمنڈ کرو کہ ہم کوئی خدمت انجام دے رہے ہیں، اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم کو اس خدمت کی توفیق دی، تم کوئی احسان نہیں کررہے ہو۔ باتوں کو اچھی طرح سمجھو، منّ اور اذیٰ سے پرہیز کرو، کچھ دو تو ہرگز یہ احساس نہ ہو کہ ہم بالا دست ہیں، ہم اس کے اوپر احسان کررہے ہیں، یہ خیال ہونا چاہیے کہ جس طرح یہ اللہ کا بندہ ہے، اسی طرح ہم بھی اللہ کے بندے ہیں، اللہ کے ایک پانے والے بندہ ہونے کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کو دیں، ہم احسان نہیں کررہے ہیں، فرض ادا کررہے ہیں؛ اور کوئی موقع پڑے تو احسان نہ جتاؤ کہ ہماری زکوۃ کی روٹی کھاتے تھے، یہ تکلیف پہنچانے والی بات ہوئی یا نہیں؟

اور دوسری بات یہ ہے کہ اچھا سے اچھا دینے کی کوشش کرو، جتنی تمھاری استطاعت ہو، استطاعت کے مطابق اچھے سے اچھا مال انھیں دو، اللہ رب العزت نے

فرمایا﴿وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّا اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ﴾ کہ گندی اور خراب چیز چھانٹ کر فقیر اور مسکین کو نہ دو، درآنحالیکہ وہی چیز اگر تم کو ملنے والی ہوتو سوائے اس کے کہ تم بہت بردباری سے آنکھ بند کر کے لے لو، تو ہوسکتا ہے، ورنہ نہیں لیتے، اٹھا کر پھینک دیتے، پھر ایسی چیز دینے کی ہمت کیوں کرتے ہو۔ یہ سب آداب ہیں زکوٰۃ دینے کے، ان آداب کے ساتھ اگر ادا کرو گے تو وہ مقبول ہوگی، اور اس کا پھل پاؤ گے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے فرمایا صدقہ کیسے دینا چاہیے طَیِّبَةً بِهَا نَفْسُهُ دے تو خوب حوصلہ کے ساتھ دے، دل بڑھا ہوا ہو، خوشی کے ساتھ دے، یہ نہیں کہ دو پیسہ دے رہا ہو تو اس کے ساتھ جان بھی نکلی جارہی ہے کہ دو پیسہ گیا، اس طرح کوئی فائدہ نہ ہوگا، جب طیب نفس کے ساتھ، خوشی خوشی دے گا، تب وہ کارآمد ہوگا، تب اس کے اوپر ثواب ہوگا۔

تیسری بات ایک اور کہتا ہوں، سنیے! حدیث بخاری میں ہے کہ جب رمضان آتا تھا تو آنحضرت ﷺ داد و دہش کے معاملے میں ہوا سے بھی زیادہ تیز رفتار ہوجاتے تھے؛ لیکن ہمارا کیا حال ہے؟ مشکل سے بہت کم آدمی ایسے ہوں گے جو پوری پوری زکوٰۃ دیتے ہوں، آپ سن لیجیے، کیا زکوٰۃ دینے کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ کا حکم یہ نہیں ہے کہ إِنَّ فِي الْمَالِ حَقًّا سِوَى الزَّكَاةِ (۱)، (مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں) میں مثال کے طور پر آپ سے کہتا ہوں کہ آپ کوئی مسجد بنوا رہے ہیں، کہاں سے پیسہ آئے گا؟ آخر آپ ہی کے مال سے آئے گا، آپ نے مدرسہ قائم کر رکھا ہے، زکوٰۃ کا پیسہ آپ طالب علموں کو کھلائیں گے، مدرسین کو تنخواہ کہاں سے دیں گے؟ بعض ڈھیٹ لوگ تو کہہ دیتے ہیں کہ ارے مولوی صاحب! یہی ہوجاتا ہے، اسی کو غنیمت سمجھو، یعنی زکوٰۃ جو دے دیتے ہیں یہی غنیمت ہے، وہ چاہتے ہیں کہ بینک بیلینس میں سے کم نہ ہونے پائے، یہ جو ہوجاتا ہے یہی کافی ہے۔ کیا محمد رسول اللہ ﷺ کی یہی تعلیم ہے؟ آپ کی تعلیم تو یہ ہے کہ: ﴿لَنْ تَنَالُوا

(۱) سنن ترمذی: باب ما جاء أن في المال حقاً سوى الزكاة /۶۵۹

الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ اس وقت تک تم برّ (کامل نیکی) پا نہیں سکتے جب تک اس میں سے نہ خرچ کرو، جس کو تم خوب مضبوطی سے دانتوں سے پکڑے ہوئے ہو، جس مال سے خوب محبت ہو، زکوٰۃ والے مال کی محبت زیادہ نہیں ہوتی، جس کو اپنا سمجھتے ہو، اس کی محبت ہوتی ہے، اور ایسی ہوتی ہے ایک پیسہ دیتے ہوئے زور پڑتا ہے، اس میں سے دو، تب کامل نیکی کو پہنچو گے۔ جو لوگ واقعی مسلمان تھے انھوں نے اسے خوب سمجھا تھا، چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ انصاری صحابی (رضی اللہ عنہ) جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور کہا حضرت! اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتے ہیں کہ جس چیز کو تم خوب پسند کرتے ہو، جس کی تمھارے دل میں زیادہ محبت ہو، اس کو ہماری راہ میں خرچ کرو، تب تم برّ اور نیکی کو پہنچو گے، وَإِنَّ أَحَبَّ أَمْوَالِي إِلَيَّ بَيْرُحَاءُ (۱)، کہا کہ بیرحاء والا جو باغ ہے، اس کے اندر ایک کنواں تھا، بہت میٹھے پانی کا، جس سے جناب محمد رسول اللہ ﷺ پانی منگوا کر پیا کرتے تھے، وہ کنواں اب بھی موجود تھا، ہم جب حج کرنے گئے تھے، تو وہ موجود تھا؛ مگر ایک شخص کی عمارت میں آگیا تھا، الحمدللہ کہ دو تین دفعہ ہم نے بھی جا کر پیا، باغ تو رہا نہیں، لیکن کنواں موجود تھا، انھوں نے عرض کیا کہ یہی سب سے زیادہ پیارا مال ہے، اور پیارا کیوں نہ ہوتا؟ میٹھے اور ٹھنڈے پانی کی قدر ہم کو نہیں ہے، عرب والوں سے پوچھو کہ ان کو کتنی قدر ہے، غرض سب سے پیارا مال وہی ہے؛ مگر جب اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے تو یا رسول اللہ آپ اس کو جہاں چاہیں خرچ کریں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میاں اسے اپنے اقرباء اپنے رشتہ داروں پر خرچ کر دو، انھوں نے عرض کیا: آپ انھیں میں تقسیم کر دیجیے، انھوں نے یہ نہیں کہا کہ جو زکوٰۃ ہم دیتے ہیں اسی کو غنیمت سمجھیے، یا احب اموال کیا مانگتے ہیں، مگر سن لو تم تو یہی کہتے ہو، اور اللہ کہتا ہے کہ تم نیکی پا نہیں سکتے، جب تک اپنا سب سے محبوب مال خرچ نہ کر دو، جو لوگ حقیقی مسلمان تھے، جو قرآن کو ماننے والے تھے، جو محمد رسول اللہ کو ماننے

(۱) صحیح بخاری: باب الزكاة على الأقارب /۱۳۹۲

والے تھے، انھوں نے کر کے دکھا دیا کہ سب سے پیارا مال میرا یہ ہے، میں اسے اللہ کی راہ میں دیتا ہوں، جہاں چاہیے آپ دے دیجیے، محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ضرورت کے محل میں دو، اور ضرورت بھی اپنے رشتہ داروں کی دیکھو، یہ مت دیکھو کہ یہ تو میرا بھائی ہے اس کو کیا دوں، جی نہیں، پہلے اسی کو دو، اقرباء کا پہلے حصہ ہے۔ میں ایسے لوگوں کو جانتا ہوں کہ فلاں بزرگ کی فلاں جگہ جامع مسجد بن رہی ہے، ایک لاکھ روپیہ وہاں جاکے لگا دیا، لیکن خود جہاں کے رہنے والے ہیں، وہاں کوئی مسجد بنتی ہوتی ہے تو ایک ہزار روپیہ بھی دینے کو تیار نہیں۔ جانتے ہو کیا بات ہے؟ وہاں دیں گے تو بہت نام ہوگا۔ اس داد و دہش کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہاں کون جانے گا، وہاں تو جتنے لوگ مدرسہ میں ہوں گے اور آئیں گے، وہ کہیں گے یہ مسجد فلاں سیٹھ صاحب کی بنوائی ہوئی ہے اور یہاں کون پوچھے گا، تو محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ نام ونشان کی بات نہیں ہے، ضرورت پر دینا چاہیے۔

میں پھر وہی بات یاد دلاتا ہوں کہ اس عشرۂ اخیرہ میں جتنا آپ کو موقع ملے اس کو ہاتھ سے جانے نہ دیجیے۔

توبہ واستغفار:

اور سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ایک ایک گناہ سے رو رو کر صحیح توبہ کیجیے، صحیح توبہ کیا ہے؟ اس گناہ پر پچھتایئے، ندامت ہونی چاہیے اور دل میں عہد ہونا چاہیے کہ پھر کبھی ایسا نہ کروں گا، اللہ سے کہیے کہ خداوندا! اب ایسا کبھی نہ کروں گا۔ تو اسے معاف کر دے۔ رو رو کر اللہ رب العزت سے دعا کرو۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ خود ہی کہتا ہے کہ جس کو جس چیز کی حاجت ہو مجھ سے مانگے، میں دوں گا، ابھی میں بتا چکا ہوں کہ وہ کہتا ہے کہ سارے لوگوں کو دے کر میرا کچھ نہیں گھٹے گا، پھر ہماری بدبختی نہیں ہے تو کیا ہے کہ ہم اس پر بھی نہ مانگیں۔

رحمتِ الٰہی:

مسلم شریف وغیرہ کی صریح حدیث میں آیا ہے، اور سن کر حیرت ہوگی کہ اللہ کے

رسول ﷺ نے کیسی عجیب بات ہم کو بتائی اور سکھائی ہے، فرمایا کہ: لَلّٰهُ أَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ مِنْ رَجُلٍ نَزَلَ بِأَرْضٍ دَوِّيَّةٍ مَهْلِكَةٍ [1] الخ کہ اللہ رب العزت ایک مسلمان بندے کی توبہ سے کتنا خوش ہوتا ہے اس کو آپ نے ایک مثال سے سمجھایا کہ ایک آدمی جو عرب کے دستور کے مطابق کسی اونٹ پر سوار ہو کر جس کے اوپر سب سامان توشہ وغیرہ بھی رکھے ہوئے تھا، کسی مقام پر، کسی میدان میں، اور میدان بھی بڑا ہی لق ودق، جس کے سرے کا کہیں پتہ نہیں، نہ پچھّم نہ پورب، کچھ پتہ نہیں چلتا، وہاں وہ اترا، اور ذرا ادھر اُدھر اس نے کیا ہوگا کہ دیکھتا ہے کہ اونٹنی غائب۔ نہ کوئی بستی ہے، نہ گھر ہے، نہ آبادی ہے، نہ کہیں پانی کا ٹھکانا ہے، نہ کوئی سواری ہے، ایک سواری تھی وہ بھی غائب ہوگئی، اسی پر زندگی کا سارا سامان تھا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پہلے تو اس نے کچھ دوڑ دھوپ کی، مگر عاجز آ کر وہ کسی ببول وغیرہ کے نیچے لیٹ گیا کہ اب تو مرنا ہی ہے، مرنے کے لیے گویا لیٹ گیا، اسی میں اس کی آنکھ جھپک گئی، پھر اچانک آنکھ جو کھلتی ہے، تو دیکھتا ہے کہ اس کی اونٹنی سارے ساز وسامان کے ساتھ اس کے پاس موجود ہے، بس وہ ہڑ بڑا کر جلدی میں اٹھا، اور مارے خوشی کے کہنے لگا: اے اللہ تو میرا بندہ ہے، اور میں تیرا رب۔ خوشی کی وجہ سے اتنا بدحواس ہوگیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مارے خوشی کے غلط بول گیا۔ کہتے ہیں کہ اللہ رب العزت اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے، اگر تم بھولے بھٹکے اس کے دروازے پر پہنچ گئے، جتنا اونٹنی کے پانے سے وہ آدمی خوش ہوا تھا، اس سے زیادہ اللہ رب العزت خوش ہوتا ہے، کہ میری بھولی بھٹکی چیز اب آگئی ہے، یہ ہے اللہ کا رحم وکرم۔

رحمت حق بہانہ می جوید:

جب بات آ ہی گئی تو ایک حدیث اور سنا دوں، ایک آدمی بڑا سفاک، بڑا ظالم، بڑا درندہ اور خونخوار تھا، ننانوے آدمی کی جان لے چکا تھا، اس کے بعد اس کی آنکھ کھلی کہ

(۱) صحیح بخاری: باب التوبة ۵۹۴۹/، صحیح مسلم: باب في الحض على التوبة والفرح بها ۲۷۴۴/

اے روز یہی ہوتا رہے گا، ایک دن مجھ کو بھی تو مرنا ہے، قیامت بھی تو قائم ہوگی، وہاں کیا ہوگا؟ یہاں تو میں خوب دھڑلے سے اِن کی اُن کی جان لے لیتا ہوں، اب اس کو فکر ہوئی، اِن سے اُن سے پوچھتا پھرتا تھا کہ کوئی تدبیر بتاؤ، لوگ کہتے کہ ہمارے نزدیک کوئی تدبیر نہیں، ایک جان کو مارنے کے بعد تو بخشش کی امید نہیں معلوم ہوتی، تم تو ننانوے کو مار کر آئے ہو، ہم کیا بتائیں، ہمارے پاس کوئی علاج نہیں، ہوتے ہوتے کسی نے بتایا کہ فلاں بستی میں ایک پادری رہتا ہے (یہ اسلام سے پہلے زمانے کا قصہ ہے) وہاں جاؤ، وہ بتائے گا، اس کے پاس جا کر اس نے پورا واقعہ بیان کیا، اور کہا کہ صاحب یہ کیفیت ہے، یہ بتایئے کہ هَلْ لِي مِنْ تَوْبَةٍ، میرے لیے بھی توبہ کی گنجائش ہے، توبہ کرلوں تو قبول ہوگی؟ انھوں نے کہہ دیا کہ بالکل گنجائش نہیں ہے۔ بس اس نے تلوار نکالی، اور کہا کہ میں سو پورا کیوں نہ کرلوں؟ اس نے اس کی جان بھی مار دی؛ لیکن اس کے دل میں خلجان پیدا ہو چکا تھا، توبہ کا جذبہ بیدار ہو چکا تھا، وہ بے چین کیے ہوئے تھا، پوچھتا پھرتا تھا، کسی آدمی نے ایک دوسری بستی کا نشان بتایا کہ اس بستی میں ایک بہت بڑا عالم ہے اس کے پاس جاؤ، وہ تمھارے درد کا علاج بتائے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ وہ چلا، بس جاتے جاتے آدھے راستے کے قریب پہنچا ہوگا کہ موت کا فرشتہ آگیا، اور اس کی جان لے لی۔ کہتے ہیں کہ جب وہ مرنے لگا اور اس کی جان نکلنے لگی، تو جس بستی کی طرف جا رہا تھا ادھر سینے سے کھسک کر، رگڑ کر بڑھا کہ جتنا دم ہے، آگے بڑھ لوں، جانتا تھا کہ نہیں پہنچ سکتا، لیکن جتنی طاقت ہے اتنا تو قریب ہو جاؤں۔ اب اس کے بعد ملائکہ کے اندر اختلاف ہوا، رحمت کے فرشتوں نے کہا: یہ توبہ کرنے کی نیت سے آیا تھا، اس کی روح کو ہم لے جائیں گے، عذاب کے فرشتوں نے کہا: جی نہیں! ابھی توبہ کہاں کی تھی؟ لہٰذا ہم اس کی روح کو لے جائیں گے۔ اللہ رب العزت نے ایک طرف کی زمین سے کہا کہ تو اے زمین! ذرا ادھر اور سمٹ آ، اور دوسری طرف کی زمین سے کہا کہ تو ذرا اور دور چلی جا، اس کے بعد فرشتوں سے کہا کہ زمین ناپو، جدھر قریب

ہو ادھر ہی کا حکم ہوگا، تو سرزمین رحمت کی زمین قریب پڑی، چنانچہ رحمت کے فرشتے لے گئے اور اس کی مغفرت ہوگئی (۱)۔

یہ ہیں اس کی رحمت کے بہانے! ''رحمتِ او بہانہ می جوید'' اللہ رب العزت کی رحمت بہانہ ڈھونڈتی ہے کہ کوئی بہانہ نکل آئے اور وہ رحم کردے اور ''رحمتِ او بہانمی جوید'' اس کی رحمت قیمت نہیں مانگتی، وہ تو بہانہ تلاش کرتی ہے۔

تو میں آپ سے کہتا ہوں کہ سب سے پہلا کام تو یہ کہ صدق دل سے اپنے گناہوں سے توبہ کیجیے، توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، اور وہ رب رحیم توبہ کرنے سے اتنا خوش ہوتا ہے جس کی کوئی حد نہیں، اس لیے اس کو غنیمت جان کر، ہر آدمی اپنے کبائر گناہوں کی معافی مانگے، اور اس کے بعد تسبیح تحمید، تہلیل، تکبیر یعنی سبحان الله، الحمدلله، لا اله الا الله، الله اكبر پڑھتا رہے۔

آنحضور ﷺ کی بتائی ہوئی ایک مختصر دعا ہے، جسے شب قدر میں مانگنے کو آپ نے تلقین فرمایا ہے، وہ دعا سنیے: اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ العَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي (۲)، اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے، اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے، تو بے شک معاف کرتا ہے، اور جبر و کراہت کے ساتھ نہیں، بلکہ معاف کرنا تجھے پسند ہے- ابھی بتا چکا ہوں اس کو معاف کرنا کتنا پسند ہے-؛ لہٰذا اے میرے اللہ! تو مجھ سے درگذر فرما، مجھ کو معاف فرمادے، یہ دعا اس رات میں کثرت سے پڑھے۔

جہاں تک ممکن ہو، کثرت سے کلام پاک کی تلاوت کرو، کلام پاک کو اس ماہ رمضان سے بڑی مناسبت ہے، اسی مہینے میں وہ نازل ہوا ہے، کل میں نے ایک لڑکے سے پوچھا کہ کل تراویح میں نہیں آیا تھا، لڑکے نے کہا کہ تراویح تو پرسوں ختم ہوگئی، میں فرض پڑھ کر چلا گیا، یعنی تراویح میں قرآن پاک پورا ہو جاتا ہے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ تراویح ختم ہوگئی،

(۱) صحیح بخاری: حدیث الغار ۳۲۸۳/ (۲) سنن ترمذی: ۳۵۱۳

جی نہیں! تراویح میں ایک ختم بھی مسنون ہے، اور جب تک رمضان ہے، ہر رات میں قیام کرنا بھی سنت ہے، ایک قرآن ختم ہوجائے تب بھی جو راتیں باقی ہیں ان کے اندر تراویح پڑھنی ہے، غرض تراویح پورے ذوق وشوق کے ساتھ پڑھنی چاہیے۔

اور اللہ تعالیٰ توفیق دے تو رات کو دو چار رکعت نفل بھی پڑھ لیجیے، بندہ سجدے کی حالت میں جتنا اپنے پروردگار سے قریب ہوتا ہے، جتنی نزدیکی اور قرب اس کو سجدے کی حالت میں حاصل ہوتی ہے، اس سے زیادہ اور کسی چیز اور حالت میں اللہ کی نزدیکی حاصل نہیں ہوتی۔ اور آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ کس وقت کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ تو فرمایا کہ رات کا جو پچھلا آخری حصہ ہوتا ہے، اس وقت زیادہ قبول ہوتی ہے۔ ان تمام باتوں کو غنیمت سمجھیں، اور اس زریں موقع سے جتنا آپ کے امکان، استطاعت اور طاقت میں ہو، فائدہ اٹھائیں۔ یہ بات میں تراویح کے علاوہ کی کررہا ہوں کہ تہجد کی چند رکعتیں پڑھ لیا کریں، اور اس وقت دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ اس مہینے کے ہر دن کہتا ہے کہ: يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ أَقْبِلْ وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ (۱) اے بھلائی کے طلبگار آگے بڑھ اور اے برائی کے طلبگار پیچھے ہٹ اور باز آ۔ تو اس ندا کی بھنک کبھی کبھی ہمارے کان میں بھی آنی چاہیے، اور بھلائی میں ہم کو آگے بڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور برائی میں پیچھے ہٹنے کی ہمت کرنی چاہیے۔ اللہ کی اس نداء کے اوپر لبیک کہنے کی ضرورت ہے۔

اپنا احتساب:

رمضان اور روزے کے متعلق اتنی باتیں آپ نے سن لیں، اب میں چاہتا ہوں کہ چند اور باتیں کہہ دوں۔

دیکھیے! رمضان شریف کے اتنے دن گزر گئے، ہم کو جائزہ لینا چاہیے کہ ان دنوں میں ہم نے کیا کمائی کی، اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے کچھ کیا ہے، تو اب جو دن باقی رہ گئے

(۱) سنن ترمذی: باب ما جاء في فضل شهر رمضان ۶۸۲/

ہیں، ان میں اور زیادہ کوشش کرنی چاہیے؛ اور اگر ہم یہ احساس کرتے ہیں کہ ہم سے اب تک کچھ نہیں ہوسکا ہے، سوائے اس کے کہ بازار سے پکوڑیاں خریدتے رہے، اور عشاء کے وقت جاکر للمونیا کھاتے رہے، اس کے سوا کچھ نہیں کیا ہے؛ تو اب سے اپنا رویہ بدلیے، اب سے تو ایسے کام کرلیجیے کہ جن کی وجہ سے آپ کو ایسا پانی پلایا جائے، جس کے بعد کبھی پیاس نہ لگے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک روزہ دار کو اگر تم پانی پلادو، تو اللہ تعالیٰ تم کو ایسا شربت پلائیں گے کہ اس کے بعد تم کبھی پیاسے ہوگے ہی نہیں، تو اب اس شربت کی فکر کرو، جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، دیکھو میری بات سمجھو، میں نہیں کہتا، بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ روزہ دار کو افطار کراؤ، اور خصوصیت سے اس بات کا لحاظ کیجیے کہ آپ نے یہ فضیلت کیوں ارشاد فرمائی، کیا اس لیے کہ افطاری کی دعوت میں فلاں سیٹھ اور فلاں سیٹھ کو بلالیں، جی نہیں! اس لیے نہیں کہا ہوگا محمد رسول اللہ ﷺ نے، وہ تو اس واسطے کہا ہوگا کہ جس آدمی کو یہ نعمتیں کم نصیب ہوتی ہیں، اسے بھی موقع مل جائے، اس کی بھی کچھ امداد واعانت ہوجائے؛ مگر ہم لوگ کیا کرتے ہیں، یہی نا کہ سیٹھوں کو دعوت دے دی، تاکہ وہ یہ سمجھیں کہ بڑا آدمی ہے، اور کہیں کہ فلاں کے یہاں افطاری کی دعوت ہے۔ بھائی! یہ افطاری کی دعوت نہیں ہے، یہ تو ایک تجارت ہے، بازاری معاملہ ہے، ایسے لوگوں کو ڈھونڈھو، جو بیچارے محتاج ہیں، انھیں کھلاؤ، اس طرح کے احکام میں غریبوں اور مسکینوں کی رعایت رکھی گئی ہے۔ دیکھو شروع شروع میں قربانی کے گوشت کے بارے میں حکم تھا کہ تین دن سے زیادہ اس کا گوشت نہ رکھا جائے۔ اس میں بھی یہی مصلحت تھی کہ جس قدر قربانی ہو، اس کا گوشت غرباء ومساکین میں تقسیم ہوجائے، تاکہ وہ لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھالیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ بس سترہ قربانی کردو، اور رشتہ داروں میں بانٹ دو، نہیں مقصد یہ ہے کہ جو لوگ محتاج ہیں، مسکین ہیں، ان تک بھی پہنچ جائے، شریعت کی ہر بات میں مصلحت ہوتی ہے، ان باتوں کو سمجھنا چاہیے۔

رمضان کی قدر دانی:

محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ مِنْ صِيَامِهٖ إِلَّا الظَّمَأُ، وَكَمْ مِنْ قَائِمٍ لَيْسَ مِنْ قِيَامِهٖ إِلَّا السَّهَرُ (۱)، کتنے روزہ دار ایسے ہیں جن کے روزے کا حاصل بھوک پیاس کے سوا کچھ نہیں ہے، یعنی بس بھوکے پیاسے رہیں اور کچھ نہیں ملے گا، اور کتنے رات کا قیام کرنے والے ایسے ہیں کہ سوائے آنکھ پھوڑنے کے انھیں کچھ حاصل نہیں۔ کیا سمجھے؟ ارے اگر تم نماز پڑھتے ہو، تراویح پڑھتے ہو، ذرا دھیان سے سنو کہ امام کیا پڑھتا ہے، اور پوری پابندی سے پڑھو، ایک رکعت بھی اس کی فوت نہ ہونے دو، شروع سے شریک ہو۔ یہ نہیں کہ گھر بیٹھے رہو، افطاری کرکے، کھانا کھا کے ٹھاٹھ سے بیٹھے ہوئے سوچ رہے ہیں کہ اب آٹھ رکعت ہوگئی ہوگی، تو اب اس کے بعد دوڑے دوڑے چلے آرہے ہیں، تو کچھ دیر وضو میں لگے گی، کچھ دیر اپنا فرض پڑھیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ہوتے ہواتے کل چار چھ رکعت مل جائے، بس تراویح ہوگئی، یہ کیسی تراویح ہے، یہ تو صرف اس لیے ہے کہ کوئی یہ نہ کہے کہ فلاں شخص تراویح نہیں پڑھتا۔

اور یہی حال روزے کا بھی ہے، کہ ہم جیسے بہت سے لوگوں کے روزوں کا حال وہی ہے کہ بھوکے پیاسے رہتے ہیں؛ لیکن اس کا جو مقصد ہے یعنی ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ کچھ اس پر نظر نہیں ڈالتے کہ کھانا اور پانی جو بالکل حلال ہے، جب اسے چھوڑنے کا حکم ہے، تو اس سے یہ درس ملتا ہے کہ جھوٹ بھی چھوڑ دیں، اس لیے کہ وہ حرام ہے، غیبت کرنا بھی چھوڑ دیں اس لیے کہ وہ حرام ہے، جب حلال چھڑوایا گیا تو ذرا اس کو بھی چھوڑو۔ بہتیرے آدمی ایسے ہیں جو سودی کاروبار کرتے ہیں، ان کو سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت حلال طیب کھانے سے روکا ہے، تو سودی کاروبار والی آمدنی تو ہمیشہ منع ہے، کچھ اس کا بھی سبق لینا چاہیے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ سب کو توفیق عطا فرمائے۔ ☆......☆......☆

(۱) سنن دارمی: ۲/ ۳۰۱

آدابِ زندگی و بندگی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهٗ، وَنَسْتَعِيْنُهٗ، وَنَسْتَغْفِرُهٗ، وَنُؤْمِنُ بِهٖ، وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، أَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا. أمابعد!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ،

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَّحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا حَتّٰى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهٗ وَبَلَغَ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِيْ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ، إِنِّيْ تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾

میں نے اس وقت سورۂ احقاف کی ایک آیت آپ کے سامنے پڑھی ہے، آج کی اس مجلس میں، میں تھوڑا بہت اس آیت کے باب میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، اس کے علاوہ میرا دل چاہتا ہے کہ چند اور آیتوں اور ان کے مضامین کی طرف آپ کو توجہ دلاؤں۔

مسائل سیکھنے کی ضرورت:

آیت کا مضمون شروع کرنے سے پہلے ایک آپ کے لیے مفید اور کام کی بات یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہم کو دین کے مسائل سیکھنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے، مسائل کا علم نہ ہونے کی وجہ سے بسا اوقات ہم محنت کرتے ہیں، کام کرتے ہیں، وقت صرف کرتے ہیں،

مگر وہ رائیگاں چلا جاتا ہے، بیکار ہوجاتا ہے۔ ایک بات یہی ہے مثلاً نماز جمعہ کی فضیلت پانے کے لیے، نماز جمعہ کا ثواب حاصل کرنے کے لیے جو شرطیں ہیں، ان شرطوں کا ہم میں سے بہت ہی کم لوگوں کو علم ہے، اور جن بعض لوگوں کو علم ہے اپنی لاپرواہی کی وجہ سے ان شرطوں کا وہ بھی اہتمام نہیں کرتے۔ میں نے اُس دن آپ کو بتایا تھا کہ منجملہ ان باتوں کے ایک بات یہ ہے کہ سویرے آنا چاہئے، خطبہ شروع ہونے سے پہلے پہنچنا چاہئے؛ منجملہ ان باتوں کے ایک بات یہ ہے کہ جیسے آویں اسی ترتیب سے بیٹھنا چاہئے، اس بات کی بالکل شریعت اجازت نہیں دیتی [کہ لوگوں کی گردنیں پھلانگ پھلانگ کر آئے] تو ایک جمعے سے دوسرے جمعے تک جو تمھارے گناہ ہوں گے ان گناہوں کے لیے جمعے کی نماز کفارہ بن جائے گی، وہ گناہ تمھارے معاف کردیے جائیں گے؛ مگر کب؟ ان میں کے شرط یہ ہیں کہ غَسَّلَ وَاغْتَسَلَ وَدَنَا وَأَنْصَتَ، یہ ہے کہ نہا کر آئے، سر میں ذرا خطمی وطمی مل کر سر صاف کر کے آئے، اور بکّر وابتکر سویرے آوے، اور فرمایا کہ نزدیک بیٹھے امام کے، اور فرمایا کہ خاموش رہے، چپکے رہے اور سنتا رہے اور دوسری بعض حدیثوں میں فرمایا کہ اور جو آدمی کہ لوگوں کی گردنیں پھلانگ پھلانگ کر آئے گا اس کا اجر میں کوئی حصہ نہیں ہے، جمعہ کا کوئی ثواب نہیں ملے گا اس کو۔ تو یہی میں کہتا ہوں کہ مسائل جاننے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

نوافل کا اِخفا افضل ہے:

اسی سلسلے میں مثلاً ایک بات اور بھی دیکھتا ہوں اکثر وبیشتر، کہ کچھ لوگوں کو اللہ رب العزت توفیق دیتا ہے اور صلوٰۃ التسبیح پڑھتے ہیں، پڑھنا چاہئے، ثواب کی بات ہے، بہت فضیلت ہے اس کی، لیکن ہر نفل نماز کا، بجز بعض مستثنیٰ نمازوں کے جیسے کہ تراویح کی نماز ہے یہ تو مستثنیٰ ہے، یہ تو علی الاعلان مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھی جائے گی، اور بھی بعض نفلیں مستثنیٰ ہیں، باقی نوافل کا حال یہ ہے کہ ان کو گھر میں پڑھنا چاہئے۔ جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نفل نماز گھر کے اندر زیادہ ثواب رکھتی ہے، اِس جامع مسجد میں اُتنا

ثواب نہ ملے گا تم کو جتنا کہ اپنے گھر پڑھنے سے ملتا ہے، تو اِس کی ضرورت ہے۔ بہت سے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ ٹھیک جمعہ کے دن اور بالکل منبر کے قریب کہیں بیچ کی جگہ میں پڑھتے ہیں، ایسی جگہ پڑھنا خطرے سے خالی نہیں ہے، شیطان دل میں وسوسہ پیدا کرسکتا ہے، ریاکاری کے مواقع فراہم کرسکتا ہے، پھر اس کے علاوہ اگر کہیں کونے میں پڑھو تو پڑھو، ورنہ اچھا تو یہ ہے کہ گھر میں پڑھنا چاہئے، یہ نوافل چاہے نماز ہو یا روزہ ہو یا زکوٰۃ ہو، ان سب کے اِخفاء میں فضیلت ہے۔ بہت مشہور حدیث ان سات آدمیوں کی جن کو اللہ رب العزت کے عرش کے سائے تلے جگہ ملے گی قیامت کے دن، بخاری ومسلم کی بہت مشہور حدیث ہے، اس حدیث میں ایک گروہ یا ایک شخص کا ذکر ہوا ہے: رَجُلٌ تَصَدَّقَ بِيَمِيْنِهٖ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَاتَعْلَمَ شِمَالُه مَاتُنْفِقُ يَمِيْنُه (۱)، فرمایا کہ عرش کے سائے میں جن لوگوں کو جگہ ملے گی ان میں ایک آدمی وہ بھی ہوگا، چاہے وہ ایک آدمی ہو یا ایک جماعت، سو (۱۰۰) ہوں یا ایک، جتنوں کو اللہ توفیق دے یہ کام کرنے کی، بہر حال ان کو بھی جگہ ملے گی، وہ کون ہیں فرمایا کہ صدقہ دیا اس نے اللہ کی راہ میں خیرات دی، مگر خیرات اس طرح دی کہ تَصَدَّقَ بِيَمِيْنِهٖ فَأَخْفَاهَا داہنے ہاتھ سے اس نے دیا اور خوب چھپا کے دیا، ایسا چھپایا کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ حَتّٰى لَاتَعْلَمَ شِمَالُه مَاتُنْفِقُ يَمِيْنُه یہاں تک چھپایا کہ بائیں کو بھی خبر نہیں ہوئی کہ داہنے ہاتھ نے کیا دیا۔ تو نوافل میں اِخفا افضل ہے۔

فرائض کو علی الاعلان ادا کرنا:

اور فرائض کے اندر ایک دفعہ اور بھی میں نے بتایا تھا کہ فرض زکوٰۃ کے اندر افضل یہی ہے کہ اعلان کے ساتھ دے۔ اور یہ اعلان کے ساتھ دینے میں ایک اور بھی بات ہے کہ جن لوگوں کے دل میں چور ہوتا ہے جو صرف جھوٹ موٹ کہہ دینا چاہتے ہیں کہ ہم زکوٰۃ دیتے ہیں ان کا بہانہ نہ چلے گا، اس میں اعلان ہے، فرض نماز کے لیے کوئی یہ نہیں کہہ دے

---
(۱) صحیح بخاری: باب الصدقة باليمين ۱۳۵۷/۷

کہ ہم تو گھر میں پڑھ لیتے ہیں، بالکل فرصت نہیں ہوگی، مسجد میں پڑھو جماعت کے ساتھ پڑھو، فرائض کی بات اور ہے نوافل کی بات اور ہے۔

آیت کا ترجمہ وتشریح (والدین کے ساتھ حسن سلوک):

باتیں شاید کچھ زیادہ کہنی ہوں، اس لیے میں یہ سلسلہ تو یہیں ختم کرتا ہوں، آیت کا ترجمہ سناتا ہوں۔ اس آیت میں اللہ رب العزت نے بظاہر کسی ایک متعین انسان کی زندگی کا نقشہ ہمارے سامنے رکھا ہے اور وہ زندگی بالکل اسلامی زندگی، پسندیدہ زندگی اللہ رب العزت کی محبوب زندگی، اور دوسرے لفظوں میں کہیے کہ وہی ایک مسلمان کی زندگی ہونا چاہیے؛ مگر بظاہر ایک خاص انسان کے اس تذکرے سے صرف اس کی تعریف مقصود نہیں ہے؛ بلکہ مقصود یہ ہے کہ ایسا ہی ہر مسلمان کو ہونا چاہیے، یہی ہر مسلمان کا شیوہ ہونا چاہیے۔ فرمایا اللہ رب العزت نے کہ ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا، ہم نے انسان کو بتاکید حکم دیا۔ جس کو وصیت کے لفظ سے اللہ رب العزت تعبیر فرماتا ہے، کہ بہت ہی تاکیدی حکم ہم نے انسان کو دیا ہے۔ کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرے، اور جو آیتیں قرآن پاک میں اس مضمون کی آئی ہیں میں وقتاً فوقتاً ان کی طرف اشارہ کر چکا ہوں اور اس سلسلے میں بتا چکا ہوں کہ شرک سے ممانعت کے بعد سب سے پہلا تاکیدی حکم قرآن پاک میں کئی جگہ ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا ہی حکم ہے۔ ﴿وَقَضٰی رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوْا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ ابھی کئی جمعے میں جو آیت میں نے پڑھی ہے اس میں تھا کہ ﴿أَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ یہاں فرمایا کہ ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا﴾ ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا تاکیدی حکم دیا، مؤکد حکم دیا ہے، فرض قرار دیا ہے، اختیاری حکم نہیں ہے، فرض ہے ہر لڑکے کے اوپر کہ وہ ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ بتا چکا ہوں کہ حتی کہ ماں یا باپ میں سے اگر کوئی کافر بھی ہو تو اس کے ساتھ بھی دنیا میں نیک سلوک کرنا فرض ہے، اللہ رب العزت نے

اپنے اس حکم کی کچھ حکمت اور بعض ایسے الفاظ ہمارے سامنے رکھے کہ ہمارے دل کو متاثر کرنا ہے کہ انسانیت کا یہ تقاضا ہے، صرف شرعی حکم ہی نہیں بلکہ انسانیت کا تقاضا ہے، انسانیت کا ضمیر اگر زندہ ہے تو اس کا ضمیر خود اسے واجب اور فرض قرار دے گا۔ کس چیز کو؟ اسی حکم کو اللہ نے فرمایا کہ ﴿حَمَلَتْهُ أُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا﴾ ہر انسان کو سوچنا چاہیے کہ اس کی ماں اس کو اپنے پیٹ میں لیے لیے پھری تکلیف اور مشقت کے ساتھ، نو مہینے تک پیٹ میں تم کو لیے لیے پھری، کتنی تکلیفیں اس نے برداشت کیں، کتنی کلفت اس کو ہوئی اور فرمایا کہ ﴿وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا﴾ اور اسی طرح تکلیف و مشقت کے ساتھ اس کو جنا، پیدا ہوا تو اس کی جان پر آبنی تھی، خطرہ تھا کہ اس کی جان نکل جائے گی، ایسی تکلیف اس نے برداشت کی، اگر کسی کے پہلو میں دل ہے اور انسانیت کا ضمیر اگر بیدار ہے تو اس بات کو سوچنے کے ساتھ ناممکن ہے کہ ماں کے ساتھ کوئی برا سلوک کر سکے، کہ جس ماں نے ہمارے لیے یہ تکلیف جھیلی اس کا ہمارے اوپر کتنا حق ہوگا۔ کسی نے جناب محمد رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اگر ماں کے ساتھ۔ بہت بڑی چیز کا نام لیا کہ۔ ایسا سلوک کر دیا جائے تو اس نے جو ہمارے لیے تکلیف جھیلی ہے اس کا بدلہ ہو جائے گا، تو کہا کہ ممکن ہے کہ ایک دفعہ جو اس کے ٹیس ہوئی تھی تمھارے پیدا ہونے میں شاید ایک دفعہ کا بدلہ ہو جائے تو ہو جائے اور وہ تو معلوم نہیں کے کے دن تک تڑپتی رہی، فرمایا کہ اور اسی پر بس نہیں، ﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ اس انسان کو اپنے پیٹ میں لیے رہنے کے وقت ایک لفظ بڑھا دوں کہ کم سے کم مدت اور پھر دودھ چھڑانے کی مدت ملا کے تیس مہینے تک جو ہے تمھارے لیے وہ اپنی جان کھپاتی رہی، اپنے بدن کا خون تم کو پلاتی رہی، یہ دودھ کیا ہے؟ یہی بدن میں جو خون اس کے پیدا ہوتا ہے غذا سے وہ دودھ بنتا ہے، تم اس کا خون چوستے رہے، تم اس کی غذا سے پرورش پاتے رہے، اور تمھاری وہ ہر طرح کی حفاظت اور نگرانی کرتی رہی۔ یہ احسان ہے ماں کا، یہ سلوک ہے ماں کا اپنی اولاد اپنے بچوں کے ساتھ، خیر! اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ ہم نے اس انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو کہا اور ماں کا

سلوک اسے یاد دلایا کہ یہ کیا، یہ کیا؛ بہر حال لڑکا پیدا ہوا، بڑھا، نشو ونما ہوئی اس کی، یہاں تک کہ جب وہ اپنی طاقت کو پہنچا، جب وہ مضبوط ہوگیا، اپنی اچھی عمر کو پہنچا، کہتے ہیں کہ مراد اس سے ۳۳ر سال ہیں، تو اللہ نے کہا کہ اس وقت سے لے کر چالیس کی عمر تک یہاں تک کہ وہ چالیس سال کا ہوگیا، تو چالیس سال کا ہونے کے بعد جب اس کی خوب عقل مکمل ہوئی ہے، سب چیز کا ہوش اس کو درست ہوگیا، پہلے بھی وہ کچھ برا نہیں تھا، مگر چالیس برس کا ہونے کے بعد اُس کو اِس بات کی فکر نہیں ہوئی کہ وہ بہت بڑا دولت مند ہوجائے، وہ بڑا مال دار ہوجائے، وہ بہت بڑا رئیس ہوجائے، وہ اعلیٰ درجہ کا زمیں دار ہوجائے، یہ سب فکر نہیں ہوئی اس کو، جب وہ چالیس سال کا ہوا ہے تو کہتے ہیں اللہ رب العزت کہ اس نے کہا ﴿وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ﴾ جب اس عمر کو پہنچا ہے، تو کہا اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمت کا شکریہ ادا کروں اور نہ صرف تیری وہ نعمت کہ جو میرے اوپر ہے؛ بلکہ اس نعمت کا بھی شکریہ ادا کروں جو تو نے میرے ماں باپ کے اوپر احسان کیا ہے، ان احسانوں کا بھی شکریہ میں ادا کروں، ﴿أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ﴾ یہ ہے، مسلمان کا بچہ ایسا بچہ ہونا چاہئے، مسلمان میں اس درجے کی انسانیت چاہئے، وہی انسان کامل کہلائے گا، وہی کامل مسلمان کہلائے گا، جس کا یہ حال ہو کہ جب وہ ہوش سنبھالے تو اس کو سب سے پہلے اس بات کا ہوش آنا چاہئے کہ اللہ نے اس کے اوپر بڑے احسانات کیے ہیں، اور اُس سے پہلے اس کے ماں باپ کے اوپر احسانات کیے ہیں، تو دونوں کا بدلہ چکانے کا، دونوں کا حق ادا کرنے کی فکر اسے ہونی چاہئے کہ میرے اوپر جو احسان ہوا ہے خدا کا، اس کا حق بھی ادا کروں اور میرے ماں باپ کے اوپر جو ہوا ہے، اس کا حق بھی ادا کروں۔

خوب غور سے سنو! اتنا ہی نہیں ہے کہ تم نے باپ کو دو وقت کھانا کھلا دیا، حق ادا ہوگیا، تمھارے اوپر فرض قرار دیتا ہے اللہ رب العزت کہ تم کو فکر ہونی چاہئے اس بات کی کہ

تم، تمھارے اوپر جو احسان ہوا ہے اس احسان کا بھی حق ادا کرو اور تمھارے ماں باپ کے اوپر جو ہوا ہے اس کا حق بھی ادا کرو، اور یہیں سے بات ختم نہیں ہوتی؛ بلکہ چالیس سال کا جب ہوگا تو اس کے خود بھی اولاد ہوگی، تو اللہ نے کہا کہ اپنی فکر، اپنے ماں باپ کی فکر اور اسی کے ساتھ ساتھ اس کی جو اولاد ہوئی اس کی بھی فکر ساتھ ساتھ ہے۔ ایک مسلمان آدمی کا یہ کام ہے کہ اپنے بھی خدا کا پسندیدہ، خدا کا فرماں بردار، دین کا پیرو اور متبع خود بھی بنے، اس کے ماں باپ بھی ایسے ہوں، اور اسی پیروی میں وہ اپنے ماں باپ کے حقوق اور ماں باپ پر اللہ کے جو حقوق ہوں، ان کو ادا کرے۔

اور تیسری چیز یہ ہے کہ ﴿وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ﴾ اس انسان نے یہ کہا کہ مجھے توفیق دے کہ میں اپنے اوپر جو انعام ہوا ہے اس کا شکر ادا کروں، جو میرے ماں باپ پر ہوا ہے اس کا حق ادا کروں، اور اس بات کی توفیق دے کہ میں ایسے کام کروں جسے تو پسند کرتا ہے۔ ایک مسلمان کی دلی خواہش یہ ہوتی ہے، وہ اللہ سے اس واسطے، اس مقصد کے لیے دست بدعا ہوتا ہے کہ خداوندا! ایسے کام ہم سے لیجئے، ایسے کاموں کی ہم کو توفیق دیجئے کہ جس سے آپ راضی ہوں، جسے آپ پسند کرتے ہوں، وہ اپنی پسند کا کام نہیں کرتا، یہ ہے اسلامی زندگی۔

اولاد کی اصلاح کی فکر:

اور اس کے بعد کہتے ہیں، اور وہ کیا کہتا ہے کہ ﴿وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي﴾ خداوندا! میرے لیے میری اولاد کے باب میں ٹھیک ٹھاک کر دے، میری اولاد بھی درست ہوجائے، میری اولاد بھی تیرے دین کے راستہ کے اوپر چلے، میری اولاد بھی اپنے باپ اور دادا کے طریق کار پر ہو، یہ فکر ہوتی ہے۔

بس اب آپ سوچئے کہ اگر اسی ڈھنگ پر ہماری زندگی ہے تو بے شک ہماری زندگی وہ زندگی ہے، جیسی زندگی قرآن نے ہم کو ہدایت کی ہے اختیار کرنے کی، جو قرآن اور قرآن کے نازل کرنے والے کے نزدیک پسندیدہ زندگی ہے، لیکن اگر ہماری زندگی اس

سے مختلف ہے، ہم کو کچھ فکر نہیں کہ اللہ نے جو احسانات ہم پر کیے ہیں اس کا ہم حق ادا کریں، ہمارے ماں باپ پر جو ہوا ہے اس کا حق ادا کریں، ہم کو کچھ فکر نہیں ہے کہ ہم اللہ کے پسندیدہ کام کریں، ہم کو کچھ فکر نہیں ہے کہ ہماری اولاد کی اصلاح ہو، تو یہ اسلامی زندگی نہیں ہے۔

آیت کا ترجمہ پورا کردوں۔ فرمایا اللہ رب العزت نے کہ پھر آخر میں وہ کہتا ہے کہ اے اللہ! میں تیری طرف رجوع ہوگیا، میں ہر چیز سے پھر کے بس تیرا ہوگیا، تیری طرف میں نے رجوع کرلیا ہے، کوئی اگر برے کام میں تھا بھی تو اس سے باز آگیا، اور اے اللہ! میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

تو اگر کوئی انسان ایسا ہوگا تو اللہ رب العزت کی جانب سے کیا معاملہ اس کے ساتھ ہوگا؟ اللہ رب العزت اس کے آگے فرماتے ہیں کہ ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا﴾ کہا کہ بس یہی لوگ ہیں، علماء کرام سے پوچھو کہ ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ﴾ یہ عنوان بیان اور یہ تعبیر حصر کے اوپر دلالت کرتی ہے کہ بس یہ لوگ ہیں، اسی طرح کے لوگ ہیں ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا﴾ کہ ہم قبول کریں گے ان سے اس بھلے کام کو جو انھوں نے کیا ہے، جو اچھے کام کیے ہیں ہم اسے قبول کرلیں گے۔ ﴿وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ﴾ اور ہم ان کے گناہوں سے درگزر کریں گے۔ یہ صورت پیدا کرو، یہ ڈھنگ اختیار کرو اللہ کہتا ہے کہ جو بھلے کام تم کروگے ہم قبول کرلیں گے، اور جو برائیاں تم سے ہوگئی ہیں تو اللہ کہتا ہے کہ ہم اس سے درگزر کریں گے، اور تمھارا شمار جنت والوں میں ہوگا۔

بس یہ مختصر سی بات، آیت کے اندر چوں کہ پوری بات مذکور ہے ساری زندگی پر حاوی ہے ہم کو ایک ڈھنگ جینے کا اللہ رب العزت نے بتادیا ہے، ہر پیدا ہونے والے کے سامنے ایک ہدایت نامہ اس نے رکھ دیا کہ یہ رنگ اختیار کرنا چاہئے اگر مسلمان بننا چاہتے ہو تب، اس بنا پر میں نے اس آیت کا ترجمہ آپ کے سامنے کیا ہے۔

کام وہ کرو جو اللہ کا پسندیدہ ہو:

اب آگے مجھے کہنا ہے کہ کوتاہی ہمارے اندر دونوں باتوں میں ہے، اور کوتاہی تو ہر بات میں ہے، ہم کو خود مطلقاً اس بات کی کوئی فکر نہیں ہوتی، عمر بھر میں بہتیرے لوگوں کو کبھی احساس بھی نہیں ہوتا ہے کہ اللہ کے کچھ انعامات ہماری ذات پر ہیں- ابھی ماں باپ کی بات چھوڑو- ان احسانات کا ہمیں حق ادا کرنا ہے۔ وہ حق یہ ہے کہ ہم اللہ رب العزت کی اطاعت وفرماں برداری کریں، اس کے حکم کے مطابق چلیں، پھر دوسرا درجہ جو ہے ماں باپ کے اوپر جو انعامات اللہ کے ہیں ان انعامات کا حق ادا کرنا ہے۔ اس سے تو بہت ہی زیادہ غفلت ہے، ماں باپ کو تو کچھ سمجھا ہی نہیں جاتا، ان کا کوئی حق ہی نہیں تصور کیا جاتا ہے اور ﴿أَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ﴾ کہ اللہ کا پسندیدہ کام کرنے کا کوئی اہتمام نہیں ہے۔ اپنے نفس کا پسندیدہ، یعنی جو دین کا ہم کام کرتے ہیں اس میں بھی ہم کو اس بات کی تلاش وجستجو نہیں ہوتی کہ یہ کام ہم کیسے کریں کہ اللہ کا پسندیدہ ہو، جی نہیں؛ بلکہ دین کا کام بھی ہم کریں گے تو ویسا جو ہم کو پسندیدہ ہے۔

نعی کی ممانعت:

مثال کے طور پر ایک بات بتاؤں میں آپ کو کہ مثلاً کوئی بڑا آدمی مرگیا، شریعت کے اندر (نعی) کی ممانعت آئی ہے، (نعی) کے معنی کسی کے مرنے کا اعلان کرنا ہے، ڈھنڈھورا پیٹنا ہے، دیکھئے بہت سے لوگ مرتے ہیں، بازار میں منادی ہوتی ہے کہ فلاں صاحب مرگئے، اللہ کا پسندیدہ تو نہیں ہے مگر ان کا پسندیدہ ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اتنا بڑا آدمی ہے کہ خوب تشہیر ہونی چاہئے، یہ ہونا چاہئے وہ ہونا چاہئے، بہرحال تمھارا پسندیدہ ہوگا مگر خدا کا پسندیدہ نہیں ہے۔

میت کو جلدی دفن کرنا:

یا مثال کے طور پر میں کہوں کہ بہت سے لوگ مثلاً پنج شنبہ کو مرجاتے ہیں شام کو، تو

اس کی لاش کو رکھے رہتے ہیں، رکھے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جمعہ میں لاتے ہیں، فقہ کی کتابوں میں دیکھو، ہرگز یہ ثواب کی بات نہیں ہے کہ ایک رات اور آدھا دن رکھ کر کہ اس کو جمعہ میں لے آکر نماز پڑھواؤ، ہزار آدمی دو ہزار آدمی پانچ ہزار آدمی پڑھیں گے بڑا ثواب ہوگا، ہرگز اس میں زیادہ ثواب نہیں ہے، ثواب اس میں ہے کہ جلد سے جلد اس کو دفن کرو، شامی اٹھا کر دیکھو منع کیا ہے کہ یہ نہ کرنا چاہئے۔ مگر ہمارا پسندیدہ یہ ہے کہ نہیں وہ تو جمعہ مسجد جائے گا، تو اپنے نفس کی بات اپنا پسندیدہ جو ہے اس کے اوپر چلتے ہیں۔

مسجد کا احترام:

مثال کے طور پر کہتا ہوں کہ تراویح ہے، بلا وجہ کا ہنگامہ نہیں ہونا چاہئے ختم کے دن، مسجد کا احترام ہونا چاہئے۔ مٹھائی بانٹنا کچھ ضروری نہیں ہے، مٹھائی بانٹو گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سارے بے نمازی اکٹھا ہو جائیں گے، بچے اکٹھا ہو جائیں گے، شور مچائیں گے، قرآن پاک کا سننا واجب ہے، قرآن کریم کے باب میں فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ جب قرآن پاک پڑھا جائے تو اس کا سننا واجب ہے، اس واجب میں خلل پڑے گا، مسجد کی بے حرمتی ہوگی؛ مگر لوگوں سے کہئے ہمارے مسلمانوں سے کہ ارے بھائی مت بانٹو مٹھائی، تو وہ کہیں گے کہ ہاں ہے تو مگر بڑا سونا رہے گا، یہ جواب ہے۔ یعنی یہ سونا نہ رہنا جو ہے یہ گویا اللہ رسول کا حکم ہے، وہی بات ہوئی نہ کہ اپنی پسند کا کام کرنا ہے ہم کو، اللہ کا پسندیدہ ہم کو نہیں کرنا ہے۔ اللہ کا پسندیدہ کیا ہے؟ اللہ کا پسندیدہ میں بتاتا ہوں، مسجد کی عظمت اور حرمت کو تم کیا سمجھو گے، مسجد نبوی میں دو آدمی ذرا اونچی آواز سے بات کر رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو بعض روایتوں میں ہے کہ ایک کنکری ان کے اوپر پھینکی اور پھر اشارے سے بلایا، یا کسی کو بھیج کر ان کو اپنے پاس بلایا، پوچھا کہ کہاں مکان ہے؟ ہمارے یہاں جیسے پوچھتے ہیں کہ بتائیے کہ آپ کا دولت خانہ کہاں ہے؟ تو انھوں نے کہا حضرت! ہم طائف کے رہنے والے ہیں، بہر حال مدینے کے باہر کا نام لیا۔ کہا کہ اچھا جاؤ، اگر تم مدینے کے رہنے والے

ہوتے تو میں تم کو ایسی سزا دیتا کہ تمھارا ہوش درست ہو جاتا؛ مگر تم تو طائف کے رہنے والے ہو، میں سمجھتا ہوں کہ اس مسجد کی حرمت اور اس کے آداب کا علم تم کو نہیں ہوگا، تم جاہل ہو، ناواقف ہو، اس ناواقفیت کی بنا پر چھوڑ دیتا ہوں، ورنہ تمھارا ہوش درست ہو جاتا ابھی، تم محمد رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں آواز بلند کر رہے ہو، زور زور سے باتیں کر رہے ہو۔ تو مسجد کا احترام یہ تھا، مگر ہمارے یہاں تو صاحب لڑکوں کا جی نہ دکھنا چاہئے، اور سناٹا نہ رہنا چاہئے، کچھ شور وغل کچھ ہنگامہ رہنا چاہئے، بس یہ ہے ہماری پسند اور یہی ہونا چاہئے۔

تو بہر حال میں گزارش کر رہا ہوں کہ اپنی پسند کے کام سے کچھ بھی نہیں ہوگا، رائگاں ہے اگر عبادت کا کام بھی تم نے کیا اور اپنی پسند سے کیا، بے کار ہے، کارگر اس وقت ہوگا، مفید اس وقت ہوگا کہ جب اللہ کی پسند کا ہو کہ ﴿أَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ﴾ کا مصداق ہوگا، تو بے شک اس کام کی قیمت ہے، اللہ رب العزت اس کا دام ادا کرے گا، اس کی قیمت ادا کرے گا، اس کا بدلہ دے گا، مگر تمھاری اپنی پسند کا کچھ بھی نہیں، کوئی شمار قطار کوئی حساب کتاب تمھاری پسند کا نہیں۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

اور اس سے زیادہ بڑی بات یہ ہے کہ لڑکے جو ہمارے قابو میں ہیں، لڑکے جو ہمارے اختیار میں ہیں، بالخصوص عمر کے ایک خاص حصے تک ایک محدود حصے تک بالکل ہمارے اختیار میں ہیں، ان کے بنانے میں اور ان کی اصلاح میں کسی حکومت اور کسی طاقت سے مدد لینے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم خود اصلاح یافتہ ہوں، ہم خود درست ہوں، اور اس درست ہونے کی قدر و قیمت پہچانتے ہوں کہ درست ہونا کتنا ضروری ہے اور وہ کیسی مفید چیز ہے، اور پھر بچوں کی درستگی کا اہتمام ہو، بغیر کسی سے مدد لیے ہوئے یہ کام آپ کر سکتے ہیں، محنت آپ کریں اور اللہ سے دعا کریں کہ ﴿أَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ﴾ اے اللہ! میری ذریت میں اصلاح فرمادے، میرے لیے ٹھیک ٹھاک ان

کو بنا دیجیے۔ کوئی اہتمام نہیں ہے، آپ کی آنکھ کے سامنے لڑکا گالی دے گا، بے راہ روی کرے گا، آپ جو ہے اغماض کریں گے، نظر بچائیں گے، قطعاً اجازت نہیں ہے اس بات کی۔ بچہ تو بچہ ہے غیروں کے ناجائز کاموں پر بھی حسب حیثیت نکیر یعنی روکنا ٹوکنا ضروری ہے مسلمانوں کے اوپر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک مستقل فریضۂ اسلامی ہے جو مسلمانوں کے اوپر عائد ہوتا ہے حسبِ مراتب، حسبِ مراتب کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان سے کوئی ناجائز فعل سرزد ہوتا ہوا اور تمھارا اس کے اوپر قابو ہو، ایسا کہ تم اس کو تھپڑ مار سکو تو تھپڑ مارنا واجب ہے؛ لیکن اگر نہ مار سکو اور زبان سے کہہ سکو تو زبان سے کہنا ضروری ہے، اور اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو، کہ زبان سے کہو تو تمھیں کو دو ڈنڈا مار دے گا کوئی، تب بھی منہ بگاڑ کے رہنا، دل میں اس سے نفرت کا پیدا ہونا، ناگواری کا ہونا یہ ضروری ہے اور اس کو فرمایا کہ یہ اضعف الایمان ہے، ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے، یہ فرمایا محمد رسول اللہ ﷺ نے کہ **مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ**(۱)۔

میں اولاد کی بات نہیں کر رہا ہوں، عام مسلمانوں کے ساتھ عام مسلمانوں کے باب میں بھی ہمارا یہ برتاؤ ہونا چاہیے، نہی عن المنکر کا فریضہ ہم کو ادا کرنا چاہیے۔ قرآن پاک پڑھو، قرآن پاک میں ایک جگہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ ﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ بہر حال! اللہ نے فرمایا کہ حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ کی زبان پر بنی اسرائیل کے منکر اور کافر لوگوں کے اوپر لعنت بھیجی گئی، اور لعنت بھیجی گئی تھی، تم سمجھو گے کہ وہ کافر تھے کفر پر بھیجی گئی، جی نہیں اس پر نہیں ہے، اللہ نے کہا کہ بات یہ تھی کہ ﴿ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ﴾ یہ اس لیے ان

(۱) صحیح مسلم: باب بیان کون النهي عن المنكر من الإيمان ۴۹/

کے اوپر لعنت بھیجی گئی، ان دونوں نبیوں کی زبان سے لعنت بھیجی اور بھجوائی گئی کہ ﴿ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ﴾ اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور اس لیے کہ وہ حد سے تجاوز کرتے تھے، اب بھی بات صاف نہیں ہوئی، صاف سنو، فرمایا کہ ﴿كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ﴾ ان کا حال یہ تھا کہ کوئی بری بات ہوتی تھی تو آپس میں ایک دوسرے کو روکتے نہ تھے، یہ شراب پی رہا ہے تو کوئی نہیں کہتا، وہ تاڑی پی رہا ہے تو کوئی نہیں بولتا، وہ جوا کھیل رہا ہے تو کوئی نہیں روکتا ہے، یہ گالی دے رہا ہے تو کوئی منع نہیں کرتا ہے۔ الغرض جب برائی ہوتی ہے تو کوئی ایک دوسرے کو روکتا نہیں۔ ﴿كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ﴾ اس بنا پر اللہ نے کہا کہ ان کے اوپر لعنت بھیجی گئی، تو جس حکم شرعی کے پس پشت ڈالنے کی وجہ سے بنی اسرائیل کے کسی طبقے، کسی فرقے اور کسی جماعت کے اوپر لعنت بھیجی گئی ہے۔ تم وہی کام کرو گے تو تمھارے اوپر لعنت نہیں بھیجی جائے گی؟ کیا وجہ ہے؟ سوچنا چاہیے نا ہم کو کہ جب یہ فعل موجب لعنت ہے تو جو بھی کرے گا وہ مستحق لعنت ہو جائے گا، چاہے وہ بنی اسرائیل میں کا ہو، چاہے وہ بنی اسماعیل میں کا ہو، چاہے ہم میں کا ہو، چاہے تم میں کا ہو۔

ایک اور مقام پر اللہ رب العزت نے فرمایا کہ ﴿وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۨاللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا﴾ اس کو میں پہلے بھی بتا چکا ہوں، بنی اسرائیل کے ایک گروہ اور ایک جماعت کا قصہ یہ تھا کہ اللہ رب العزت نے سنیچر کے دن مچھلی کا شکار کرنے سے منع کر دیا تھا، تو وہ لوگ ایسا کرتے تھے کہ سنیچر کو شکار تو نہیں کرتے تھے، مگر تدبیر ایسی کر دیتے تھے کہ جو مچھلیاں آئیں تو وہ رکی رہ جائیں، پھر اتوار کو جا کر کے شکار کر لیتے تھے، تو کہا گیا ہے کہ یہ تو وہی جعل سازی والی، بہانے بازی والی بات ہوئی، اصل تو اللہ رب العزت کا جو حکم تھا تم اس سے باز نہیں آئے۔ یہ بعض روایات کی بنا پر ہے، لیکن قرآن کریم کے الفاظ اس بات کو بھی بتاتے ہیں کہ وہ سنیچر ہی کو کر لیتے تھے، سنیچر کو بھی کر لیتے تھے۔ بہر حال اس وقت اس کی بحث نہیں ہے۔ میں گذارش یہ کرنا چاہتا ہوں کہ یہ

برائی ہوئی، تو اب اس میں تین قسم کے لوگ اس جماعت میں ہوئے: بعض لوگ تو وہ تھے کہ جو کہتے تھے کہ ارے بھئی! یہ کیا حرکت کرتے ہو تم لوگ، اللہ نے منع کیا ہے ایسا نہ کرنا چاہئے، کچھ لوگ تھے جو خاموش تھے، اور کچھ لوگ تھے جو بالکل موافقت کرتے تھے، تو جو لوگ منع کرتے تھے ان سے دوسروں نے کہا کہ ارے کاہے کو منع کرتے ہو ان کو۔ شاید وہ خاموش رہنے والے لوگ ہوں گے، موافقت کرنے والے تو ہو نہیں سکتے۔ ان کو کاہے کو منع کرنے جاتے ہو بلاوجہ، ان کے اوپر تو اللہ کا عذاب آنے والا ہی ہے، یہ تو ہلاک ہونے والے ہی ہیں اپنے اعمال کی بنا پر، کاہے کو ان کو منع کرتے ہو۔ یعنی کہنے کا مطلب یہ ہے کہ باز آنے والے نہیں ہیں، اور جب باز آنے والے نہیں ہیں یہ تو ہلاک ہو کر رہیں گے، اللہ رب العزت کا عذاب آ کر رہے گا، تو پھر فائدہ کیا؟ ﴿لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا﴾ دیکھئے اہتمام۔ انھوں نے کہا ٹھیک ہے، ہوگا ایسا، لیکن ہم کو بھی تو اللہ رب العزت کے یہاں جانا ہے نا، اللہ ہم سے بھی قیامت کے دن پوچھے گا کہ ٹھیک ہے یہ برا کام کر رہے تھے، تو تمہارے منھ سے کبھی یہ آواز نکلی کہ یہ کام برا ہے نہ کرنا چاہئے، تم نے منع کیوں نہیں کیا؟ چاہے مانتے یا نہ مانتے، تو فرمایا، ان لوگوں نے جواب دیا: ﴿قَالُوْا مَعْذِرَةً إِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ انھوں نے کہا کہ ارے بھائی! ہم ان سے کہتے ہیں اس لیے کہ اللہ میاں کے یہاں ہم کو بھی تو جواب دہی کرنی ہے، کچھ معذرت کرنی ہے، کہیں گے کہ اللہ ہم نے تو کہا تھا وہ نہ مانے، اور نہ کہیں گے تو ہم خود پکڑے جائیں گے، پھر مایوسی کی کوئی بات نہیں ہے، ارے ہو سکتا ہے کہ کہنے سننے سے دس مرتبہ بیس مرتبہ پچاس دفعہ سو دفعہ کہنے کے بعد کوئی باز ہی آ جائے، مایوس کیوں ہوتے ہو۔ بہر حال بات یہ ہو گئی، لیکن وہ لوگ ماننے والے نہیں، جب مانے نہیں تو اللہ رب العزت کا عذاب اس قوم کے اوپر آیا، تو اللہ رب العزت نے فرمایا کہ جو لوگ اس حرکت کے مرتکب ہوئے تھے، ان کو تو ہم نے سخت عذاب کے اندر گرفتار کیا، ان کے لیے تو نہایت ہی دردناک، نہایت سخت اور شدید عذاب

ہماری طرف سے آیا، اور اس کے بعد میں بتاؤں اور نجات کس نے پائی؟ نجات انھیں لوگوں نے پائی جنھوں نے منع کیا تھا، خاموش رہنے والے لوگوں کا کوئی ذکر نہیں ہے، تو دیکھئے! نجات اسی صورت میں ہے کہ برائی ہوتا دیکھے تو منع کرے، روکے۔ اور میں نے کہا کہ اور کسی پر ہمارا قابو نہیں چلتا ہو تو اپنی بیوی، اپنی بیٹی، اپنے بچے ان سب پر تو ہمارا قابو چلتا ہے، ان کو تو ہم بآسانی منع کر سکتے ہیں؛ اور اگر ہر آدمی اپنے ہی گھر کو سنبھال لے تو سارے گھر ٹھیک ہو جائیں گے، دوسروں سے کہنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

نہی عن المنکر کے آداب:

مگر اس کے ساتھ ساتھ میں کہتا ہوں کہ اس کے بھی آداب ہیں، نہی عن المنکر کے، نہ ہر آدمی نہی عن المنکر کی صلاحیت رکھتا ہے، نہ ہر آدمی منکر اور معروف میں تمیز رکھتا ہے، اس لیے جو نہیں وہ نہیں ٹوک سکتا ہے، اب ایک جاہل ایک عالم کو ٹوک دے، وہ کیا جانے، اس سے تو اور فتنہ پیدا ہوگا، پھر کہنے کے بھی سلیقے ہوتے ہیں، طریقہ ہوتا ہے، ایک کہنا ہے کہ جیسے اعتراض کے طور پر کہے، وہ ناگوار ہوتا ہے، ایک کہنا نصیحت اور خیر خواہی کی بنا پر، دل سوزی کی بنا پر ہوتا ہے، وہ ناگوار نہیں ہوتا ہے۔ تو بات کو خوب سمجھ لو کہ اعتراض کے طور پر طعن و تشنیع کے طور پر کہتے ہو، یہ ہر گز نہی عن المنکر نہیں ہے اور اس سے منع کیا جائے گا۔ اللہ رب العزت نے تو حضرت موسیٰ اور ہارون کو فرعون جیسے سرکش جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا، اس کے پاس بھیجا تھا تو کہا تھا کہ ﴿قُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا﴾ جاتے ہو اس کے پاس مگر اس سے نرم بات کرنا۔

اب ہمارے یہاں کیا ہوتا ہے؟ اب بہت سے مقتدی امام کو ٹوک دیں گے، مسئلہ کچھ نہیں جانتے، مسئلہ کو کچھ نہیں جانتے پہچانتے کہ یہ کیا ہے کیا نہیں، مگر خواہ مخواہ کے لیے ٹوک دیں گے، کیوں کہ یہ ان کے معہود ان کے جانے پہچانے راستے کے یا بات کے خلاف ہے۔ تم کو شریعت کی پوری باتوں کا علم ہے جو خواہ مخواہ معترض ہوتے ہو؟ اس سلسلے میں ایک بات عرض کروں، ابھی ہمارے امام صاحب نے اعلان میں کہا کہ دیکھئے ٹھیک وقت پر آئیے

تا کہ شکوہ شکایت کا موقع نہ رہے، شکوہ شکایت کیا چیز ہے جی؟ یہ شکوہ شکایت کی کب تک پرواہ کرتے رہو گے لوگوں کی؟ دیکھئے مسئلہ یہ ہے کہ عید کی نماز بہت سویرے پڑھنی چاہیئے، ایک نیزے کے برابر آفتاب بلند ہو جائے تو افضل یہ ہے کہ ٹھیک اسی وقت پڑھ لینا چاہیئے، جو آج کل میں تو آپ سے کہتا ہوں آج کل بقدر ایک نیزے کے تقریباً بلند ہو جاتا ہے سوا چھ تک، افضل یہ ہے کہ سوا چھ، چھ بیس، چھ پچیس تک پڑھ لی جائے، بات آگئی ہے تو عرض کرتا ہوں۔.........................۔

اچھا میں تم سے کہتا ہوں کہ مگر ہمارے ہی سامنے یہ سب رکاوٹیں اور یہ سب دقتیں ہیں، ابھی ایک سال درمیان والا گذشتہ سال چھوڑ کر اس سے پہلے رمضان کے آخری حصہ میں یہ ناچیز مدینہ منورہ میں حاضر تھا، اور اس نے عید کی نماز مسجد نبوی کے سامنے پڑھی، تو اپنی آنکھ سے دیکھی ہوئی بات کہتا ہوں کہ لوگ فجر سے بہت پہلے بس یہ نیت کر کے گئے کہ فجر پڑھیں گے اور وہیں بیٹھے رہیں گے اور عید کی نماز پڑھ کر آویں گے اور جو لوگ فجر کے بعد گئے ان کو مسجد نبوی کے اندر- جو حج کرنے گئے ہیں وہ جانتے ہیں کہ کتنی وسیع مسجد ہے مگر اندر- جگہ نہیں ملی، تو مسجد کے بعد کا جو حصہ ہے اس میں جو ہے صفیں لگانا شروع کیا لوگوں نے، ابھی آفتاب چھپا ہوا تھا، نظر نہیں آرہا تھا، لیکن روشنی سے معلوم ہوتا تھا کہ طلوع ہو گیا، تو اس وقت تک جتنی سڑکیں تھیں اس کے سامنے کی وہ سب کی سب بھر گئیں، مثلاً سمجھو کہ یہاں سے لے کر کٹرے کے باہر تک صف لگ گئی۔ کیسے وہ لوگ چلے آئے؟ ہم نہیں تیار ہو سکتے، مدینہ منورہ کے لوگ کیسے تیار ہو گئے، ہمارے یہاں یہ ہے کہ ارے صاحب! کیسے آویں گے؟ بہت دور دور سے آنا رہتا ہے، یہ سب حیلے ہیں، یہ بہانے ہیں۔

حاصل کیا ہے میرے کہنے کا؟ مطلب یہ ہے کہ میں پھر ایک بار کہوں گا کہ جو چیز محمد رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی ہو، اور ان کی لائی ہوئی شریعت کی چیز جان کر ہم ادا کرتے ہیں، تو پوری کوشش کرنی چاہیئے اس بات کی کہ جس طرح انھوں نے کیا ہے یا کرنے کو کہا ہے، ویسا کرنا

ہے، تکلیف برداشت کرو، مشقت اٹھاؤ، سویرے جاگو، انتظام کرو، مگر اللہ کے لیے ایک مرتبہ تو سنت وقت کے اوپر پڑھ لو، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تو بس فجر کی نماز پڑھنے جاتے تھے تو آتے نہیں تھے، بڑے لوگ تھے وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، مگر آج تو مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ بن عمر نہیں بستے، مدینے کے رہنے والوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ بس دن نکلا، ذرا بلند ہوا، اس وقت نماز ہو جاتی ہے، اور یہ سنی سنائی نہیں، آنکھ کی دیکھی ہوئی بات میں کرتا ہوں۔

کامیابی سنت کے مطابق کام کرنے میں ہے:

دیکھو! محمد رسول اللہ کے طریقہ کے اوپر چلو گے، جبھی کامیابی ہوگی، اور وہی اصل چیز ہے، وہی صحیح راستہ ہے، جتنا ان کی سنت کے ساتھ تمسک کرو گے اسی قدر ہماری اس میں بھلائی ہے، خیر ہے، برکت ہے، جو کچھ کہو سب ٹھیک ہے۔ یہ ہم لوگ اپنی طرف سے کہ فلاں جگہ جو ہے دس منٹ بیس منٹ پہلے ہوگی، فلاں جگہ بعد ہوگی، یہ صرف ہماری کوتاہی اور کاہلی کی وجہ سے ہے، اگر ہم شریعت کے پورے پابند ہوتے تو ایک وقت کے اوپر ہر جگہ نماز ہو سکتی تھی، مگر ابھی جو ہے دس پانچ منٹ آگے پیچھے ہوتی ہے نا، ایک سال جو ایک وقت پر ہو جائے تو دس آدمی کہنے لگیں گے اوہ! ہمیشہ تو پندرہ منٹ پہلے پیچھے ہوتی تھی، اب کی مرتبہ نہ جانے کیا ہو گیا، یہ کوئی اعتراض کی بات ہے؟ کوئی شرعی حکم ہے؟ ایسی صورت میں تو کبھی کبھی ایک دفعہ ہونا چاہیئے تا کہ آئندہ تم کو اعتراض کا موقع نہ ہو، تم اس کو شریعت کی بات نہ سمجھ جاؤ۔

تربیتِ اولاد:

بہر حال تو گزارش یہ کر رہا تھا میں کہ ہم تو اس بات کے مامور ہیں کہ عام مسلمان بھائی بھی کسی برائی میں مبتلا ہے تو اس کو خیر خواہی کے جذبے سے نرمی کے ساتھ تعلیم کے لیے اور بتانے کے طریقے پر اس برائی کو روکے منع کرے؛ اعتراض کے طور پر نہیں، لاٹھی مار کر نہیں۔ پھر اپنی اولاد وہ تو اس باب میں سب سے زیادہ اقدم ہے، سب سے زیادہ حق رکھتی

ہے، اس بات کا کہ تم اس کو روکو، اس لیے کہ اللہ رب العزت نے جس طرح سے ہمیں حکم دیا ہے کہ اپنے کو جہنم کی آگ سے بچائیں، دوسرا حکم یہ دیا ہے کہ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا اپنے گھر کے لوگوں کو، بیوی بچے ان کو بھی جہنم کی آگ سے بچاؤ، اور اس معاملے میں شریعت کا تشدد دیکھنا چاہتے ہو کہ کتنا یہ اہم حکم ہے تو قرآن پڑھو، حدیث پڑھو، تو سمجھ میں آوے گا کہ کتنی اہم بات ہے یہ۔ ایک بات میں آپ کو بتاؤں؟ ہم پر یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ ہم اپنی اولاد کو شریعت کا متبع بنائیں، پابند شریعت ان کو بنائیں، جس طرح سے بھی ممکن ہو حتی کہ مار کر بھی، نماز کے باب میں بار بار سن چکے ہو [کہ جب وہ سات برس کے ہو جائیں تو ان کو نماز کا حکم دو] اور فرمایا کہ جب دس برس کے ہو جائیں تو مار کر پڑھواؤ، اس سے پہلے میں کہہ چکا ہوں کہ حدیث میں آیا ہے کہ لا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ أَدَبًا، کہ ان کو ادب دینے کے لیے ہر وقت ڈنڈا گویا ان کے سر پر لیے مسلط رہو، اٹھا کے نہ رکھو، تو مار مار کر ان کو ٹھیک کرنے اور ان کو شریعت کا پابند بنانے کا ہم کو حکم دیا گیا۔ اور اگر وہ اس پر بھی شریعت کے پابند نہ بنیں تو پھر کیا کہا گیا ہے؟ کیا حکم دیا گیا ہے؟ اس کو معلوم کرنا چاہتے ہو تو دو چار لفظ اس کو بھی سن لو:

سب سے پہلے قرآن کریم کی طرف رجوع کرو، قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے حضرت نوحؑ اور ان کے طوفان کا واقعہ جہاں بیان کیا ہے، تو وہاں یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے جب ان کو کشتی بنانے کا حکم دیا اور ان کو بتایا کہ طوفان آئے گا، تو اللہ نے بتایا کہ بس وہ طوفان آئے گا اور کوئی شخص اس سے بچے گا نہیں، مگر تمھارے لوگ، تمھارے گھر کے آدمی بس وہ بچیں گے، اور جو ایمان لائے ہیں وہ بچیں گے، بس اور کوئی بچے وچے گا نہیں، پانی سب کو ڈبو دے گا، سارا عالم تہ و بالا ہو جائے گا، سب کے سب ختم ہو جائیں گے، نئے سرے سے اب دنیا آباد ہوگی، اتنا سخت عذاب آنے والا تھا، اس کو اللہ رب العزت نے بتایا، حضرت نوح کو آگاہ کیا، جب عذاب آیا ہے، طوفان آیا ہے، تو حضرت نوح کا ایک لڑکا تھا، محبت پدری نے مجبور کیا حضرت نوح علیہ السلام کو، نبی تھے اور بڑے درجے کے نبی تھے، اللہ

رب العزت نے قرآن میں فرمایا کہ ﴿ وَنَادَى نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي ﴾ جب طوفان آ گیا اور حضرت نوح نے دیکھا کہ اب کوئی نہیں بچے گا اور لڑکا تھا ان کا نافرمان، سرکش، منکر، دیکھا کہ یہ بھی ہلاک ہو جائے گا، برباد ہو جائے گا، تو محض محبت پدری میں اللہ رب العزت سے انھوں نے دعا کی، اللہ کہتا ہے کہ نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ ﴿ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي ﴾ اے میرے پروردگار! میرا لڑکا بھی تو میرے اہل میں سے ہے، وہاں جب کہا تھا کہ عذاب آئے گا، کوئی نہیں بچے گا؛ مگر تمھارے اہل، تمھارے گھر کے لوگ، تو انھوں نے یاد دلایا کہ خداوندا! یہ بھی تو میرا ہی لڑکا ہے، میرا اہل ہے نا۔ بس اتنا ہی کہتے ہیں اور کچھ نہیں کہتے ہیں، کہ یہ میرا لڑکا میرے اہل سے ہے اور اس کے بعد یہ بھی انھوں نے فرمایا کہ بہر حال تو احکم الحاکمین ہے، تو جو حکم دے گا وہ سب مسلَّم ہے، سرتابی کی مجال کس کو ہے۔ تو آج سن لیجئے کہ اللہ رب العزت نے حضرت نوح کو بہت سرزنش فرمائی، بہت گویا ڈانٹا، منع کیا اور کہا کہ ﴿ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ﴾ تم اسے اپنا کہتے ہو، اپنے اہل اور اپنی اولاد قرار دیتے ہو، وہ تمھاری اولاد نہیں ہے اور صاف بتا دیا کیوں نہیں ہے ﴿ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ﴾ اس نے اچھا کام نہیں کیا ہے، جب اچھا کام نہیں ہے تو وہ نبی کی اولاد تھوڑا ہی ہے، نبی کی اولاد ہوتا تو اچھا کام کرتا، تو کچھ اس کے نسب کی نفی نہیں منظور ہے، نسبی رشتہ مسلَّم، آپ کا نسب اس سے قائم سہی؛ لیکن آپ کے طریقے پر نہیں ہے تو وہ آپ کی اولاد نہیں ہے۔ اور اللہ رب العزت نے اتنے پر بس نہیں کیا؛ بلکہ ناخوشی میں سرزنش فرمایا کہ ﴿ لَا تَسْأَلْنِي بِمَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ﴾ جس چیز کا تمھیں علم نہ ہو، اسے مانگا مت کرو، مانگو نہیں ہم سے، اور آگے، بہت سخت لفظوں میں فرمایا کہ ﴿ إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴾ نوح! میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں سے نہ بنو۔

دیکھئے! کتنی شدید وعید ہے، محبت پدری میں اپنے غیر صالح لڑکے کے لیے انھوں نے دعا کر دی تھی، تو اللہ رب العزت کی طرف سے اتنی ڈانٹ ڈپٹ ہوئی۔ آج ہمارا حال

یہ ہے کہ ہم اللہ ورسول کے ماننے والے ہیں، ہم قرآن وحدیث پڑھتے ہیں، ہم فقہ کے اوپر عمل کرتے ہیں؛ مگر کچھ نہیں، کوئی ناگواری ہم کو نہیں ہے، کوئی اس کی اصلاح کی ہم کو فکر نہیں ہے۔ یعنی گویا اللہ رب العزت نوحؑ کے علاوہ کوئی دوسرا معاملہ کرے گا ہم سے، ہم کو اللہ نے گویا مستثنیٰ کردیا ہے، نوحؑ نے کہا تھا اتنا تو وہ ڈانٹے جانے کے قابل تھے، اور ہم برابر انھیں کے ساتھ ہلیں ملیں رہیں، کچھ پروا کی بات نہیں ہے۔

حدیث یاد رکھنی چاہئے، صاف صریح مشکوٰۃ کے اندر اور دوسری کتابوں کے اندر موجود ہے کہ بنی اسرائیل جب گناہ میں ملوث ہوئے تو کچھ لوگوں نے ان کو منع کیا، بہت منع وتع کرکے دیکھ لیا، نہیں مانے تو پھر انھیں کے ساتھ حدیث میں آیا ہے کہ انھیں کے ساتھ کھاتے رہے، پیتے رہے، کوئی پرہیز نہیں کیا ان سے، تو جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب عذاب آیا تو یہ بالکل نہیں بچے، سب کے سب ایک ساتھ اس عذاب میں گرفتار ہوئے۔

عزیز بھائیو! اگر آپ اس بات کی طرف توجہ نہ کریں گے، اپنی اولاد کی اصلاح کی طرف، تو زمانہ بہت تیزی سے گراوٹ کی طرف جارہا ہے، بالکل ہلاکت اور بربادی کے گڈھے کے کنارے آکھڑا ہوا ہے، اگر پروا نہ کروگے، اہتمام نہ کروگے، تو معلوم نہیں آئندہ نسل ہماری کیا ہوگی، وہ اسلام کے دائرے میں بھی رہے گی یا نہ رہے گی، ابھی تک آخر بظاہر صورت مسلمان کی بنائے ہوئے ہیں؛ لیکن اسلام کے ساتھ اور احکام اسلام کے ساتھ جو تمسخر ہمارے لونڈے کرتے ہیں، سنوگے تو برداشت نہیں کرسکوگے، اور جب تک توجہ نہ کروگے ان کی طرف، تو یہ برائی اور بڑھتی ہی چلی جائے گی، خاموش رہنے سے کام نہ چلے گا، حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کا واقعہ ابوداؤد اور مسلم وغیرہ میں ہے کہ انھوں نے اپنے ایک لڑکے کو ایک حدیث سنائی کہ حضرت نے یہ فرمایا ہے، تو کچھ دنیاوی مصالح کے پیش نظر لڑکے نے یہ کہا کہ نہیں صاحب! ہم تو یہ نہیں یہ کریں گے، بس گرم ہوگئے،

انھوں نے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ حضرت نے یہ فرمایا ہے اور تو کہتا ہے کہ ہم ایسا کریں گے اس کے خلاف، تو انھوں نے کہا کہ بس اب آج سے تیری میری بات چیت بند، حدیث کے اندر مذکور ہے کہ زندگی بھر اس لڑکے سے نہیں بولے۔

انھیں صحاح کی حدیثوں کے اندر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا، ان کا لڑکا نہیں دوسرے کسی کا لڑکا تھا، دیکھا لڑکے کھیل کھیلتے ہیں، کوئی ٹھیکری کوئی کنکری لے کر دو انگلیوں کے بیچ میں اس طرح سے پھینکتے ہیں، اس طرح پھینکنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی سامنے بیٹھا ہوگا، آنکھ میں لگ جائے گی، چلی جائے گی، یہ یا اسی طرح کا کام ہوگا، اس سے کسی دشمن کی جان تو جائے گی نہیں، تو نہایت بیہودہ یہ کام ہے، تو انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے خذف سے منع کیا ہے، اس طرح کنکری اور ٹھیکری پھینکنے سے منع فرمایا ہے، تو وہ خاموش رہا، کچھ بولا نہیں، ایک اور موقع کے اوپر دو دن چار دن کے بعد دیکھا کہ پھر وہی آدمی وہی حرکت کررہا ہے، تو پھر بہت ہی ڈانٹا انھوں نے، کہا کہ میں محمد رسول اللہ کی حدیث سناتا ہوں تم کو پھر تم لوٹ کر کے اس کی خلاف ورزی کرتے ہو، کہا کہ میں تم سے بات نہیں کرتا، بند کردیا اس سے بات کرنا۔

آنحضور سرور عالم ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے ایک بیوی ہیں، جن سے آنحضرت ﷺ نے غالباً تحریک فرمائی کہ صفیہ کو کچھ دے دو، کسی چیز کی ضرورت تھی، تو آپ نے تحریک فرمائی کہ صفیہ کو یہ چیز دے دینی چاہئے۔ سوکنوں میں آپس میں جو لاگ ڈانٹ ہوتی ہے، جتنی رنجش اور کشاکش ہوتی ہے خوب سمجھتے ہو، بس انھوں نے کہا کہ واہ! یہ میری جو سوت ہے اس کے لیے کہہ رہے ہیں، تو کہا کہ میں اس یہودی عورت کو دوں گی؟ وہ (صفیہ رضی اللہ عنہا) اصل میں نسلاً یہودی تھیں، خود نہیں یہودی تھیں، مسلمان ہوگئی تھیں، ان کا باپ یہودی تھا، تو انھوں نے کہا کہ میں اس یہودی عورت کو دوں گی؟ تو آنحضرت ﷺ نے مہینے یا دو مہینے تک بات نہیں کی بیوی سے۔

تو میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جو شریعت نے ہم کو طریقہ بتایا ہے، ناراض ہو کر، ڈانٹ کر، مار کر جس طرح سے بھی ہو اپنی اولاد کی اصلاح کرنی چاہیئے. نہ اصلاح کرنے میں آپ کی عزت جائے گی، آپ کا نام مٹے گا اور سب سے زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ اسلام کو صدمہ پہنچے گا، اسلام اپنے حال میں باقی نہ رہے گا۔ سب سے زیادہ قابل رحم بات یہ ہے۔

لڑکیوں کی تعلیم کے لیے قیود وشرائط:

اس میں لڑکیاں اور لڑکے دونوں برابر ہیں، ہمارے مسلمان ٔ لڑکیوں کی تعلیم کی طرف بہت متوجہ ہیں، دیکھئے میں آپ کو بتاتا ہوں کہ انگریزی تعلیم کی تو بات چھوڑ دیجئے، عربی تعلیم، قرآن پاک کی تعلیم کو میں کہتا ہوں، کھلم کھلا صاف صاف، کہ قرآن پاک کی تعلیم اپنی لڑکیوں کو اپنے گھر سے باہر کسی مدرسہ میں بھیج کر کرانا اسی وقت جائز ہوگا کہ جب اگر وہ لڑکیاں سیانی ہیں تو نامحرم کو ان کے سامنے نہ ہونا پڑے، ان کے بدن کا وہ حصہ جو کسی نامحرم کو دیکھنا حرام ہے وہ دیکھے نہیں، جیسے سر کے بال، عموماً آج کل لڑکیاں ہم کو اسکولوں میں جاتے ہوئے عموماً غیر مسلموں کی نظر آتی ہوں گی؛ مگر کیا پرواہ ہم نے شہروں میں تو مسلمان لڑکیوں کو بھی دیکھا ہے، تو اوڑھنی بھی اگر ان کے اوپر ہے تو گردن میں یوں لپیٹ لیا، سارا سر کھلا ہوا ہے، بالکل حرام ہے، بال کا دیکھنا، ایسا کپڑا پہننا کہ جس سے انسانی عضو کی نمائش ہوتی ہو، ڈھیلا ڈھیلا کرتا مثلاً پہننا چاہیئے۔ ڈھیلا ڈھالا پائجامہ پہننا چاہیئے کہ جس سے ساق اور ران کی موٹائی نامحرم عورت کی نہ ظاہر ہونے پائے، اسی طرح بدن کے اور کسی حصے کی نمائش نہ ہوتی ہو۔

یہ تو کپڑے لتے کے باب میں ہے اس سے پہلے میں کہہ چکا ہوں کہ بہت سی اوڑھنیاں جو آج کل خریدی جاتی ہیں، عید کے موقع کے اوپر، موقع ہے میں کہہ ہی دیتا ہوں کہ اس سے اگر بال نظر آتا ہے اور گھر میں نامحرم لوگ بھی ہیں تو بالکل حرام ہے ایسے کپڑے کا استعمال۔ تو اگر یہ انتظام نہیں کر سکتے ہو، تو میں کہتا ہوں کہ جوان لڑکی کو گھر سے باہر بھیج کر

اس بے احتیاطی کے ساتھ قرآن پڑھوانے کی بھی اجازت نہیں ہے، گھر میں انتظام کرو۔ پھر ایک ہی شرط نہیں ہے، نامحرموں سے ان کا سابقہ نہ ہو، ان کے بدن کے کسی حصہ کی نامحرموں کے سامنے نمائش نہ ہوتی ہو، پڑھانے والی جو ہوں ان کو میں کہتا ہوں عورتوں کے حق میں تو لازمی ہے کہ ان کو مسلمہ ہونا چاہیئے، اور مسلمہ نہیں ہونا چاہیئے پابند شریعت ہونا چاہیئے، نہ ہوگا تو اس کے برے انجام دیکھتے رہوگے، ہر سال دیکھوگے کہ کیا کیا برا نتیجہ اس کا نکلتا ہے، اور چہ جائیکہ دین نہیں بلکہ دنیا اور انگریزی کی تعلیم کے لیے بھیج دو کہ جہاں جاتی ہیں تو اسکول میں جانے والوں سے پوچھو کہ ان کو ناچنا بھی سکھایا جاتا ہے۔ مسلمان کہاں جائے گا، ایک عیسائی کرتا ہے، ایک پارسی کرتا ہے، ایک یہودی کرتا ہے، ایک ہندو کرتا ہے، کرنے دو، تم کو اپنی شریعت کی حدود میں رہنا تمھارے لیے لازمی ہے۔

دین کی ہو یا دنیا کی تعلیم، تم لڑکیوں یا لڑکوں کو اسی طرح سے دینے کے مکلّف ہو، اسی طرح سے دینے کی تم کو اجازت ہے کہ جس طرح سے شریعت نے بتلایا ہے، جب کہ وہ شریعت کے حدود کے اندر رہو، حدود سے باہر کی اجازت نہیں ہے بالکل، باقی یہ ہے کہ ایسا نہ کرنے سے دوسری قومیں ترقی کر جائیں گی، ہم پیچھے رہ جائیں گے، تو میں اس کا قائل نہیں، اس کا نام اسلام میں ترقی نہیں ہے، وہ ترقی کرتی ہیں کریں، وہ آفسوں میں جا کر کلرک بنتی ہیں تو بنیں، وہ غیر مردوں میں اکیلی ایک عورت آفس میں بیٹھ کر رہتی ہے تو رہے، شریعت میں تو بالکل اجازت نہیں ہے، شریعت میں قطعاً اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ ایک عورت سے ایک مرد تنہائی میں بات کرے، یعنی میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حرام کاری کے لیے نہیں، ویسے ضرورت کے کام کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ ایک اجنبی مرد ایک اجنبی عورت سے تنہائی میں ملے، ضروری ہے کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم ہو تب بات کرے۔

تو ان حدود اور ان پابندیوں کے ساتھ اگر ہم انتظام کرتے ہیں، میری بات خوب سمجھ لیجئے! کہ اسلام سب سے مقدم ہے، اگر اسلام ہم نے کھو دیا، ہمارے ہاتھ سے چلا گیا

اورتعلیم ہمارے پاس ہوگئی تولعنت ہے اس تعلیم کے اوپر،لیکن اسلام کوسینے سے لگا کرہم نے
کوئی بھی دینی یا دنیوی علم حاصل کیا تو علی الراس والعین ؛مگر اسلام ہمارے ہاتھ سے نہ
جانے پائے، اسلامی عزت برباد نہ ہو، دین اور ایمان مخدوش نہ ہو، یہ لازمی ہے، ایسا کرنا
ضروری ہے، اور میں یہ جو کچھ عرض کررہا ہوں، نہ کوئی حکم لگاتا ہوں، نہ کوئی فیصلہ نافذ
کرتا ہوں، اللہ رسولؐ کے جو احکام ہیں وہ تم کو سناتا ہوں، ان کا ایک ڈھنڈھورچی سمجھ کر
میری یہ بات سنو، میرا کوئی حکم نہیں ہے، نہ میں کسی حکم کے قابل ہوں، اللہ رب العزت اور
رسول کریم ﷺ اور اسلام کے حکم کی اگر عظمت اور وقعت ہے اور اس کو واجب التسلیم سمجھتے
ہوتو اس کو مانو، باقی میری ذات کو نظر انداز کردو، میری بات کچھ نہیں، میری ایک بات بھی نہ
مانو؛ لیکن اگر میری بات اللہ کی بات ہے، اللہ کے رسول کی بات ہے، دین کی بات ہے تو
فرض ہے تمھارا، ہمارا اور سب کا کہ اس کے اوپر چلیں اور اس کو مانیں۔

بس یہ چند ضروری باتیں جو اس وقت میرے ذہن میں تھیں، یہ آخری جمعہ تھا،
زیادہ لوگ تھے، میں نے چاہا کہ یہ ضروری دین کی باتیں آپ تک پہنچا کر میں کچھ سبکدوشی
حاصل کروں اور وہی بات کہتا ہوں کہ ﴿مَعْذِرَةً إِلٰى رَبِّكُمْ﴾ میں یہ اس لیے کہتا ہوں
کہ اللہ کے یہاں جاؤں اور اللہ یہ سوال کرے کہ تو یہ دیکھتا تھا تو تیرا منہ نہیں کھلا، تو نے یہ
نہیں کہا، تو میں اللہ کے یہاں پر عذر کرسکوں کہ خداوندا! میں نے تو بات پہنچادی۔ اب
آگے آپ جانئے اور آپ کا کام جانے، آگے جواب دہی تنہا آپ کو ہے اللہ رب العزت
کے سامنے کرنی۔

آخرت کی فکر کرو!:

آخر میں میں کہتا ہوں کہ چار دن رمضان مبارک کے رہ گئے ہیں، میں آپ سے
کہتا ہوں کہ دنیا کا مال و دولت، دنیا کی عزت اور دنیا کی کوئی چیز کوئی حقیقت نہیں رکھتی ہے، یہ
بڑے بڑے لکھ پتی اور کروڑ پتی جو تمھارے قصبے میں اور قصبے کے باہر ہیں، ابھی آنکھ بند

ہوجائے ان کی یہ دولت کس کام آئے گی؟ آنکھ بند ہونے کے بعد تو فرشتہ آئے گا تو یہی
پوچھے گا کہ تیرا دین کیا ہے؟ اللہ کے یہاں جاؤ گے تو اللہ یہی پوچھے گا کہ کیا لائے ہوکر کے؟
نماز پڑھی ہے؟ روزہ رکھا ہے؟ وہ یہ ہرگز نہیں پوچھے گا کہ ایک کروڑ کمایا تھا کہ دو کروڑ کمایا تھا؟
کام آنے والی یہ چیز ہے، اس کا انتظام کرو، اور خوب سمجھ لو کہ میں یہ نہیں کہتا کہ ہاتھ پیر توڑ کر
بیٹھ جاؤ، میں کہتا ہوں کہ جو کرتے ہو کرتے رہو، لیکن اس کی زیادہ فکر کرو، اُس سے زیادہ۔

یہ چار دن رہ گئے ہیں، اپنی معصیتوں اور اپنے گناہوں سے توبہ کرو، اسلام کا دامن
مضبوطی کے ساتھ پکڑو، اللہ رب العزت سے رو رو کے، گڑگڑا کے یہ دعا کرو، کہ اے اللہ تو
ہماری اصلاح فرمادے، اے اللہ تو اپنے اسلام کی قدر وقیمت ہمارے دل کے اندر
بٹھادے، اور تو اپنے اسلام کا اور دین کا شیدائی ہم کو بنادے، خداوندا! جتنی محبت ہمارے
دل میں دنیا کی ہے اس سے دگنا تگنا محبت ہم کو دین کی عطا فرما۔ یہ کوشش کرو، یہ دعا کرو، اور
ان چند گنے ہوئے دنوں میں محض گنتی کے چار دن رہ گئے ہیں، ان گنتی کے دنوں میں توبہ
واستغفار کے ساتھ اور جتنی نیکیاں مالی اور جانی کرسکتے ہو تو ہرگز ان دنوں کو غفلت میں نہ
گزارو اور بالکل اس بات کو طرح نہ دو، پورے اہتمام کے ساتھ یہ کرو، بس میں اپنی بات
ختم کرتا ہوں، دعا کیجئے کہ اللہ رب العزت ہم سب کو توفیق نیک عطا فرمائے، اور ہم سب کو
اپنے دین پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، ہم سب کو محمد رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کا متبع
بنائے، اللہ سب سے زیادہ عزیز ہماری نگاہ میں اسلام کو کردے۔

**اللهم صل وسلم وبارک علی سیدنا ومولانا محمد ربنا تقبل منا
انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک أنت التواب الرحیم.**

☆......☆......☆

ماہ رمضان کی اہمیت

الحمد للّٰہ، نحمدہٗ، ونستعینہٗ، ونستغفرہٗ، ونؤمن بہٖ، ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیّئات أعمالنا، من یھدِہ اللّٰہُ فلا مُضِلَّ لہٗ، ومن یضلل فلا ھادی لہٗ، ونشھد أن لا الہ إلا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہٗ، ونشھد أنَّ سیّدَنا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہ، أرسلَہ بالحق بشیراً ونذیراً، صلی اللّٰہ علیہ وسلَّم تسلیماً کثیراً کثیراً، أما بعد!

(۱) ....

عبادت کیسی ہو؟

یہ کرم اور یہ نوازش اس بات کو چاہتی ہے، اس بات کی متقاضی ہے کہ ہم اللہ رب العزت کا اور وہ جو ہم کو ایسے مواقع نصیب فرماتا ہے، اس کا شکر ادا کریں۔ اور اس شکر کی ادائیگی کی اس کے سوا اور کوئی سبیل نہیں ہے، کہ ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے سے اِس مہینے کا روزہ رکھیں اور اِس مہینے کا قیام کریں، اور جو جو باتیں آنحضرت ﷺ نے کی ہیں اور بتائی ہیں، ان سب کو، یہ سمجھ کر کہ پھر یہ موقع ہم کو نہیں ملنے والا ہے، یہ سوچ کر کہ پھر یہ موقع ہم کو نہیں ملنے والا ہے، اُس طرح کریں۔ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ صَلِّ صلاۃَ مُوَدِّعٍ(۲) تم ایسی نماز پڑھو جیسے کہ لوگوں کو اب تم رخصت کر رہے ہو، یعنی گویا اب بس چل چلاؤ پر ہو، اب پھر ملاقات نہیں ہونے کی ہے، اب پھر نہیں موقع ملنے والا ہے، ایسی نماز پڑھو۔ ایسے موقع کے اوپر جو آدمی نماز پڑھے گا، تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ

(۱) یہاں شروع کا کچھ حصہ ٹیپ میں نہیں آسکا ہے، غالباً وہ حدیث پڑھی ہوگی، جو آگے آرہی ہے کہ: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِیمَاناً وَّاحْتِسَاباً غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ. (۲) ابن ماجہ: ۱۷۱/۴

پورا پورا اُس کا حق ادا کرے گا، وہ دیکھے گا کہ اب چند منٹ کے بعد تو ہم کو موقع ہی نہیں ملے گا کہ ہم نماز پڑھ سکیں، یہی ایک آخری نماز ہے، تو اِس کو تو جتنا بھی بہتر سے بہتر ہم پڑھ سکیں، اس کی تمام چیزوں کی رعایت کے ساتھ وہ پڑھنی چاہئے۔ تو یہ حکم آیا ہوا ہے۔ اسی طرح میں کہتا ہوں کہ اِس روزے کو یہ نہ سمجھو کہ ارے یہ تو بہت دفعہ ابھی ملے گا، نہیں! یہ سمجھو کہ شاید یہ پھر کبھی نہ ملے گا۔ اور اِس سوچنے کے بعد جو اُس کا حق سمجھ میں آتا ہو، سب کو سمجھ میں آئے گا کہ کیسا حق اس کا ادا کرنا چاہئے، ویسا حق ادا کرے۔

رمضان کے حقوق:

میں نے اِس وقت آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث پڑھی ہے، اور پہلی بار نہیں پڑھی ہے، اس جگہ بھی اس سے پہلے چند بار پڑھ چکا ہوں؛ اور، اور گزشتہ سالوں میں تو بار بار میں پڑھ چکا ہوں، کہ رمضان کے حقوق میں سے سب سے بڑا حق یہ ہے، کہ آدمی اِس مہینے کا فرض اُس طریقے پر ادا کرے، جس طرح آنحضرت ﷺ نے بتایا ہے: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِیمَاناً وَّاحْتِسَاباً ایمان کے ساتھ اور ثواب کے لیے کرے، تو ثواب کے لیے کرنا جب صادق آئے گا، ثواب کے لیے کرنا جبھی ہوگا، کہ جب ثواب کو برباد کرنے والی، اُس روزے کو تباہ کرنے والی چیزوں کا ارتکاب نہ کرے گا۔

میں یہ بھی کہہ چکا ہوں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ الصَّومُ جُنَّۃٌ (روزہ ڈھال ہے)، دوسری حدیث میں یہ ہے کہ جب تک کہ وہ پھٹے نہیں، وہ ڈھال ہے؛ لیکن ڈھال کی نسبت ہر آدمی سمجھتا ہے کہ ایک ڈھال ہے، وہ تیر سے، خنجر سے، شمشیر سے ہم کو بچائے گی، ہم ڈھال پر روک لیں گے وار دشمن کا؛ لیکن اگر وہ ڈھال پھٹی ہوئی ہوگی، تو اس شگاف میں سے تیر چلا آئے گا، اس شگاف میں سے دشمن تلوار اور خنجر سے حملہ کر سکتا ہے، تو وہ بے کار ہے۔ تو فرمایا کہ الصَّومُ جُنَّۃٌ مَا لَمْ یَخْرِقْھَا(۱) (روزہ ڈھال تو ہے؛ مگر وہ

(۱) سنن دارمی: ۱۵/۲

ڈھال اسی وقت تک کارآمد ہے جب تک کہ اسے پھاڑے نہیں) تو لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ، وہ کیسے پھٹتی ہے؟ کہا کہ بس یہی غیبت کرتے ہو پھٹ جاتی ہے، لوگوں کی شکایت کرتے ہو پھٹ جاتی ہے، گالی گلوچ کرتے ہو پھٹ جاتی ہے، حرام کام کرتے ہو پھٹ جاتی ہے، بے کار ہو جاتی ہے وہ ڈھال۔

روزہ کو برباد کرنے والے اعمال:

تو میں نے کہا کہ ثواب جبھی حاصل ہوگا -ثواب کیا وہ تو عذاب بن جائے گا- ثواب جبھی حاصل ہوگا جب ثواب کو برباد کرنے والی چیزوں سے اُس کو بچائے گا، اور وہ برباد کرنے والی چیز غیبت ہے، شکایت ہے، تہمت ہے کسی کے اوپر، گالی گلوچ کرنا ہے۔ آنحضور ﷺ نے اسی نکتے کو سمجھانے کے لیے یہ ارشاد فرمایا کہ مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ والعَمَلَ به، فَلَيْسَ لِلّٰهِ حاجَةٌ في أنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وشَرَابَه (۱) (کہ جو آدمی جھوٹ بولنا نہ چھوڑے، جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑے، تو پھر اللہ رب العزت کو کوئی حاجت نہیں ہے کہ اپنا کھانا پینا چھوڑے) کاہے کو کھانا پینا [چھوڑتا ہے]، کاہے کو اپنے کو بھوکا مارتا ہے۔ جو کھانا پینا کہ سدا سے حلال تھا، ابھی انتیسویں تیسویں تاریخ تک وہ کھانا حلال تھا، تیس تاریخ کے بعد یا انتیس تاریخ کے بعد، پہلا روزہ شروع ہونے کے بعد، کھانا دن میں صبح صادق سے لے کے غروب آفتاب تک حرام ہوا ہے، وہی کھانا مغرب کے بعد حلال ہے، وہ تو وقتی طور پر اس کے اوپر حرمت عائد کی گئی ہے، ورنہ حقیقت میں وہ حرام نہیں ہے۔ تو اس کو تو آپ نے مان لیا کہ ہاں! ہم نہ کھائیں گے، ہم نہ پئیں گے۔ اور جو چیز سدا سے حرام ہے جھوٹ بولنا، جو چیز سدا سے حرام ہے غیبت کرنا، کسی کے اوپر تہمت لگانا، جھوٹی قسم کھانا، جھوٹی گواہی دینا؛ اور، اور ساری چیزیں اس طرح کی، جو سدا سے حرام ہیں، وہ انتیس اور تیس شعبان کو بھی حرام تھیں، اور پہلی رمضان کو بھی حرام ہیں، وہ پہلی رمضان کے دن میں

(۱) صحیح بخاری: باب من لم یدع قول الزور والعمل به ۱۸۰۴/

بھی حرام ہیں، اور رات میں بھی حرام ہیں۔ کھانے کی طرح نہیں ہے کہ وہ کھانا رات کو حلال ہو جاتا ہے، تو جو ایسا حرام ہے، وقتی طور پر، عارضی طور پر، اس حرام کو ہم نے مان لیا اور ہم نے پرہیز کر لیا۔ تو اللہ کہتا ہے کہ ایسا پرہیز ہم کو نہیں چاہئے، ہمارے ہاں تو وہ پرہیز مقبول ہوگا، اُس کی قدر و قیمت ہوگی، اُس کا دام لگے گا کہ جو اس وقتی اور عارضی حرام کے ساتھ ساتھ جو دائمی حرام ہے، ازل سے ابد تک، اُس کو بھی چھوڑے گا، اور اگر اس کو نہیں چھوڑتا ہے، تو اللہ کو کوئی غرض نہیں ہے، کوئی حاجت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے، یہ ہے روزے کا حق ادا کرنا۔

بہت سے لوگ جو اپنے کو دین دار سمجھتے ہیں، اپنے کو عالم سمجھتے ہیں؛ لیکن خصوصیت کے ساتھ اِس مہینے میں اپنے روزے کو تباہ و برباد کرتے ہیں۔ اور اُس روزے کو تباہ و برباد جو کرتے ہیں، بہت خصوصیت کے ساتھ تباہ و برباد کرتے ہیں، میں اِس مسئلے کو سمجھاؤں اِس طریقے سے آپ کو کہ ایک کوئی معمولی درجے کا مسلمان، جس سے ہم کو کوئی نہ بھائی چارگی ہے، نہ استادی شاگردی کا کوئی تعلق ہے، نہ باپ بیٹے کا کوئی تعلق ہے، نہ بھائی چچا کا کوئی تعلق ہے، اور کوئی نہیں، بالکل بے لگاؤ قسم کا ہے، اُس کی بھی غیبت حرام ہے، بہت معمولی درجے کا جو ہے اُس کی بھی غیبت حرام ہے؛ لیکن اُسی میں اگر اپنا باپ ہے، تو اُس کی غیبت اور اُس کو برا بھلا کہنا، اُس کو تکلیف پہنچانا، اُس سے کہیں زیادہ حرام ہے۔ انھیں میں تمھارا اگر کوئی پیر یا کوئی استاد ہے، پیر استاد نہیں ہے، مگر تمھارا عالم ہے کہ جس کے علم سے تم کو ہدایت مل رہی ہے، تو اُس کی اگر تم برائی بیان کرتے ہو، اُس کا حق نہیں پہچانتے ہو، تو سیکڑوں گنا زیادہ اُس عام مسلمان کی غیبت کرنے سے زیادہ گناہ ہے۔

بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر رحم:

میں اس کے پہلے ایک وقت بتا چکا ہوں کہ جن باتوں کو کہ آنحضرت ﷺ نے کہا ہے کہ ان باتوں کا مرتکب ہماری امت سے نہیں ہے۔ اب اسی سے سمجھ لو، کہ وہ کتنا بڑا

گناہ ہے،فرمایا کہ:مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنا، وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيرَنا، وَيَعْرِفْ لِعَالِمِنا حَقَّه، فَلَيْسَ مِنَّا (۱) جو ہمارے چھوٹے کے اوپر رحم نہ کھائے،کسی حیثیت سے بھی ہمارا چھوٹا ہوتو ہم کو اُس کے ساتھ نرمی، مہربانی، ہمدردی کا برتاؤ کرنا چاہئے، چھوٹے کے ساتھ پیار کرنا چاہئے، اُس پیار کرنے کی بھی میں تشریح کر چکا ہوں، کہ پیار کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے، کہ گالی دیتا ہے تو روکو مت، وہ شرارت کرتا ہے تو مارو مت، شرارت کرتا ہے تو مارو یہی پیار ہے۔تو جو ہمارے چھوٹوں کے اوپر رحم نہ کھائے؛ اور جو ہمارے بڑوں کی توقیر نہ کرے، احترام نہ کرے، کسی طرح سے وہ بڑا ہو، کسی حیثیت سے بڑا ہو، محلے کا بڑا بوڑھا ہو، وہ بڑا ہے؛ اور خصوصیت سے پھر فرمایا کہ ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے،تو فرمایا کہ ہماری امت سے نہیں ہے وہ، ہوگا کوئی یہودی نصرانی کسی طرح کا، ہماری امت سے جو آدمی ہوگا وہ چھوٹے کے اوپر رحم کھائے گا، بڑے کی توقیر کرے گا، اور اپنے عالم کا حق پہچانے گا۔

....

....

....

تراویح کی سنیت:

آگے مجھے یہ کہنا ہے، کہ یہ ماہ مبارک، ابھی میں نے آپ کو بتایا، کہ روزہ کیسے رکھنا چاہئے؟ اِس کے پہلے بتا چکا ہوں، کہ آنحضرت ﷺ کا دوسرا معمول اس مہینے میں یہ تھا کہ آپؐ نے چاہے تین ہی دن سہی، تراویح کی نماز پڑھی ہے؛ مگر پڑھنے کی نوعیت یہ تھی، کہ تیسرے دن جب پڑھ کر لوگ واپس ہورہے تھے، تو صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم سمجھتے تھے کہ سحری نہیں ملے گی، عشا کی نماز کے بعد تراویح میں ہوگئے اور سحری کے وقت تک پڑھتے رہ گئے، اور صورت حال یہ ہوئی کہ چوتھی رات کو آنحضرت ﷺ۔مسجد کے اندر ایسا ہوتا تھا، کہ چٹائی

(۱) مجمع الزوائد: ۱/۱۲۷

گھیر کے۔ مسجد نبوی کا کیا حال ہے؟ وہ دلی کی جامع مسجد کی طرح تھی نہیں، کچھ اسی طرح کی مسجد' مسجد نبوی تھی، تو اُس میں ایک حصے میں چٹائی جو ہے چاروں طرف گھیر دیتے تھے، اسی چٹائی کے اندر اعتکاف کرتے تھے۔تو اُس میں یا اپنے حجرے میں آنحضرت ﷺ بیٹھ گئے، اور لوگ، کوئی کھنکھار رہا ہے، کوئی کچھ کر رہا ہے، نکلے نہیں تھے، دوسرے دن آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ لَمْ يَخْفَ عليَّ مَكانُكم تمھارا آنا اور تمھارا نہ آنا میرے اوپر پوشیدہ نہیں تھا، میں خوب جانتا تھا کہ مسجد بھری ہوئی ہے، اور سب لوگ انتظار میں ہیں کہ میں آکر تراویح پڑھوں؛ لیکن میں نکلا نہیں، خَشِيتُ أن يُكتَبَ عليكُم میں اس ڈر سے نہیں نکلا کہ یہ تمھارا ذوق شوق دیکھ کر کے اللہ میاں کہیں اس کو فرض نہ کردیں، کہ ارے اتنا ذوق شوق ہے بھئی، تو لاؤ ان کے اوپر فرض کردو، اور فرض ہوجاتی تو پھر لوگ نباہ نہ سکتے اس کو، اس لیے میں نہیں نکلا۔ محدثین کہتے ہیں کہ تو حضرت کا بند کرنا اس اندیشے سے تھا کہ جب تک وحی آئے گی، یعنی جب تک میں موجود رہوں گا، تب تک امکان ہے اس کے فرض ہوجانے کا، اور میرے بعد تو پھر فرض وہ رہے گی نہیں۔تو اُس کی سنیت اسی طرح سے باقی ہے جس طرح سے کہ آپؐ روز پڑھتے تب بھی۔تو اس طرح سے پڑھا ہے آپ نے تراویح کو۔آج ہمارا یہ حال نہیں ہے، آج ہمارا حال یہ ہے کہ اولاً تو ہم کوشش کرتے ہیں، یعنی ایسا موقع ملنے پر بھی کہ ہم بیس پڑھ سکیں، تو آٹھ پڑھ کے چلے جاتے ہیں۔ایسا موقع ملنے پر بھی، ہم چاہیں تو روز کا روز پڑھ سکتے ہیں، دیکھئے! ابھی سحر تک پڑھنے کی بات نہیں کر رہا ہوں میں، وہی گھنٹے بھر کی بات کر رہا ہوں، کہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ شروع شروع میں دو تین دن جو ہے تو خوب ذوق شوق سے پڑھتے ہیں، اور اس کے بعد پھر چلئے صاحب، سودا ہے، سُلف ہے، چائے ہے، سگریٹ ہے، یار باشی ہے۔بس ختم کے دن پھر آکے پڑھ لیں گے، تو محمد رسول اللہ ﷺ نے اس طرح نہیں پڑھا ہے، تراویح کا حق نہیں ادا ہوگا، رمضان کے مہینے کا حق نہیں ادا ہوگا، وہ تو جبھی ادا ہوگا، کہ قامَ رَمَضانَ إيماناً واحتِساباً غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِه۔

روزہ کا ثواب:

ایک بات اور بتا دوں، یہ سب تو ہے، اتنا میں کہتا ہوں، یہ بھی سن لو اچھی طرح سے، کہ کروگے تو کیا ملے گا؟ تو اس کو بھی محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمادیا ہے، کہ یہ نیکیاں جو ہیں تم کرتے ہو، کسی نیکی کا بدلہ دگنا تگنا، دس گنے اور سات سو تک چلا جاتا ہے، کہ ایک کیا اور سات سو ملا، ایسا تو ہوتا ہے؛ لیکن روزے کا معاملہ بالکل اس سے جداگانہ ہے، نہ اس کا دگنا، نہ تگنا، نہ دس گنا، نہ بیس گنا، نہ سو گنا، نہ سات سو گنا۔ اس اصول پر اس کا ثواب نہیں ملتا، اس کے ثواب دینے کا کوئی اور اصول ہے، حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ الصَّومُ لِي وأنا أجزي به [۱] اللہ کہے گا کہ یہ روزہ میرے لیے ہے میں اس کا بدلہ دوں گا۔ وہ تو سات سو پانچ سو یہ فرشتے لوگوں سے دلوادیا جاتا ہے؛ لیکن احکم الحاکمین جو سب کا ہے، جو سب کا بادشاہ اور سب کا حاکم ہے، جب اپنے کام کا کہتا ہے کہ یہ میرے لیے ہے، اپنے کام کا بدلہ دے گا تو گنتی میں آنے والا ہے؟ سات سو، ہزار پانچ سو ہوگا؟ ارے وہ بے حد وحساب ہوگا، الصَّومُ لي وأنا أَجزي به یہ روزہ میرے لیے ہے اور میں اس کا بدلہ دوں گا، بس اسی سے سمجھ لیجئے۔ مگر ہاں! روزہ روزہ ہونا چاہئے، میں نے بتایا کہ روزہ کون ہوتا ہے، وہی جو میں ابھی بتا چکا، کہ اس روزے کا نام ہے۔

آنحضرت ﷺ کی سخاوت:

اور محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں صحیح بخاری کے اندر شروع ہی میں یہ مذکور ہے کہ کان رسولُ الله ﷺ أجودَ الناسِ [۲] (حضرت تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے) کوئی آپؐ کے برابر کا سخی نہیں تھا۔ صحاح کے اندر حدیث موجود ہے کہ ایک مرتبہ کچھ اَعراب اور بدّو لوگ آنحضرت ﷺ سے فاقہ مستی کی حالت میں، دانے دانے کو محتاج ہونے کی حالت میں، آنحضرت ﷺ کو گھیر لیا تھا، کہتے ہیں کہ اس میں کسی نے چادر

(۱) صحیح بخاری: ۷۰۵۴ (۲) ایضاً: ۶

حضرت کی پکڑ لی، اور چادر آپؐ کے جسم مبارک سے اتر گئی، ارے ہوتا ہے نا ذرا سنئے ذرا سنئے، کسی نے ہاتھ پکڑا، کسی نے کچھ، تو کسی نے چادر پکڑی، چادر گرگئی، اور وہ یہ کہہ رہے تھے کہ ارے، ہم کو کچھ دیجئے، تو آنحضرت ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کھڑے ہوگئے کہ سن لو بھئی! سن لو اچھی طرح سے! یہ سامنے والا جو میدان ہے، معلوم نہیں کہاں، کَے سو کوس تک چلا گیا ہے، یہ صحرا لق ودق صحرا، کہا کہ اگر اس پورے صحرا کے اندر بکریاں بھری ہوئی ہوں، تو اُن میں ایک بھی میں اپنے پاس نہ رکھوں گا، لا تجدوني جباناً ولا بخيلاً [۱] پھر اس کے بعد سب میں دے دوں گا اور تم مجھ کو بزدل اور بخیل نہ پاؤ گے، اتنا ہوگا، وہ بھی دے دوں گا؛ مگر ہونا بھی تو چاہئے، تم کو مانگنا چاہئے موقع دیکھ کے۔ بتانا یہ تھا کہ میری صفت بزدلی اور میری صفت بخالت نہیں ہے، اس لیے رہتے ہوئے ناممکن ہے کہ نہ دوں، ہوگا تو ضرور دوں گا، اور ہوگا تو اس طرح سے دوں گا، کہ حضرت بلالؓ کے پاس کوئی مال تھا، وہی حضرتؐ کے خزانچی تھے، تو آپ نے پوچھا کہ بلال! وہ مال کیا ہوا؟ تو انھوں نے کہا کہ حضرت! سب تو دے دلا گیا، کچھ رہ گیا ہے، تو انھوں نے کہا: أَنفِقْ بلالُ ولا تَخْشَ مِنْ ذي العَرْشِ إقلالا [۲] اے بلال! خرچ کر، اور عرش والے سے گھٹنے کا، کم ہونے کا خیال اور تصور نہ کر کہ وہاں سے کوئی کمی ہوگی، خرچ کیے جا، ایک چیز نہ اٹھا کے رکھ۔

وہ ایسے دینے والے تھے کہ حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ وہ بکری آئی تھی کیا ہوئی؟ تو کہا کہ سب تقسیم کردی گئی ایک ران، مثلاً ایک ران ہو یا کوئی دوسرا ہو میں بھول رہا ہوں گا، بہرحال ایک ٹکڑا بتایا کہ وہ رہ گیا، وہی باقی رہ گیا اور سب دے دیا گیا، انھوں نے کہا کہ بس جتنا دیا وہی باقی ہے، اور یہ، تو یہ تو چلا جانے والا ہے، فنا ہوجانے والا ہے، تم اس کو کہتی ہو یہ باقی رہ گیا ہے؟ [۳]۔

(۱) مجمع الزوائد: ۵/۳۳۹
(۲) کشف الاستار: ۳/۳۶۵۳، مجمع الزوائد: ۳/۱۲۶
(۳) کشف الاستار: ۹۴۲

اور کہا کہ آنحضرت ﷺ تو، یہ ہوا جو چلتی ہے، ابھی جمعے سے پہلے دیکھا ہوگا آپ نے کہ نہایت تیزی کے ساتھ ایک ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا آئی، اور وہ اپنے ساتھ پانی بھی برسا گئی، اور وہ بھیجی ہوئی ہوا اللہ رب العزت کی جو بدلی لاتی ہے، اور پانی برساتی ہے، جانتے ہو ساری مخلوق کی زندگی کا دار و مدار وہی ہے، تو وہ ریح مرسلہ جو ہے، وہ بہت سخی ہے، آنحضرت ﷺ اس سے بھی زیادہ سخی تھے۔ اور حدیث میں اصل چیز مجھے یہ کہنی ہے، کہ یہ اُس وقت ہوتا تھا حِینَ یَلْقَاهُ جِبرِیلُ یہ اُس وقت ہوتا تھا جب حضرت جبریل آپؐ سے ملتے تھے۔ اور وہ اسی رمضان کے مہینے میں آکر جبریل ملتے تھے، اور کَانَ یُدَارِسُهُ الْقُرآنَ اور قرآن کا دور ہوتا تھا آنحضرت ﷺ میں اور جبریل میں۔ تو اس وقت آنحضرت ﷺ ریح مرسلہ سے بھی زیادہ اجود، زیادہ سخی ہو جاتے تھے۔ تو ایک معمول حضرتؐ کا اس مہینے میں یہ تھا کہ آپؐ کی سخاوت، آپؐ کی داد و دہش، آپؐ کے لینے دینے میں بہت اضافہ ہو جاتا تھا، بے دھڑک اور بے تحاشا خرچ کرتے تھے۔

فضیلت کا معیار:

اس خرچ کرنے سے متعلق دو ایک باتیں میں آپ کو کہنا چاہتا ہوں۔ ہم اپنے تصور سے اور اپنے خیال سے معیار قائم کرتے ہیں بڑائی اور چھوٹائی کا، یہ ہمارا خود ساختہ معیار کوئی چیز نہیں ہے۔ فضیلت کا معیار وہی صحیح ہے، جو محمد رسول اللہ ﷺ [نے قائم کیا ہے]۔ میں ایک واقعہ ذکر کر دوں، ایک واقعہ مذکور ہے حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کا، عبداللہ بن المبارک کا حال یہ تھا کہ وہ تمام خوبیوں کے، جو بڑی بڑی خوبیاں ہیں، ان کے یہ جامع تھے۔ وہ بہت بڑے محدث تھے، وہ بڑے مجاہد تھے، وہ بہت بڑے تاجر تھے، یہ سب سن لو؛ مگر یہ ساری تجارت ان کی ہوتی تھی صرف اللہ کے لیے، لوگوں کو دینا، اس امام کو اتنا دینا، اس امام کو اتنا دینا، امام مالک کو دینا اور فلاں کو دینا اور فلاں کو دینا، اس لیے وہ تجارت کرتے تھے۔ اور جہاد، اور علم سیکھنا، بہت، الغرض علماء نے لکھا ہے کہ تمام خصال خیر کے جامع تھے وہ، ایک دفعہ وہ نکلے حج کرنے کو، شاید

بغداد تک، اس جگہ کا نام لکھا ہے، میں بھولا ہوں، ایک بَرِّیَّہ میں وہ پہنچے، تو وہاں پر انھوں نے دیکھا کہ ایک کوڑے خانے کی طرح سے ہے، تو وہاں پر ایک لڑکی جو ہے کچھ اِدھر اُدھر دیکھ کر کے ایک مری ہوئی چڑیا اس نے اٹھائی، اور اٹھا کے اُس کو صاف واف کرنے لگی، اور پانی وانی سے دھونے لگی۔ یہ دور ہی سے دیکھ رہے تھے، جب لے کر چلی ہے، تو حضرت عبداللہ بن المبارک وہاں پہنچے، انھوں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو اُس نے کہا کیا کیجیے گا پوچھ کے؟ انھوں نے کہ نہیں بتاؤ تو سہی، آخر یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: کیا ہے؟ چڑیا ہے۔ انھوں نے کہا: ارے وہ مری ہوئی ہے، کس کام کی ہے؟ اس نے کہا: ہاں! کسی کے کام کی نہ ہو؛ مگر ہمارے کام کی ہے۔ انھوں نے پوچھا کہ بات کیا ہے؟ تو اس نے بتایا کہ معلوم نہیں گے دن کا فاقہ ہے، اور ماں ہے، باپ ہیں، کون ہیں کون ہیں، تو میں نکلی تھی کہ کچھ نہیں مردار سہی ایسی حالت میں تو جب جان پر آبنی ہو تو مردار بھی حلال ہو جاتا ہے بقدر ضرورت، تو وہی لے جاتی ہوں کہ اسی کو ابال کے، اسی کو کسی طرح سے ہم لوگ جو ہے ذرا جان اپنی بچائیں گے، ....(۱)۔

اس لیے کہ ہمارے نزدیک تو معیار فضیلت کا یہ ہے، کہ ہم لوگوں سے کہیں گے نہیں تو لوگ کہیں گے کیسے کہ پنچواں حج ہے یہ حاجی صاحب کا، ہے کہ نہیں یہ بات؟ تو اسی کو میں کہتا ہوں کہ معیار فضیلت کا جو ہم نے تصور کر رکھا ہو وہ نہیں ہے، معیار فضیلت کا، معیار افضلیت کا وہ ہے، جو شریعت نے تجویز کیا ہو۔

خرچ کس پر کریں؟

اب میں بتاتا ہوں کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا، اُس نے

(۱) یہاں ریکارڈ کا کچھ حصہ کٹا ہوا ہے۔ اس واقعے کا تتمہ یہ ہے کہ حضرت ابن المبارک نے اونٹوں کو واپس کرنے کا حکم دیا اور اپنے وکیل (خزانچی یا منیم) سے پوچھا کہ تمھارے پاس کتنی رقم ہے؟ وکیل نے کہا کہ ایک ہزار دینار۔ حضرت ابن مبارک نے کہا کہ گن کر بیس دینار رکھ لو وہ ہمارے واسطے کافی ہوگا، اور باقی (۹۸۰ ؍اشرفی) اس لڑکی کو دے دو، یہ ہمارے اس سال کے حج سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ اس کے بعد وہ وہیں سے واپس لوٹ گئے۔

کہا: یارسولَ اللہ! میرے پاس ایک دینار ہے، ایک اشرفی ہے میرے پاس۔تو آپؐ نے فرمایا کہ أنفقه علی نفسک[۱]، اس کو اپنی جان پر خرچ کرو، کھاؤ، پیو، پہنو، اوڑھو، خود اپنی ضرورت میں استعمال کرو۔تو انھوں نے کہا کہ یا رسولَ اللہ! عندي آخر یارسولَ اللہ میرے پاس ایک اور دینار ہے، تو کہا کہ اپنے لڑکے پر خرچ کرو۔تو انھوں نے کہا کہ یا رسولَ اللہ! عندي آخر حضرت! ایک اور ہے، تو کہا کہ اس کو اپنی بی بی پر خرچ کرو۔کہا کہ یارسول اللہ! ایک اور ہے، کہا اپنے خادم کے اوپر خرچ کرو۔اس نے کہا یارسول اللہ! ایک اور ہے، کہا کہ اب تم جانو۔کیا بتایا آپؐ نے؟ کہ معیارِ فضیلت کا یہ ہے کہ آدمی خرچ کرتا ہے تو سب سے زیادہ ثواب اپنی ذات کے اوپر خرچ کرنے میں ہے، جس چیز کی اس کو ضرورت ہے۔یہ نہیں ہے کہ میلا کچیلا، تیل میں بالکل ملوث کپڑا پہنے ہوئے ہو اور سخاوت بھی کررہے ہو، جی نہیں! اگر تم کو ضرورت ہے، تو اس میں پیسہ لگا کے اپنا کپڑا بدلو، صاف ستھرے مسلمان کی طرح سے رہو، پیٹ بھر کھاؤ، اور اس کے بعد پھر دوسرے کو دو۔

ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دینارٌ أنفقته في كذا ایک دینار تم نے خرچ کیا فلاں کام میں، ایک دینار تم نے خرچ کیا مثلاً غلام کو آزاد کرنے میں، ایک دینار خرچ کیا فلاں نیکی میں، کئی دینار بتایا، اور کہا کہ ایک دینار تم نے خرچ کیا اپنے گھر والوں کو کھلانے پلانے میں، تو جو دینار جو تم اپنے گھر والوں کو کھلانے پلانے میں خرچ کرتے ہو، سب سے زیادہ افضل وہی ہے۔

غریب کا صدقہ:

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بہترین صدقہ وہ صدقہ ہے، کہ جو ایک کم پونجی والا اپنی محنت مشقت سے کچھ جٹاتا وٹاتا ہے، تو اس میں سے جو صدقہ کرتا ہے، وہ سب سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

(۲) مسند حمیدی: ۱۱۷۶

ایک آدمی ہے کہ دن بھر میں محنت مشقت کر کے دو روپیہ کماتا ہے، اُس دو روپئے میں سے وہ دو پیسہ دیتا ہے۔ایک آدمی ہے کہ جو ایک کروڑ کا مالک ہے اور اُس نے ایک لاکھ روپیہ اٹھا کر کے دے دیا، ایک لاکھ سے زیادہ اسی دو پیسے کا ثواب ہے؛ اس لیے کہ یہ جُهد المُقل ہے، یہ وہ چیز اس نے کی ہے، کہ اس سے زیادہ اس کی بساط ہی میں بات نہیں تھی، اس کی وسعت ہی میں بات نہیں تھی، پھر بھی اس نے کر دیا یہ۔

تو اسی حدیث میں فرمایا ہے کہ وابدأ بمن تعول[۱] اور صدقہ کرنے میں جو تمھارے عیال میں ہوں، جن کا کھانا پینا تمھارے ذمے ہے، بیوی ہے، نابالغ بچے ہیں، یا اور کوئی آدمی ہے، خادم ہے، لونڈی ہے، ان سب کا کھانا پینا تمھارے ذمے ہے۔تو کہا پہلے ان سے شروع کرو، ان کو پہلے کھلاؤ پلاؤ، یہ زیادہ فضیلت کی چیز ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ایک اور حدیث کے اندر فرمایا کہ ایک آدمی ہے، کہ کوئی ضرورت اس کے سامنے رکھی گئی، تو مثلاً دس روپیہ اس کے پاس تھا، اس نے جو ہے پانچ روپیہ اس میں سے نکال کے دے دیا، دو دینار تھا، ایک دے دیا مثلاً، اور ایک آدمی ہے کہ جو دس کرور کا مالک تھا، اس نے جو ہے پانچ لاکھ روپیہ نکال کر کے دے دیا، تو حضرتؐ نے فرمایا کہ یہ پانچ روپئے کا ثواب اُس پانچ لاکھ سے زیادہ ہے۔

دیکھا، ہے نا وہ بات، ہمارے نزدیک کیا معیار ہے افضلیت کا؟ اور محمد رسول اللہ کی نگاہ میں افضلیت کا کیا معیار ہے؟

تو میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں، کہ محمد رسول اللہ کی پیروی اور ان کے اتباع میں یہ کام بھی کرنا چاہئے کہ آدمی کو اس مہینے میں بڑا سخی اور بڑا دریا دل ہو جانا چاہئے، اور اس دریا دلی کا مظاہرہ اپنے گھر سے شروع ہونا چاہئے، اپنے بال بچوں کو خوب اچھا کھلاؤ پلاؤ، سمجھے! ان کے اوپر پہلے۔اور پھر جو جتنا قریب ہو، پڑوسی ہے کوئی اپنا، دیکھ رہے ہو کہ اس کے ہاں

(۱) صحیح بخاری: باب لا صدقة إلا عن ظهر غنى ۱۳۶۰/

فاقہ ہو رہا ہے، سب سے پہلے اس کو دو، اور جی بھر کے دو، اسی طرح سے الاقرب فالاقرب، جہاں حاجت زیادہ ہو، اس حاجت کا خیال کر کے دینا چاہئے۔

منجملہ انھیں چیزوں کے جن میں حاجت بہت زیادہ ہوتی ہے، قرآن پاک میں آیا نا کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں، قرآن پاک میں ایک ایسے گروہ کا ذکر ہے، کہ وہ بے چارے ہیں تو بہت زیادہ محتاج، شاید ان کے ہاں فاقہ ہو رہا ہو مگر لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وہ لوگوں سے لگ لپٹ کے سوال نہیں کرتے، وہ چلتے چلتے دامن پکڑ کے کہ ارے صاحب! کچھ ہم کو دو، دروازے پہ آ کے کھڑے ہو گئے، اب دس مرتبہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ارے صاحب معاف کیجئے؛ مگر نہیں، یا یہ کہ ان کے اندر شرم ہے، وہ کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے، تو يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ناواقف آدمی ان کو ان کے اس عفت کی وجہ سے، سوال اور بھیک مانگنے سے بچنے کی وجہ سے وہ سمجھتا تھا کہ مال دار ہیں ان کو کون ضرورت؟ اب بھی اس دنیا میں، آج بھی اس زمانے میں بہت سے لوگ ہیں کہ جو مانگتے ہوئے شرماتے ہیں، اور میں تو یہ کہوں گا کہ بہت سے لوگوں کو تنبیہ بھی ہے کہ ہاں ان کے اندر یہ ہے؛ مگر یہ کہ ان کو نہیں دیں گے، وہ دوسروں کو دیں گے، دوسروں کے سامنے خرچ کریں گے۔ مثلاً بہت سے لوگ جو ہیں صرف اس واسطے کہ بہت سی رسیدیں ہمارے پاس اکٹھا ہو جائیں جتنے مدرسے والے آتے ہیں، ارے بھئی سب کو نا دینا چاہئے، بالکل نہیں، دیکھو! جہاں پر سب سے زیادہ ضرورت ہے، وہاں پہلے جتنا تم اس کی امداد کر سکتے ہو، امداد کرو۔

الغرض اس طرح کی بہت سی باتیں ہیں، کہ جس میں ایک معیار افضلیت کا ہم نے بنا رکھا ہے، خود ساختہ ہے، میں بتانا چاہتا ہوں کہ خود ساختہ معیارِ افضلیت معیار نہیں ہے، معیار صحیح وہی ہے، جو جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے تجویز فرمایا ہے۔

تلاوت کی فضیلت:

میں اب بہت زیادہ کہنے کے بجائے، اب میں یہ کہنا چاہوں گا، کہ اور چوتھا کام

اس مہینے میں تلاوت کلام پاک کا ہے۔ وہ حدیث بھی بار بار میں سنا چکا ہوں، کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن یہ روزہ اور قرآن اللہ کے پاس سفارشی بن کے آئیں گے۔ روزہ کھڑا ہوگا، یہ مسلمان اللہ کے سامنے پیش ہوگا، روزہ آ کے کھڑا ہوگا، اور کہے گا کہ خداوندا! میں نے دن بھر صبح صادق سے لے کے اور غروب آفتاب تک، میں نے اس کو کھانے پینے نہیں دیا، ایک دانہ اور پانی کی ایک بوند اس کی حلق میں نہیں جانے دی، لہٰذا آپ میری سفارش قبول کیجئے، اس کو بخش دیجئے۔ تو قرآن پاک کہے گا کہ خداوندا! اور میں نے اس کو رات بھر سونے نہیں دیا، یہ بے چارہ لے کر کے رات بھر آنکھ پھوڑتا رہتا تھا، اور قرآن پاک پڑھا کرتا تھا، لہٰذا میری سفارش اس کے باب میں قبول کیجئے، اس کو بخش دیجئے۔ حضرت ؐ نے فرمایا کہ فَيُشَفَّعَان ان دونوں کی سفارش قبول کر لی جائے گی، اللہ رب العزت مان لے گا(۱)۔

میں اس بات کی بہت خوشی محسوس کرتا ہوں کہ کہنا سننا رائیگاں نہیں گیا ہے، اللہ کے فضل و کرم سے یہ میں دیکھتا ہوں کہ یہاں پر عصر کے بعد بہت سے لوگ تلاوت کرتے رہتے ہیں، فجر کے بعد بھی کرتے رہتے ہیں، اور فجر سے پہلے بھی میں نے دیکھا کہ کرتے ہیں، اللہ رب العزت ان کو مزید توفیق عطا فرمائے، اس لیے کہ یہ جو توفیق ملے گی، اس سے انھیں کا فائدہ ہوگا، میرا کوئی فائدہ نہیں، وہ اگر مان گئے میری اس بات کو، تو انھیں کا بھلا ہے، میرا کوئی خاص بھلا نہیں ہے، میرا بھلا تو اتنا ہی ہوگا کہ میرے کہنے سے چونکہ وہ کر رہے ہیں، لہٰذا مجھ کو بھی اللہ رب العزت ثواب دے گا کہ الدالُّ علی الخیر کفاعلہ(۲) کسی بھلائی کی طرف رہنمائی کرنے والا بھی کرنے والے کی طرح ہے۔

بس بات میں سوچتا ہوں کہ یہاں ختم کروں، دعا کیجئے کہ اللہ رب العزت ہم

(۱) مجمع الزوائد: ۱۰/۳۸۱

(۲) سنن ترمذی: باب ماجاء الدال علی الخیر کفاعلہ/۲۶۷۰

سب کو نیک راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، دعا کیجئے کہ اللہ رب العزت اپنا اور اپنے تمام بندوں کا حق پہچاننے کی ہم کو توفیق عطا فرمائے۔ جو حق ہمارے باپ کا ہے، جو حق ہمارے پیر کا ہے، جو حق ہمارے استاد کا ہے، جو حق ہمارے چچا کا ہے، جو حق ہمارے محلے کے بڑے بوڑھے آدمی کا ہے، جو حق ہمارے پڑوسی کا ہے، جو بھی حق ہے، حتی کہ جو حق ہماری اولاد کا ہے، جو حق ہماری بیوی کا ہے، یہ سب حق ہم کو اللہ رب العزت پہچنوا دے، اور ان حقوق کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين برحمتک یا أرحم الراحمين.

☆......☆......☆

غریب مخلص کی شان

اَلْحَمْدُ للهِ، نَحْمَدُهٗ، وَنَسْتَعِيْنُهٗ، وَنَسْتَغْفِرُهٗ، وَنُؤْمِنُ بِهٖ، وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللهُ فَلا مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلا هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لا شَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، أَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا. أمابعد!

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾ [سورۂ کہف]

یہ آیت کریمہ جو ابھی آپ کے سامنے پڑھی گئی ہے، اس میں اللہ رب العزت نے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو ایک اہم بات کا مکلّف اور پابند بنایا ہے اور نہایت اہتمام سے اس کی تاکید فرمائی ہے۔

اجتماعی زندگی کی اہمیت:

دیکھیے! اسلامی اصول کے اندر یہ بات بہت اہم ہے کہ مسلمان کی زندگی کوئی انفرادی زندگی نہیں ہے، بلکہ اجتماعی زندگی ہے۔ ایک ساتھ رہنے سہنے، اٹھنے بیٹھنے اور ایک ساتھ زندگی گذارنے کا حکم ہے، اس کے آداب واصول بیان کیے گئے ہیں، قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے ایک جگہ مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ ﴿وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾، (سچوں کے ساتھ رہو)۔ اس سے معلوم ہوا کہ سچوں کے ساتھ رہنا اٹھنا بیٹھنا، میل ملاقات

اوران کے ساتھ زندگی بسر کرنا فرض اور ضروری ہے۔ یہ حکم ان لوگوں کو ہے، جن کا شمار عوام اور متبعین میں ہے؛ لیکن جو خواص ہیں، پیشوا ہیں، جو لوگوں کے مقتدا اور امام ہیں، ان سے بھی اس طرح کی بات کہی گئی ہے، آخر وہ بھی تو لوگوں سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتے، انھیں بھی کچھ لوگوں کے ساتھ رہنا ہوگا، کچھ لوگوں کی تربیت میں مشغول ہونا ہوگا، کچھ لوگوں کی نگہداشت، ان کو بنانا سنوارنا ان کے ذمہ ہوگا؛ تو یہ حضرات کیسے لوگوں کے ساتھ رہیں اور کیسے لوگوں کو اپنے ساتھ رکھیں، اللہ رب العزت نے اس کا بھی اپنی جانب سے انتخاب فرمایا، چنانچہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے پیشواؤں اور مقتداؤں کو ہدیت دی ہے کہ ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ﴾ (اپنے آپ کو تھامے اور روکے رکھیے ان لوگوں کے ساتھ جو اپنے پروردگار کو صبح وشام پکارتے ہیں)۔

ہم نشیں کیسے ہوں؟:

دیکھیے! نبی کو یہ حکم ہوا کہ جو لوگ صبح وشام اللہ کو یاد کرتے ہوں، اللہ کو پکارتے ہوں، بس ان کے ساتھ اپنے کو روکے رکھیے، یعنی آپ کو ان ہی کے ساتھ رہنا سہنا ہے، یہی لوگ آپ کی مجلس میں رہیں گے، اس کے آگے ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ﴾ ان کی طرف سے آپ اپنی نگاہ ہٹا کر دوسری طرف نہ دیکھیے، اگر خدانخواستہ آپ کے دل میں خیال آئے کہ انھیں چھوڑ کر کچھ دوسرے لوگ منتخب کیے جائیں اور انھیں اپنے نزدیک کیا جائے، تاکہ دنیا کے اندر شان وشوکت، بڑائی اور شانداری آئے، تو حکم ہوا کہ ایسا نہیں کرسکتے، یہ خیال کہ بڑے بڑے سردار اور رؤسائے قبائل اور شیوخ کسی طرح قریب کر لیے جائیں، جیسا کہ ہمارے زمانے میں بہت سے پیروں کا حال ہے کہ ان کی کوشش اور خواہش یہی ہوتی ہے کہ بڑے بڑے نواب اور جاگیردار ان کے مرید ہوں، تاکہ لوگوں پر ان کا رعب اور ان کی شان قائم ہو، یہ خیال کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کو خیال ہوسکتا تھا کہ اگر بڑے بڑے لوگ مان لیں گے اور قریب آجائیں گے، تو اسلام

کے پھیلنے میں آسانی ہوگی۔ یہ نیت اچھی تھی، لیکن اللہ رب العزت نے اس کو بھی پسند نہیں کیا کہ اس میں کوئی خیر وبرکت نہیں ہے کہ بڑے بڑے آدمیوں کو نمائش کے لیے، زینت کے لیے، آرائش کے لیے، نام ونمود کے لیے اور بھڑکیلا پن ظاہر کرنے کے لیے قریب کیا جائے؛ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ غریب ہوں، چیتھڑے پہنے ہوئے ہوں؛ مگر مخلص ہوں، اللہ رب العزت کو صبح وشام یاد کرتے ہوں، بس ان کے ساتھ لگے رہیے، اسی میں شانداری ہے، یہی زینت ہے، یہی جمال ہے دین اسلام کا، اسی کے اندر خوبی ہے، اسی میں خیر ہے، اسی میں برکت ہے۔ خیر وبرکت یہ نہیں ہے، آرائش وزیبائش یہ نہیں ہے کہ فلاں قبیلے کا سردار آپ کے قریب بیٹھا ہے، فلاں رئیس آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، جب کہ وہ صرف رئیس قبیلہ ہی ہے، اس کے دل میں اللہ کی یاد نہیں ہے، اس کے اندر تواضع نہیں ہے، اس میں بندگی کی کوئی بات نہیں ہے، کیا فائدہ اس سے؟ ایک آدمی وہ ہے جس کے بدن پر چیتھڑے لپٹے ہوئے ہیں، صبح وشام فاقہ ہوتا رہتا ہے؛ مگر دن رات اللہ کی یاد میں لگا رہتا ہے اور آپ کے قدموں میں لگا ہوا ہے، تو اس میں دین کی خیر ہے۔

عزت دین سے ہے، دنیا سے نہیں:

قرآن پاک میں یہ بھی مذکور ہے- ایک بات آپ لوگ غور سے سنیں! یہاں اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے جنگ نامے اور نور نامے والی بات نہیں بتائی جاتی، بے اصل وبے بنیاد شہرت کی بات نہیں؛ بلکہ قرآن پاک کی بات بتائی جاتی ہے، قرآن پاک میں جو بات مذکور ہے، اس سے زیادہ سچی اور ٹھوس بات کوئی نہیں ہوسکتی؛ مگر افسوس اس کی قدر وقیمت پہچاننے والے نہیں ہیں-، بہر حال قرآن پاک میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ آنحضور ﷺ کی مجلس مبارک میں بڑے بڑے رؤسائے قبائل اور سرداران قریش بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ان سے باتیں کررہے تھے، حضرت (ﷺ) کو ان سے کچھ لینا دینا نہ تھا، ان سے پیر صاحبوں کی طرح نذرانہ وصول کرنا نہیں تھا؛ بس اتنی لالچ تھی کہ یہ بڑا سردار بھی اسلام

کے اندر داخل ہو جائے، داخل ہو جاتا تو حضرت کو کچھ کھلا پلا دیتا کچھ نہیں، بس یہ خواہش تھی
کہ اس کی سرکشی ختم ہو جائے، اس کا سر خدا کے آگے جھک جائے، اسے جہنم سے نجات
ہو جائے، اور کوئی دنیاوی غرض نہ تھی، ورنہ دنیاوی غرض ہوتی تو ان لوگوں نے آپ سے کہا
ہی تھا کہ آپ کو کس چیز کی ضرورت ہے؟ اچھی لڑکی سے شادی کی ضرورت ہو تو وہ کر دی
جائے، مال و دولت کی ضرورت ہو تو اسے جمع کر دیا جائے؛ مگر آپ ایک خدا کی طرف بلانا
چھوڑ دیجیے؛ لیکن آپ نے انکار کر دیا تھا۔ اگر کوئی لالچ ہوتی تو اسی دن اس کو پورا کر لیتے، تو
دنیا کی لالچ، منصب اور عزت کی لالچ یا عیش و آرام کی لالچ میں آنحضور ﷺ اس بات کو
نہیں چاہتے تھے، یہ لالچ نہیں تھی کہ یہ بڑے بڑے لوگ آ جائیں؛ بلکہ صرف اس لیے کہ یہ
فرعون اور سرکش لوگ بھی اللہ کے آگے جھک جائیں، بس یہی لالچ تھی۔

بہر کیف، تو سرداران قریش بیٹھے ہوئے تھے، اسی میں ایک نابینا صحابی عبداللہ
ابن ام مکتوم (رضی اللہ عنہ) آ گئے، آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف توجہ نہ دی؛ بلکہ بہت ممکن ہے
کہ ان کے خلل انداز ہونے کی وجہ سے کچھ آپ ترش رو بھی ہوئے ہوں، آپ نے ادھر
سے منھ پھیر لیا، اللہ رب العزت نے ناراضی کا اظہار فرمایا، کہا ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰى اَنْ جَاءَهُ
الْاَعْمٰى﴾ (محمد رسول اللہ ﷺ نے منھ بگاڑ لیا اور چہرہ پھیر لیا، جب اندھا آیا)، اس
اندھے کی طرف سے ذرا سی بے اعتنائی اور بے پروائی اللہ تعالیٰ نے گوارا نہیں فرمائی۔ منشا یہ
ہے کہ یہ غریب مفلس جو رات دن سجدے میں سر رگڑتا ہے، جو صبح و شام اللہ کو یاد کرتا ہے، وہ
ایمان میں ان رؤسائے قبائل سے بڑھ کر ہے، آپ ان سرداروں کے پیچھے کیا پڑے ہیں،
انھیں توفیق نہیں ہوتی نہ ہو، آپ کا کام کوشش کرنا ہے، وہ آپ نے کر دی؛ مگر جو دین کے
اندر داخل ہو گیا، اس کی رعایت واجب ہے آپ پر، فرض ہے کہ آپ انھیں کے ساتھ لگے
لپٹے رہیے، ہر وقت انھیں کے ساتھ مشغول رہیے۔ ہر وقت کا مطلب خوب سمجھ لو، یعنی آپ
کے جو ضروری مشاغل ہوں، ان کے علاوہ اوقات میں جب تک یہ لوگ آپ کے پاس

ہوں انھیں کے ساتھ آپ کو رہنا ہوگا، آپ ان کی طرف سے اپنی نگاہ بھی نہیں ہٹا سکتے، اس
حرص کی بالکل ضرورت نہیں کہ بڑے بڑے لوگ دین میں داخل ہو جائیں۔

اس کے بعد اللہ رب العزت نے فرمایا کہ جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے
غافل بنا دیا ہے، اسے ہماری یاد آتی ہی نہیں، وہ اللہ کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہے، آپ اس
کی بات مت مانیے، اس کی کچھ نہ سنیے۔ آج ہم ایسے ہی لوگوں کی بات مانتے ہیں جو اللہ کو
بالکل نہیں یاد کرتے، اپنی خواہش نفسانی کے اوپر چلتے ہیں، اپنے مال و دولت اور اپنی عزت
پیدا کرنے کے لیے ہم کو آپ کو بہکاتے ہیں، ہم انھیں کی بات مانتے ہیں، محمد رسول اللہ
ﷺ کو حکم ہوا تھا کہ ﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا﴾ (جس کے قلب کو ہم
نے اپنی یاد سے غافل بنا رکھا ہے اس کی بات ہرگز نہ مانیے) اور فرمایا کہ ﴿وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ﴾
اپنی خواہش نفس کی پیروی کرتا ہے، اپنا جو جی چاہتا ہے مزے اڑانے کے لیے، عزت
و منصب حاصل کرنے کے لیے، اپنی جی کی خواہش کی پیروی کرتا ہے ﴿وَكَانَ اَمْرُهٗ
فُرُطًا﴾ (اور اس کا معاملہ حد سے زیادہ تجاوز کر گیا ہے) ایسے لوگوں کی بات آپ نہ سنیے۔

ساتھی کیسا ہو؟

یہ ہدایت ہے متبوع کو، امام اور پیشوا کو کہ اپنا ساتھی اپنا تابع کس کو بنائیں؟ کس
کے ساتھ رہیں، بیٹھیں؟ کیسے لوگوں کو تربیت دیں؟ اس آیت کریمہ میں جناب محمد رسول
اللہ ﷺ کو ہدایت ہے کہ اس قسم کے لوگوں کے ساتھ آپ کو رہنا ہے اور فلاں قسم کے
لوگوں کو اپنے نزدیک بھی نہیں پھٹکنے دینا ہے، ان کی ایک بات بھی نہیں سننا اور نہ ماننا ہے۔
ہے کسی کو دھیان ان باتوں کا آج؟ آج لوگوں کو ان باتوں کی طرف بالکل
دھیان نہیں ہے۔

ایک مرتبہ پھر آیت کریمہ کا ترجمہ کیے دیتا ہوں، آپ اپنے کو روکے رکھیے ان
لوگوں کے ساتھ جو اللہ رب العزت کو پکارتے ہیں صبح و شام (یعنی تھوڑا سا آپ کو اس کے

لیے صبر کرنا پڑے گا) اور فرمایا کہ یہی لوگ جو صبح وشام اللہ رب العزت کو یاد کرتے ہیں یہی لوگ اس قابل ہیں کہ آپ اپنی توجہ انھیں کے اوپر رکھیے، ان کی طرف سے آپ کی نگاہ ہٹ کر ان لوگوں کے اوپر نہ جائے جو بڑے بڑے دولت والے ہیں، نخوت والے ہیں، شان وشوکت والے ہیں، اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ غریب ہی کافی ہیں، اور فرمایا کہ جن لوگوں کے دل ہماری یاد سے غافل ہوں، جو اپنے نفس کی خواہش کی پیروی کرتے ہوں اور اس بارے میں ان کا معاملہ حد سے تجاوز کر گیا ہو، ان کی بات نہ مانیے ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن کی تعلیمات پر عمل کی توفیق بخشے ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

مرنے کے بعد ہر انسان افسوس کرتا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، نَحْمَدُهٗ، وَنَسْتَعِيْنُهٗ، وَنَسْتَغْفِرُهٗ، وَنُؤْمِنُ بِهٖ، وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا. أمابعد!

فقد قال رسول اللّٰہ ﷺ: مَا مِنْ أَحَدٍ يَمُوتُ إِلا نَدِمَ، قالوا: وَمَا نَدامَتُه يا رسولَ اللّٰه؟ قال: إِنْ كَانَ مُحْسِناً نَدِمَ أَنْ لا يَكونَ ازْدَادَ، وإِنْ كَانَ مُسِيئاً نَدِمَ انْ لا يَكُونَ نَزَعَ.

حضرت عبداللہ بن مبارک کا مقام ومرتبہ:

میں نے اس وقت ایک حدیث پاک جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی آپ کے سامنے پڑھی ہے، یہ حدیث میں نے زبانی نہیں پڑھی ہے، میرے ہاتھ میں ایک کتاب ہے، اس کی نسبت میں پہلے بتادوں کہ یہ کون سی کتاب ہے، یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کے لکھنے والے کی شخصیت اور اس کی عظمت وجلالت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے علماء کرام، بڑے بڑے محدثین، امام بخاری وغیرہ سے بھی پہلے کے لوگ، ان کے اساتذہ کے درجہ کے لوگ، یہ کہتے تھے کہ ہم نے عبداللہ بن مبارک (اس کتاب کے مصنف) کو دیکھا ہے، ان کے حالات کا جائزہ لیا ہے، اور صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) کے بھی حالات پڑھے ہیں، ان کی سیرتیں بھی ہم نے پڑھی ہیں حدیث کی کتابوں میں، کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک اور صحابۂ

کرام (رضی اللہ عنہم) میں کوئی فرق ہم کو محسوس نہیں ہوتا ہے، سوائے اُس بات کے، جس میں ان کا کوئی مساہم اور شریک ہو ہی نہیں سکتا، اور وہی سب سے بڑا ان کا سرمایۂ افتخار و امتیاز ہے کہ آنحضور سرور عالم ﷺ کا دیدار، آپ کی صحبت، اور آپ کے ساتھ لڑائیوں میں شرکت ان کو نصیب ہوئی تھی، بس یہ بات تو عبداللہ بن مبارک میں نہ تھی، باقی اور کسی بات میں ہم عبداللہ بن المبارک اور حضرات صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے درمیان فرق نہیں پاتے۔ عبادات میں، علم میں، چال ڈھال میں، اپنے اوقات کو صحیح کاموں میں لگانے میں، جہاد میں، غزوہ میں، غرضیکہ جو جو خوبیاں صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) میں تھیں، کہتے ہیں کہ سب خوبیوں میں سمجھو کہ وہ برابر کے شریک ہیں؛ مگر ہاں وہی ایک چیز ہے کہ حضرت (ﷺ) کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہونا، حضرت کے دیدار سے اپنی آنکھیں منور کرنا، حضرت کے صحبت میں رہنا، یہ سب سے بڑی بات ہے، بس یہ بات تو نہیں تھی۔

یہ معمولی بات نہیں ہے جو میں کہہ رہا ہوں، حضرت عبداللہ بن المبارک کا درجہ اور مرتبہ یہ ہے کہ امام بخاری کے استاذوں کے استاذ ہیں، ان کی وفات ۱۸۱ھ میں ہوئی، جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے ایک سو اکیاسی سال بعد ان کی وفات ہوئی ہے، یہ بھی خوب سمجھ لو، یعنی دوسری صدی ہجری کے اندر یہ موجود تھے، اور دوسری صدی ہی میں اس کے پورا ہونے سے انیس (۱۹) برس پہلے ان کی وفات ہوئی ہے، اتنے پرانے ہیں، حضرت امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے شاگرد رشید، اور جتنے بڑے بڑے ائمہ ہیں، ان سب کے استاذ اور شیخ، اور بخاری وغیرہ کے تو استاد کے استاد ہیں، دادا پیر جیسے ہوتے ہیں، یہ وہ تھے۔

حضرت امام ابوحنیفہ کے زمانے کے اور ان کے برابر کے لوگوں میں سفیان ثوری ایک بزرگ ہیں، کوفہ کے، امام ابوحنیفہ کے جوڑ پر ان کا نام لیا جاتا ہے، اور کچھ شبہہ نہیں کہ وہ بہت بڑے امام تھے، فقہ وحدیث کے، ان کی پاک دامنی، ان کی کثرت علم، ان کی امامت کے اوپر سب کا اتفاق ہے، وہ سفیان ثوری کہتے تھے، کہ میں اس بات کا متمنّی تھا، میری آرزو

تھی کہ میری زندگی بھی بالکل عبداللہ بن المبارک کی سی زندگی ہوتی؛ لیکن زندگی تو دور ہے، میں نے پوری کوشش کر کے دیکھ لیا، ایک دن بھی میں ان کے برابر نہیں ہو سکا، ایک دن کی زندگی بھی میری ان کے برابر نہیں ہو سکی، یعنی ایک دن میں وہ جو کام کرتے تھے، علم کا، عمل کا، عبادت کا، ریاضت کا، میں ایک دن بھی ان کے برابر نہیں ہو سکا، پوری زندگی تو درکنار!

کتاب الزهد والرقائق کی خصوصیات اور اس کی پہلی اشاعت:

یہ اس شخص کی کتاب ہے، اور ۱۸۱ھ میں تو ان کی وفات ہوئی ہے، اس سے پہلے ہی لکھی ہوگی، کھلی ہوئی بات ہے، دس بیس برس مرنے سے پہلے ہی لکھا ہوگا، اس وقت سے لے کر آج تک کبھی یہ کتاب چھپی نہیں تھی، دو تین سو سال پہلے تک تو چھپنے چھپانے کا کوئی رواج ہی نہیں تھا؛ لیکن پریس کا جب کہ تقریباً دو سو برس سے رواج شروع ہوا ہے، اس دو سو برس کے اندر بھی کبھی ان کی یہ کتاب نہیں چھپی، ان کی وفات ۱۸۱ھ میں ہوئی، اور یہ کتاب ۱۳۸۵ھ میں پہلی دفعہ چھپی ہے، یعنی ۱۲۰۴ برس ان کی وفات کے بعد یہ کتاب چھپی ہے، ایک ہزار سے بھی زیادہ کا زمانہ گزر گیا۔

کتاب کیا ہے؟ تو ابھی میں نے ایک حدیث اس کی پڑھ کر سنائی ہے، اس کتاب میں آنحضرت ﷺ کی حدیثیں ہیں، صحابۂ کرام کے اقوال ہیں، اور بہت سے تابعین کے اقوال ہیں، اُن تابعین کے جو اجلۂ علماء میں سے ہیں، ان صحابۂ کرام کے جو بہت بزرگ ہیں، محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں میں سے ہیں، مضمون زیادہ تر اس میں زہد کا ہے، دنیا سے بے رغبتی، آخرت کی طلب، دنیا کے پیچھے اپنے کو ہلاک و برباد نہ کرنا، بلکہ آخرت کی طلب کو مقدّم رکھنا، اس کی ترغیب؛ دنیا کا بہت حریص ہونا، ایسا حریص کہ اس کے پیچھے اپنی عاقبت برباد کر دے اس سے ممانعت، اور اس سے متعلق کچھ واقعات، کچھ لوگوں کے اقوال، اور محمد رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں ہیں۔

صحاح ستہ کے مآخذ:

اس کتاب کا درجہ یہ ہے کہ اس سے اور اسی طرح کی دوسری کتابوں سے صحاحِ ستہ -یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابنِ ماجہ، ابو داؤد، ترمذی اور نسائی -جن کو لڑکے آخری سال میں پڑھتے ہیں، تو کہا جاتا ہے کہ دورہ پڑھ رہے ہیں، اور جس سے فارغ ہونے کے بعد وہ مولوی شمار کیے جاتے ہیں، اور ان کی دستار بندی ہوتی ہے، وہ کتابیں اسی طرح کی کتابوں سے تیار ہوئی ہیں، گویا ان کتابوں کی بنیاد یہ ہے، چنانچہ یہ حدیث جو میں نے ابھی پڑھی ہے، اسے بھی انھیں عبداللہ بن المبارک کے واسطہ سے امام ترمذی نے اپنی سنن کے اندر روایت کیا ہے۔ ان کے ایک شاگرد تھے سُوَید، سوید کے شاگرد تھے ترمذی؛ امام ترمذی نے سوید سے، اور سوید نے عبداللہ بن المبارک سے اس حدیث کو سنا تھا، اس کتاب کی اس حدیث کو سوید کے واسطے سے امام ترمذی اپنی کتاب میں لائے ہیں، بہت ساری حدیثیں اس میں ایسی ملیں گی، جو بخاری کے اندر ہیں، یعنی امام بخاری نے اپنے استاد سے، اور انھوں نے عبداللہ بن المبارک سے اس حدیث کو سنا ہے، اور امام بخاری نے اپنی بخاری میں اس کو نقل کیا ہے۔

منکرینِ حدیث کا اجمالی رد:

میں بتانا چاہتا ہوں کہ صحاحِ ستہ ہماری بنیادی کتابوں میں ہیں، حدیث کا دارومدار انھیں کے اوپر ہے؛ مگر وہ حدیثیں کن بنیادی کتابوں سے لی گئی ہیں؟ یہ سب کتابیں ہیں۔ ضرورت تھی اس بات کی کہ اب سے پہلے ان کتابوں کو برسرِ عام لایا جاتا، تاکہ بعد کی کتابوں کی تصدیق ہوتی، بخاری نے اگر کہا کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا فرمایا، اور میں نے فلاں سے اور اس نے عبداللہ بن المبارک سے سنا، تو اُس کی کتاب کو دیکھ کر اس کی تصدیق ہوسکتی ہے کہ بخاری نے غلط نہیں کہا، اس کتاب میں یہ حدیث موجود ہے، کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہوتی کہ بخاری نے ایسے ہی گڑھ لیا ہے، جیسا کہ منکرینِ حدیث کا فرقہ کہتا ہے، ان چیزوں کی نہایت ضرورت تھی، اور یہ حدیث کی ایک بہت عظیم الشان خدمت ہے۔

مدارس کی ذمہ داریاں:

میں نے اسی طرح کی بات اس سے پہلے بھی کہی تھی، اور آج بھی اسی واسطے خاص طور سے اس کتاب کی یہ حدیث پڑھ کر سنا رہا ہوں کہ یہ ایک بہت بڑا علمی کام تھا، ایسے ہی علمی کاموں کے واسطے ہم لوگوں نے ادارے قائم کیے تھے، ہم نے مثلاً مفتاح العلوم قائم کیا، تو اسی لیے قائم کیا تھا کہ اپنے لڑکوں کو جو بخاری پڑھتے ہیں، یہ سب باتیں بتائیں، انھیں بتائیں کہ بخاری ان کتابوں سے بنی ہے، اور دیکھو ان کی گھڑی ہوئی نہیں ہے؛ دوسرے یہ کہ جو کچھ بخاری میں پڑھایا جاتا ہے، اس کی تقویت اور تائید ان کتابوں سے ہوتی ہے۔ ہم نے ان مدارس کو اسی لیے قائم کیا تھا کہ ان کے ذریعے سے حدیث کی خدمت ہو۔

کتاب کی اشاعت اور اس کی مقبولیت:

دیکھو جن کتابوں سے اب تک ہندوستان کے -تم کہہ لو کہ- ننانوے فیصد لوگ ناواقف تھے، اور بڑے بڑے علماء نے آنکھ سے دیکھا بھی نہ تھا، ان بنیادی کتابوں میں سے ایک یہ ہے۔ عبداللہ بن المبارک کی اس کتاب کا ایک نسخہ بھی ہندوستان کے اندر نہیں تھا، اسکندریہ سے، قطر سے، اور کہاں کہاں سے اس کا فوٹو منگوایا گیا، اور اس کو نقل کرایا گیا، پھر اس پر حاشیہ لکھا گیا، اور لکھنے کے بعد مالیگاؤں میں اس کو چھپوایا گیا، ۱۳۸۵ھ میں، کتنے دن ہوئے؟ پندرہ برس ہوئے چھپے ہوئے، اور پھر اس کے بعد کتاب کی مقبولیت کے متعلق میں یہ قصہ بتادوں کہ جب میں بیروت گیا، تو دو تین دن کے بعد وہاں کے ایک عالم آئے، اور کہنے لگے کہ کتابُ الزہد والرقائق، عبداللہ بن المبارک کی، یہاں کے ایک تاجر نے بلا اجازت فوٹو آفسٹ کے ذریعہ چھاپ لیا ہے، اور خوب دھڑلے سے بیچتا ہے، میں نے کہا کہ اس کو میرے پاس لے آؤ، کہا کہ بہت مشکل ہے، آئے گا نہیں، میں نے کہا کہ تم کہو تو اس سے، بہر حال بڑی کوشش کے بعد اسے لائے، تو اس نے اعتراف کیا کہ ہاں صاحب میں نے اسے چھاپ لیا ہے، اب میری آپ سے درخواست ہے کہ مجھ کو ایک اجازت نامہ

لکھ دیجیے، میں نے اس سے کہا کہ اجازت نامہ یوں نہیں ملے گا، یہ مجلس احیاء المعارف کی طرف سے چھپی ہے، پچاس نسخے اس کے لیے تم کو دینے پڑیں گے، اور ایک ہزار روپیہ، تب تم کو اجازت دوں گا؛ چنانچہ اس نے ایک ہزار روپئے اور پچاس نسخے دیے، اور ہم نے جو ہندوستان میں چھپوایا تھا، تو ابھی تک اس کے نسخے باقی ہیں، اور اس نے کئی ہزار چھپوا کر تمام بلاد عرب میں پہنچا دیا، بہر حال دین کا یہ بڑا اہم کام تھا۔

حضرت کی سند:

بس اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ اب وہ حدیث سنئیے! اس سے پہلے، اسی سلسلے میں ایک بات اور بھی کہہ دوں کہ محدثین کے طریقے کے مطابق اس کتاب کی اجازت مجھے اپنے استاذ مولانا عبدالغفار صاحب سے اس سند کے ساتھ حاصل ہے جو اس کتاب کے شروع میں مذکور ہے، میں اس پوری کتاب کی اجازت اس مجمع میں موجود، مولوی بشیر احمد مبارکپوری مدرس مدرسہ گھوسی، اور مولوی نعمت اللہ صاحب پورہ معروف جو بنارس میں پڑھاتے ہیں، اور اپنے لڑکے رشید احمد، اور مولوی امانت اللہ صاحب، اور مولوی ریاض الحق صاحب کو دیتا ہوں۔

مرنے کے بعد کا پچھتاوا:

اب میں کہتا ہوں کہ آنحضور سرور عالم ﷺ نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو آدمی اس دنیا سے اٹھتا ہے، تو بہر حال مرنے کے بعد پچھتاتا ہے؛ جس کی بھی، جب بھی وفات ہوتی ہے، کوئی بھی ہو، بلا استثنا ہر مرنے والا پچھتاتا ہے، نادم و پشیمان ہوتا ہے، صحابہ کہتے ہیں کہ ہم نے پوچھا: يا رسول الله ما ندامته؟ کیوں پشیمان ہوتا ہے؟ کس چیز پر پچھتاتا ہے؟ کہا کہ سنو! اچھا ہوتا ہے تو اس بات پر پچھتاتا ہے کہ دو چار دن اور جی لیے ہوتے، تو کچھ اور کر لیے ہوتے، کچھ اور نمازیں پڑھ لیتے، کچھ اور نیکی کر لیتے، اس کو اس کا پچھتاوا ہوتا ہے؛ اور جو کوئی بدکار ہوتا ہے، تو پچھتاتا ہے کہ اے کاش ہم نے تو ابھی توبہ بھی

نہیں کی تھی، برائی سے باز نہیں آئے تھے کہ مر گئے، زندہ رہ جاتے تو ممکن ہے کل توبہ کر لیتے، پرسوں توبہ کر لیتے۔ غرض نیک اور بد ہر ایک اپنے مرنے کے بعد پچھتاتا ہے، کوئی باقی نہیں بچے گا، ہر ایک شرمندہ ہوگا؛ مگر دعاء کیجیے کہ اللہ رب العزت ہم کو پہلی قسم میں بنائے، ہم کو پچھتاوا اس بات کا ہو کہ خداوندا کچھ اور جیے ہوتے، تو کچھ اور نماز روزہ کیے ہوتے۔

وقت کو غنیمت سمجھنا چاہئے:

اور میں بتاؤں کہ اس کے اندر ایک بہت بڑی ہدایت ہمارے اور آپ کے لیے ہے کہ وقت کو بہت غنیمت سمجھنا چاہئے، اور تسویف و تاجیل سے کام نہیں لینا چاہئے کہ اچھا بھائی کل کر لیں گے، پرسوں کر لیں گے، آپ کسی نیکی کا ارادہ کرتے ہیں، تو آج سے کل پر اٹھا نہ رکھئے، آج ہی کر لیجئے، ایسا نہ ہو کہ پچھتاتے رہ جائیں کہ ارے ہم نے کر لیا ہوتا، وقت کو غنیمت باردہ سمجھنا چاہئے، اور آج کے دن سمجھنا چاہئے کہ پھر اس کے بعد ہمارا کوئی وقت نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) نے یا حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا -خواہ مرفوع حدیث ہو، یا خود ان کا قول ہو- کہ: إِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تُحَدِّثْ نَفْسَكَ بِالْمَسَاءِ، وَإِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تُحَدِّثْ بِالصَّبَاحِ (۱)، کہ جب صبح ہو اپنے جی سے شام کی بات مت کرو کہ شام کو کر لیں گے، جی نہیں، معلوم نہیں شام آئے گی کہ نہیں آئے گی، اور شام آ جائے تو صبح کی بات مت کرو کہ کل صبح کر لیں گے، کیا معلوم کہ صبح بھی ہوگی کہ نہیں۔

اسی وجہ سے بعض بزرگوں کا واقعہ اسی کتاب میں لکھا ہوا ہے، کہ ایک بزرگ ایک قبرستان پر پہنچے، قبرستان سامنے آئی، سواری پر سے اتر کے انھوں نے فوراً دو رکعت کی نیت باندھی اور نماز پڑھ لی، کسی نے پوچھا کہ یہ تو نئی بات آپ سے دیکھی گئی، انھوں نے کہا کہ میں نے یہ قبرستان دیکھی اور مردوں کے حال کے اوپر، ان کی بے بسی کے اوپر نظر ڈالی کہ دیکھو یہ کچھ

(۱) کتاب الزہد: ۱۳۰، سنن ترمذی: ۲۳۳۳

نہیں کر سکتے، اس میں بڑے بڑے بزرگ ہوں گے، بڑے نیکوکار؛ مگر یہ ایک دفعہ سبحان اللہ بھی نہیں کہہ سکتے، تو میں نے کہا کہ لاؤ اس وقت تھوڑا سجدہ کرلوں، کم از کم دو رکعت نماز پڑھ لوں، بھئی ہر ایک اسی حال میں ہوں گے۔

بس دعاء کیجئے کہ اللہ رب العزت ہم کو اپنے وقت کی قدر جاننے کی توفیق عطا فرمائے، اور اللہ رب العزت ہم کو اپنے دین کے کاموں میں لگائے رکھے۔

واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین.

☆......☆......☆......☆......☆

☆......☆......☆......☆

☆......☆......☆

مسلم پرسنل لا یا اسلامی شریعت

[مورخہ ۴/۵ مارچ ۱۹۷۲ء کو انصاری لائبریری خیرآباد کے زیر اہتمام ایک عام دینی اجلاس اور پھر ایک دوسری نشست میں علمائے کرام کا ایک عظیم الشان اجتماع زیر صدارت محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی مدظلہم العالی ''مسلم پرسنل لا'' کے سلسلہ میں ہوا، جس میں حسب ذیل علمائے کرام قابل ذکر ہیں:

مولانا نذیر احمد صاحب صدر المدرسین مدرسہ منبع العلوم خیرآباد، مولانا بشیر احمد صاحب شیخ الحدیث جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور و سابق صدر المدرسین جامعہ عربیہ حیات العلوم مرادآباد، مولانا عبدالباری صاحب قاسمی ناظم جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور، مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوری ایڈیٹر ''البلاغ'' بمبئی، مولانا خالد کمال صاحب استاد جامعہ گھانا (افریقہ)، مولانا عبدالحلیم صاحب فاروقی دار المبلغین لکھنؤ، مولانا عبدالعلی صاحب فاروقی دار المبلغین لکھنؤ، مولانا شکر اللہ صاحب استاد جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور، مولانا نیاز احمد صاحب استاد جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور، مولانا عبدالستار صاحب قاسمی مبارک پوری، مولانا قمر الدین صاحب استاد مدرسہ منبع العلوم خیرآباد، مولانا زین الحق صاحب استاد مدرسہ منبع العلوم خیرآباد، مولانا زبیر احمد صاحب مدرسہ منبع العلوم خیرآباد، مولانا حکیم عبدالحکیم صاحب خیرآبادی قاسمی، مولانا عبدالستار ناظم مدرسہ رحیمیہ بھیرہ، مولانا عبدالحلیم صاحب ناظم مدرسہ نور الاسلام ولید پور، مولانا عبدالجبار صاحب، مولانا حکیم اکبر علی صاحب محمدآبادی، مولانا نظام الدین صاحب خیرآبادی، مولانا نثار احمد صاحب خیرآبادی، مولانا منظور احمد صاحب قاسمی، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی، مولانا عبدالحی صاحب استاد مدرسہ منبع العلوم خیرآباد اور ان کے علاوہ اور بہت سے دیگر علمائے کرام نے شرکت کی۔

اس مجلس میں باتفاق رائے یہ طے پایا کہ اسلام کے ازلی و ابدی اور کامل و مکمل

احکام وقوانین اور اصول میں کسی قسم کے ردوبدل یا ترمیم وتنسیخ کا حق کسی فرد یا جماعت یا حکومت کو حاصل نہیں ہے، اور اگر یہ نئے تقاضے ہیں، تو اسے کتاب وسنت اور اسلامی علوم کے دیانت دار ماہر اہل علم ہی حل کر سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جلسۂ عام نے ایک قرارداد منظور کی، جس کا متن قارئین کے لیے درج کیا جاتا ہے:

''تجویز:- مسلمانان خیرآباد اور اطراف وجوانب کے مسلمانوں کا یہ جلسۂ عام ایمان ویقین کی پوری طاقت کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ جملہ اسلامی احکام وقوانین کامل ومکمل اور دائمی ہیں، اور کسی مسلم یا غیر مسلم فرد یا جماعت یا حکومت کو ان میں کسی قسم کے ردوبدل یا ترمیم وتنسیخ کا کوئی حق نہیں ہے، اور جو چند جدید مسائل حالاتِ زمانہ کی پیداوار ہیں، ان کے بارے میں غوروفکر کا حق صرف انھیں علمائے کتاب وسنت اور ماہرین علوم شرعیہ کو ہے، جو دین کے اصول وفروع کے علم کے ساتھ ساتھ دیانت داری اور تقویٰ اور اخلاص میں معیار کا درجہ رکھتے ہیں، اور جس طرح ہر دور میں پیدا ہونے والے مسائل ومعاملات کا حل علمائے اسلام نے تلاش کیا ہے، اسی طرح آج بھی وہی موجودہ مسائل کا حل تلاش کرنے کے مجاز ہیں، اور کسی فرد یا جماعت یا حکومت کو مطلق حق حاصل نہیں ہے کہ وہ بلا واسطہ یا بالواسطہ ایسے دینی امور میں دخل دے''۔

علمائے کرام کے عظیم الشان اجتماع کے موقع پر حضرت محدث جلیل مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی مدظلہم نے جو جامع، مدلّل خطبہ ارشاد فرمایا، وہ اس مسئلہ میں حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے اور اسلامی نقطۂ نظر کی مکمل ترجمانی کرتا ہے۔

ہم اس کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر حضرت مولانا موصوف کی خدمت گرامی میں ہدیۂ سپاس پیش کرتے ہوئے ''ایک فکری سنگ میل'' کی حیثیت سے شائع کر کے نذر قارئین کر رہے ہیں اور جناب باری تعالیٰ میں ہم دست بدعا ہیں کہ اشاعت علوم دینیہ کی اس خدمت میں ہمیں اخلاص ارزانی عطا فرمائے اور بجائے خود ہر ایک قاری کو اپنے مقصد ایمانی سے قریب سے قریب تر کر کے حلاوت ایمانی سے بہرہ اندوزی کا موقع دے، آمین]

اَلْحَمْدُ للهِ، نَحْمَدُهٗ، وَنَسْتَعِيْنُهٗ، وَنَسْتَغْفِرُهٗ، وَنُؤْمِنُ بِهٖ، وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، أَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا. أما بعد!

اسلامی شریعت خدا کی نازل کی ہوئی، اسلامی قانون اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا، اور مسلم پرسنل لا حق تعالیٰ کا وضع کیا ہوا ہے۔

۱۔ ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورة الجاثية پ ۲۵ ر ۱۷) پھر تجھ کو رکھا ہم نے ایک رستہ پر اس کام کے سو تو اسی پر چل اور نہ چل چالوں پر نادانوں کے۔

۲۔ شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا الآية (سورة الشورى پ ۲۵ ر ۲) اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا۔

۳۔ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ (سورة المائدة پ٦ ر ٥) تمہارے لیے دریا کا شکار پکڑنا اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے۔

٤۔ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْأَنْعَامِ (سورة المائدة پ ٦ ر ٥) حلال ہوئے تم کو چوپائے مواشی۔

٥۔ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلٰى نِسَائِكُمْ (سورة البقرة پ ٢) تم لوگوں کے واسطے روزہ کی شب میں اپنی بیویوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا ہے۔

٦۔ أُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ (سورة النساء پ ٥ ر ١) ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمھارے لئے حلال کی گئی ہیں۔

٧۔ اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ (سورة المائدة پ٦ ر ٥) آج حلال ہوئیں تم کو سب

چیزیں ستھری۔

۸۔قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمْ تَحِلَّۃَ اَیْمَانِکُمْ(سورۃ التحریم پ۲۸ ر۱۹) تحقیق مقرر کردیا اللہ نے واسطے تمھارے کھولنا قسموں تمھاری کا۔

۹۔حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّھٰتُکُمْ(سورۃ النساء پ ٤) تم پر حرام کی گئی ہیں تمھاری مائیں۔

۱۰۔اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ(سورۃ البقرۃ پ ۲) اللہ تعالیٰ نے تم پر صرف حرام کیا ہے مردار کو۔

۱۱۔اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا(سورۃالبقرۃ پ۳ ر٦) اللہ نے حلال کیا سودا کرنا اور حرام کیا سود۔

۱۲۔وَقَدْ فَصَّلَ لَکُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ(سورۃ الانعام پ۸ ر۱) حالانکہ اللہ نے ان سب جانوروں کی تفصیل بتلادی ہے جن کو تم پر حرام کیا ہے۔

۱۳۔قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّکُمْ عَلَیْکُمْ (سورۃانعام پ۸ ر٥) تم کہو آؤ میں سنا دوں جو حرام کیا ہے تم پر تمھارے رب نے۔

۱٤۔وَمَا آتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا(سورۃالحشر پ۲۸ ر٤) اور رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز کے لینے سے تم کو روک دیں تم رک جایا کرو۔

۱۵۔وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (سورۃالنجم پ۲۷ ر٥) اور نہیں بولتا وہ اپنی چاؤ سے یہ تو حکم ہے جو پہنچتا ہے اس کو۔

حتیٰ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے بھی خدا ہی قانون بناتا ہے اور اسی قانون پر چلنا ان کے لیے لازم قرار دیتا ہے۔خدا فرماتا ہے:

۱۔یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ اللّٰتِیْ آتَیْتَ اُجُوْرَھُنَّ (سورۃالاحزاب پ۲۲ ر۳) اے نبی ہم نے حلال رکھیں تجھ کو تیری عورتیں جن کی مہر تو دے چکا۔

۲۔لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا اَنْ تَبَدَّلَ بِھِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ (سورۃ الاحزاب پ۲۲ ر۳) حلال نہیں تجھ کو عورتیں اس کے بعد اور نہ یہ کہ ان کے بدلے اور کرے عورتیں۔

اور اگر نبی نے خدا کی حلال کی ہوئی چیزوں میں سے کسی چیز کو اپنے لیے ممنوع قرار دے لیا،تو خدا نے اس پر نکیر فرمائی:

یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ (سورۃ التحریم پ۲۸ ر۱۹) اے نبی کیوں حرام کرتا ہے اس چیز کو کہ حلال کیا خدا نے تیرے واسطے۔

انبیاء اسی کے لیے مامور ہیں کہ وہ خدا کی نازل کی ہوئی شریعت کو لوگوں تک پہنچائیں:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ رَبُّکُمْ(سورۃالانعام پ۸ ر٦) تم کہو آؤ میں سنا دوں جو حرام کیا ہے تم پر تمھارے رب نے۔

کسی قوم نے اپنے طور پر کوئی شریعت بنائی تو اللہ نے ان پر سرزنش فرمائی:

شَرَعُوْا لَھُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَأْذَنْ بِہِ اللّٰہُ (سورۃالشوریٰ پ۲۵ ر٦) اور جنھوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کردیا ہے جس کی خدا نے اجازت نہیں دی۔

لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبَاتِ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ (سورۃالمائدۃ پ۷ ر۲) اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تمھارے واسطے حلال کی ہیں ان میں لذیذ چیزوں کو حرام مت کرو۔

اس لیے اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ شارع حقیقی اللہ ہے،تشریع کہیے یا تحلیل و تحریم اللہ کا حق ہے،انبیاء و رسل خدا کی شریعت و قانون کے مبلغ اور شارح ہیں،اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:کَلَامِی لَا یَنْسَخُ کَلَامَ اللّٰہِ (میرا اجتہادی کلام یا میری ذاتی رائے اللہ کے کلام کو نہیں بدل سکتی) حاصل یہ کہ خدا کے نازل کردہ قانون میں خود انبیاء علیہم السلام بھی کوئی ترمیم نہیں کرسکتے۔

اس اصولی بات کو مثالوں کی مدد سے یوں سمجھئے کہ جب خدائی قانون ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ.

ترجمہ:وہ طلاق دو مرتبہ ہے پھر خواہ رکھ لینا قاعدہ کے موافق خواہ چھوڑ دینا خوش

عنوانی کے ساتھ۔

تو دنیا کا کوئی قانون طلاق کو کالعدم اور بے اثر نہیں بنا سکتا، اور جب خدا نے ماں، بہن اور مشرکہ عورت سے مرد کے نکاح کو اور مشرک مرد سے عورت کے نکاح کو حرام قرار دیا ہے، تو کسی قانون سے ان کے ساتھ نکاح حلال نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح خدا نے لڑکے اور لڑکی کو میراث میں برابر نہیں قرار دیا ہے، تو کسی قانون کے ذریعہ ان دونوں کو برابر حق نہیں دیا جاسکتا۔ اور جب خدائی قانون میں سود حرام ہے، تو کسی انسانی قانون سے حلال نہیں ہوسکتا، وغیرہ وغیرہ۔

اسلامی شریعت کا بہت بڑا حصہ وحی الٰہی کے ذریعہ (وحی متلو یا غیر متلو) بعینہ نازل ہوا ہے، جو قرآن کریم اور دفاتر حدیث میں پھیلا ہوا ہے؛ اور کچھ حصہ وحی الٰہی سے نازل شدہ احکام وقوانین کے دلالات واشارات کی مدد سے قرآن وحدیث وعربی زبان کے خصوصی ماہروں نے - جو ان کے احکام وقوانین پر حیرت انگیز طریقہ سے حاوی تھے - قانون کے منشاء کو سمجھ کر ظاہر اور نمایاں کیا ہے، جو مختلف مدارسِ اجتہاد ومکاتبِ فقہ کی مساعی جمیلہ سے کتبِ فقہ میں مدون ہے۔

اسلامی شریعت یا مسلم پرسنل لا کے اس حصہ میں بھی کوئی ترمیم اس لیے ممکن نہیں ہے، کہ ترمیم کے لیے ضروری ہے کہ وہ نازل شدہ قانون کے منشاء کے مطابق ہو۔ اور قانون میں اس کا کوئی اشارہ یا اس پر کسی طرح کی دلالت پائی جاتی ہو، اسی وقت وہ ترمیم مسلم پرسنل لا میں شامل ہونے کی مستحق ہوگی۔

اور آج دنیا کے کسی حصہ میں کوئی ایسا نظر نہیں آتا جس میں وہ صلاحیت واہلیت موجود ہو، جو قانون کے منشاء کو کما حقہ سمجھنے کے لیے اور نازل شدہ قوانین کی تشریح یا ان پر تفریع یا ان سے اخذ واستنباط کے لیے درکار ہے۔

اس کے علاوہ اس میں کسی ترمیم کی شرعی ودینی نقطۂ نظر سے کوئی ضرورت بھی نہیں

ہے؛ اس لیے کہ مجموعی مسلم پرسنل لا میں مسلمانوں کے لیے پیش آنے والی ہر مشکل کا حل، ہر نئے حادثے کا حکم، اور ہر زمانے کی ضروریات کو پورا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اگر نازل شدہ قانون کی کوئی ایک تشریح یا تفریع کسی زمانے میں ناکافی، یا ناممکن العمل ہو، یا قانون کے منشاء کو پورا نہ کرتی ہو، تو کسی دوسرے معتمد مکتبِ اجتہاد کی تشریح یا تفریع کو بروئے کار لایا جاسکتا ہے؛ لیکن یہ کام کسی بھی لادینی، یا نام نہاد دینی واسلامی حکومت کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے اور اس کو اس میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے، یہ مسلمانوں کا خاص مذہبی معاملہ ہے۔ ایسے مواقع میں کسی بھی اشکال کا حل تلاش کرنا اور قانون کی متبادل تشریح یا تفریع کی جستجو کرکے اس کو بروئے کار لانا متدین ومستند، وسیع النظر ودقیقہ رس، نیز پختہ کار علماء کا فرض اور حق ہے۔

مصر وشام اور مراکش کا نام لے کر اسلامی پرسنل لا میں جس ترمیم کا ذکر کیا جاتا ہے، اس کو ترمیم کہنا ایک فریب ہے، وہ ترمیم نہیں ہے؛ بلکہ دوسرے مکتبِ اجتہاد کی یہی متبادل تشریح یا تفریع ہے، جس کو کسی سابق تشریح یا تفریع کی جگہ پر ضرورت کی بنا پر لایا گیا ہے، اور اس کو مستند علماء کی ایک جماعت نے مرتب کیا ہے۔

بہر حال ترمیم کا تخیل تو ایک ملحدانہ تخیل ہے، یا اس میں اسلام دشمنی کا جذبہ کارفرما ہے، یا انتہائی ناواقفیت پر مبنی ہے؛ لیکن اسلامی پرسنل لا کی تفریعات کو وسعت دینے اور اس کے مضمرات کو نمایاں کرنے کی شدید ضرورت ہے، تاکہ اس سائنسی دور کے حوادث اور وقت کے نئے پیدا شدہ مسائل میں اسلامی پرسنل لا کی رُو سے ایک راہِ عمل متعین ہوسکے۔

وقت کا یہ نہایت اہم اور ضروری کام ہے، اور اس کو صرف متدین ومستند علماءِ قرآن وحدیث اور بالغ نظر فقہاء ہی انجام دے سکتے ہیں، اس میں بھی کسی دوسری جماعت یا طاقت کی مداخلت قطعاً بے جا مداخلت اور ناقابل برداشت ہے۔

تعلیمِ نسواں

قیود و شرائط اور طریقۂ کار

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، نَحْمَدُہٗ، وَنَسْتَعِیْنُہٗ، وَنَسْتَغْفِرُہٗ، وَنُؤْمِنُ بِہٖ، وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ، وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، اَرْسَلَہٗ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا. أمابعد!

بزرگو! دوستو! اور عزیزو! آج جس کام کے لیے آپ اور ہم اکٹھا ہوئے ہیں، اس تقریب کی اطلاع مجھے بہت پہلے سے تھی؛ لیکن میرے ذہن میں یہ بات نہیں تھی کہ اس سلسلے میں مجھ کو کچھ تقریر بھی کرنی ہوگی، میں نے تو یہ سمجھا تھا کہ صرف سنگ بنیاد رکھنا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ میں بھی دو چار اینٹیں اس کی بنیاد کے اندر رکھ دوں گا۔ جو مدرسہ نسواں کہ آج قائم ہو رہا ہے، خلاف توقع اس وقت مجھے کچھ بولنے کے لیے کہہ دیا گیا، اس میں کوئی خاص وجہ شکایت بھی نہیں ہے؛ لیکن یہ بات بتا دینا بھی فرض سمجھتا ہوں کہ اب عموماً اپنے ضعف و علالت اور دوسرے حالات کی بنا پر تقریر کرنے سے گریز کرتا ہوں، اب عادت بھی چھوٹ چکی ہے، پھر یہ بات بھی ہے کہ اس موقع کے لیے میں ایک لمحہ بھی سوچ نہیں سکا کہ مجھے کیا کہنا چاہیے، اس کے باوجود بات یہ ہے کہ اس قسم کے مواقع پر کیا کہنا چاہیے، کس بات کی طرف متوجہ کرنا چاہیے، کن باتوں پر متنبہ کرنا چاہیے، وہ بہت واضح ہیں، واقف کاروں کے نزدیک بہت صاف ہیں، انھیں باتوں میں سے کچھ باتیں میں آپ کے سامنے کہوں گا۔

اسلامی تعلیمات کی ابدیت:

آپ کا اور ہمارا اس بات پر ایمان ہے - اور اگر کسی کا ایمان نہیں ہے، تو ہونا چاہیے - کہ دنیا چاہے جتنی آگے بڑھ جائے، سائنس چاہے جس قدر ترقی کر جائے، اور لوگوں کی نگاہ میں، لوگوں کی زبانوں پر چڑھا ہو لفظ یعنی روشن خیالی، جتنا بھی زیادہ پھیل جائے، آج کل ترقی یافتہ لوگ اپنے لیے عربی زبان میں ''متنور'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں، یعنی نئی روشنی کے لوگ، یہ نئی روشنی جس قدر بھی تیز ہو جائے؛ بہر حال اسلام کے جو احکام ہیں، قرآن کی جو تعلیم ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی جو ہدایات ہیں، وہ آج بھی اسی طرح رہیں گی، جس طرح آج سے تقریباً چودہ سو برس پہلے تھیں، اور قیامت تک اسی طرح رہیں گی، وہی احکام رہیں گے، وہی تعلیمات رہیں گی، وہی ہدایات رہیں گی، اسلام کا وہی نظریہ رہے گا، اسلام کی وہی ساری حقیقتیں رہیں گی، جو اسلام نے ہمارے سامنے کھول کر رکھ دی ہیں، قرآن کریم جن سے مملو ہے، بھرا ہوا ہے، وہ ساری حقیقتیں اپنی جگہ پر رہیں گی۔ اس نئی روشنی کو، اسلام کی روشنی کے سامنے ماند ہونا پڑے گا، اس کے سامنے اسلام کی روشنی ماند نہیں ہوسکتی، اس روشنی کے جو تقاضے ہیں اسلام کے تقاضوں کے آگے انھیں دبنا پڑے گا اور اسلام ان کے نیچے نہیں دبے گا، اسلام ہمیشہ کے لیے، ایک ابدی تعلیم ہے، وہ قیامت تک کے لیے ایک نہ مٹنے والی، اور نہ بدلنے والی تعلیم اور ہدایت ہے، اس ہدایت کے اندر کوئی تحریف نہیں ہوسکتی، کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی وہ کوئی تغیر پذیر چیز نہیں ہے۔ اس بات پر ہمارا ایمان ہے، اور اگر کسی کا نہیں ہے، تو اس کو ایمان لانا ہے، وہ مومن اسی وقت ہوگا جب کہ اس بات کے اوپر وہ یقین رکھے۔

دیکھیے مثال کے طور پر کہتا ہوں، قرآن کہتا ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾.

کوئی ایماندار نہیں ہوسکتا، جب تک وہ اپنے باہمی اختلاف اور بحث میں محمد
رسول اللہ ﷺ کو حکم نہ بنائے، انھیں فیصل نہ مانے، جب وہ لوگ ان کو حکم مانیں گے،
انھیں فیصل قرار دیں گے، تبھی ایماندار ہوں گے، اور حکم ماننا بھی اس طریقہ پر ہو کہ ان کے
فیصلے کے اوپر سر تسلیم خم کردیں، اور سر تسلیم اس طرح خم کریں کہ، اپنے دل کے اندر ذرا بھی
تنگی نہ محسوس کریں، بالکل کھلے دل اور نیت کی خوشی کے ساتھ اس کو تسلیم کریں۔

آج دنیا میں بہت سے مسائل اٹھے ہوئے ہیں، بہت سی بحثیں کھڑی ہیں، ان
تمام الجھے ہوئے مسائل ومباحث کے اندر صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی حکم
ہوگی اور جو کچھ آپ کا فیصلہ ہوگا ایمان والے کے لیے وہی واجب التسلیم ہوگا، اس میں نہ
کوئی ضیق محسوس ہونی چاہئے اور نہ تنگی۔

عورت ملازمت کے لیے نہیں پیدا کی گئی ہے:

میں بتانا چاہتا ہوں کہ آج اس نئی روشنی نے ہمارے سامنے بہت سے مسائل
کھڑے کردیے ہیں، انھیں مسئلوں میں سے یہ عورتوں کی تعلیم کا بھی مسئلہ ہے، یہ بات
اسلامی ہدایات اور اسلامی تعلیمات کی رو سے مسلّم ہے، اس میں انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ
عورت کی تخلیق اللہ رب العزت نے اس لیے نہیں کی ہے کہ وہ حاکم بنے، حتی کہ وہ اس لیے
بھی نہیں پیدا کی گئی ہے کہ نبی بنے، کوئی عورت نبی نہیں ہوسکتی؛ اسلام کی رو سے عورت کو
حکومت کا کوئی عہدہ خواہ وہ کلکٹری ہو، ڈپٹی کلکٹری ہو، نہیں مل سکتا، وہ اس واسطے بنی ہی نہیں
ہے کہ کلکٹر یا ڈپٹی کلکٹر بنائی جائے؛ عورت اس کام کے لیے نہیں پیدا ہوئی ہے کہ وکالت
کرے، بیرسٹر بنے؛ حتی کہ عورت اس کام کے لیے بھی نہیں بنائی گئی ہے کہ وہ کہیں
پڑھائے؛ عورت جس کام کے لیے بنائی گئی ہے، اسے قرآن اٹھا کر دیکھو لِتَسْكُنُوا اِلَيْهَا،
عورت اس لیے پیدا کی گئی ہے کہ اس سے تم کو سکون واطمینان حاصل ہو، وہ اس لیے ہے کہ
مسلمان اور مومن اولاد کی تربیت و پرورش کرے، ایماندار بنائے، یعنی اللہ کے احکام کو

جاری کرنے، اللہ کے احکام پر پورے طور سے عمل کرنے، شریعت اسلامیہ کو قائم و باقی
رکھنے، شریعت اسلامیہ کے نظام کے مطابق حکومت بنانے، حکومت چلانے، شریعت
اسلامیہ کے احکام کے مطابق بیع وشرا اور تجارت و زراعت، اور دوسرے وہ کام جن کے
لیے مرد پیدا کیے گئے ہیں، اس قسم کی اولاد پیدا کرے، اور ویسی ہی تربیت، ویسی ہی پرورش
و پرداخت، ویسی ہی دیکھ ریکھ کرے، عورت اسی لیے بنائی گئی ہے، اور اس کے ساتھ وہ
احکام بھی بجالائے جو اس کے حلقۂ کار تک محدود ہیں، مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور اسی
طرح کی دوسری چیزیں، پوری کرتی رہے۔

تعلیم کا مقصد اور طریقۂ تعلیم:

میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو جو یہ نئی تعلیم دی جاتی ہے، عورت اس
مصرف کی نہیں ہے؛ لیکن آج ہماری بے راہ روی نے ایسی مجبوریاں پیدا کردی ہیں کہ ہم
نے نوکری کے لیے، کاروبار چلانے کے لیے انگریزی تعلیم دینی ضروری سمجھی اور حقیقت میں
تو زیادہ تر یہ بھی نہیں، صرف نوکری چاکری کے لیے انگریزی پڑھائی جاتی ہے، کسی فنی
خدمت کے لیے مردوں کو تعلیم دی جاتی تو ٹھیک تھا؛ مگر اب یہ ہوگیا ہے کہ ہم اپنے بچوں کو
مثلاً انجینئر بنانے کے لیے، مثلاً وکیل بنانے کے لیے، یا ڈپٹی کلکٹر بنانے کے لیے، یا کسی اور
شعبے میں ملازمت دلوانے کے لیے پڑھواتے ہیں، تو ان کی ذہنی تربیت کی طرف کچھ دھیان
نہیں دیتے، ان کا ذہن کچھ ایسا بن جاتا ہے کہ وہ پڑھنے کے بعد سوچتے ہیں کہ میری بیوی
بھی بی-اے ہو، ایم-اے ہو، اور فلاں چیز کی ڈگری لیے ہوئے ہو۔ یہ تربیت کی خرابی
ہے، اب آدمی مجبور ہوتا ہے، وہ یہ سوچتا ہے کہ کسی اچھے تعلیم یافتہ لڑکے سے اپنی بیٹی بیاہنا
چاہتا ہوں، تو اگر اس کو یہ تعلیم نہیں دلوائی ہے تو داماد اور شوہر کی جیسی ذہنی تربیت ہے وہ اس کو
قبول نہیں کرے گا۔ اس مجبوری سے بہت سے لوگ اپنی لڑکیوں کو ان چیزوں کی تعلیم دیتے
ہیں، اسی بنا پر ہم بھی سوچتے ہیں کہ اگر یہ مجبوری ہوگئی ہے، تو اس کا کوئی انتظام ہو جانا

چاہئے ؛لیکن عورتوں کی تعلیم کوتو چھوڑ دیجئے ،مردوں کی تعلیم کے لیے جواسکول وکالج ہیں،
جو یونیورسٹیاں قائم ہیں،ان سب کی بنیاد،ان کا طریقۂ کار،ان کا طریقۂ تعلیم،ان کا طریقۂ
تربیت سب غیر اسلامی ہے۔حقیقت میں وہ تعلیم ہم کو مجبوری کی وجہ سے دلوانی تھی ،تو اپنے
بچوں کی تربیت، ان کی تہذیب، ان کی دیکھ ریکھ اُس طریق پر ہونی چاہئے، جو اسلام کا
طریق ہے۔

ہم انگریزی پڑھنے کو بالکل منع نہیں کرتے ؛مگر جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے، وہ غلط
ہے۔ایک لڑکا انگریزی پڑھتا ہے،تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ نماز وغیرہ تو مدرسہ میں جو طالب علم
پڑھتے ہیں ان کا کام ہے،روزہ رکھنا ان کا کام ہے،ان کو ان چیزوں سے،اسلامی وضع قطع
سے نہ کوئی دلچسپی ہے،اور نہ اپنے لیے وہ ضروری سمجھتے ہیں ؛ بلکہ وہ اپنے لیے ضروری سمجھتے
ہیں کہ ان تعلیمات کی مخالفت کریں۔اگر ایسا نہیں کرتے،تو وہ اپنی نسبت سمجھتے ہیں کہ لوگ
ہم کو دقیانوسی اور قدیم خیال کا آدمی تصور کریں گے، یہ ساری برائیاں ہیں۔ یہ برائیاں،
اسکولوں اور کالجوں سے تو دفع ہونے کی نہیں ؛ لیکن کسی مجبوری کے تحت جب ہمارے بچے
ان میں پڑھتے ہیں،تو ان کی ذہنی تربیت کا انتظام کرنا چاہئے ۔اسی طرح سے میں کہتا ہوں
کہ اب ایک مجبوری جو نسواں اسکول ہم قائم کرتے ہیں،عورتوں کے لیے کالج بناتے ہیں،تو
اس میں بھی تین چیزوں کا لحاظ ضروری ہے۔

تعلیم نسواں کی شرطیں:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جن جن فنون کی تعلیم انھیں آپ دینا چاہتے ہیں،
ان کی تعلیم تو دیجئے ،مگر ہر ہر درجے میں مذہبی تعلیمات سے ان کو آگاہ کرنا اور روشناس کرنا
سب سے زیادہ ضروری ہے۔کوئی درجہ،کوئی کلاس ایسا نہیں ہونا چاہئے ، جو اس سے خالی ہو،
ابتداء سے لے کر انتہا تک۔

دوسری چیز ان کی تربیت ہے، اسلامی ماحول میں، اسلامی اصول اور اسلامی

طریقے پر ان کی تربیت ضروری ہے، آج جو کچھ دیکھا جا رہا ہے کہ مُراہق (۱) اور جوان
لڑکیاں، اسکول جاتی ہیں،اوران کا حال یہ ہے کہ پورا سر کھلا ہوا ہے،صرف ایک کپڑا آگے
سے ڈال لیتی ہیں۔ یہ قطعی حرام ہے۔آپ چہرے کی بات رہنے دیجئے ، بالغ عورتوں کا بال
بھی شریعت اسلامیہ کی رو سے عورت ہے،اس کا چھپانا ضروری ہے، اجنبی مرد کی نگاہ پڑنا
حرام ہے،مجھ سے ایک نہیں بیسیوں آدمیوں نے بتایا کہ یہ جو بہت سی لڑکیاں برقع میں جاتی
ہیں، یہ بھی بعد میں برقع اتار دیتی ہیں،اور ننگے سر بے پردہ ہو کر پڑھتی ہیں،اسی ہیئت میں
مرد ٹیچروں کے سامنے بیٹھتی ہیں۔ یہ سب چیزیں ناجائز ہیں۔تو اگر آپ کسی مجبوری کی وجہ
سے عورتوں کے اسکول قائم کرتے ہیں،تو ان کی تعلیم کا انتظام اس طرح کرنا ہوگا کہ
پڑھانے والے دیندار ہوں اور اسکول کی نگرانی کے لیے ایک سفید ریش بوڑھا پہرے دار
ہونا چاہئے ؛ نصاب میں ایسی باتیں رکھنا ضروری ہے،جن سے ان کی مذہبیت مجروح نہ ہو،
ان کے خیالات مذہب کی طرف سے منحرف نہ ہوں ؛ بلکہ مذہب کے باب میں ان کا اعتقاد
اور پختہ ہو، یہ نہیں کہ مجروح ہو جائے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ عام طور سے لڑکیوں کے لباس کی وضع قطع جو آج کل تجویز کی
گئی ہے، وہ صحیح نہیں ہے،لباس کی وضع قطع وہی رکھنی چاہئے جو شریعت اسلامیہ نے تجویز کی
ہے، مثلاً اسکول ہی کے اندر بیٹھ کر پڑھنے کا یہ طریقہ کہ سر کھلا ہوا ہو، ایک اوڑھنی بس یونہی
کندھے پر ڈال کر بیٹھی ہوئی ہیں، خواہ عورتوں ہی کے سامنے ہو، یہ ہرگز شرعی طریقہ نہیں
ہے، انھیں سر کو چھپا کر بیٹھنا چاہئے ، میں اس طرح محض چند مثال آپ کے سامنے رکھ رہا
ہوں، پورا پروگرام نہیں رکھ رہا ہوں۔

میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ زمانہ چاہے جتنا بھی ترقی کر جائے ، روشنی چاہے جتنی
بڑھ جائے ، آپ اور ہم چاہے جتنے بھی روشن خیال ہو جائیں ؛ لیکن احکام اسلام کے اندر

(۱) مراہق اس کو کہا جاتا ہے، جو بالغ ہونے کے قریب ہو۔

کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، اور جو طریقۂ کار عائشہ صدیقہ اور فاطمہ زہرا (رضی اللہ عنہا) کے لیے تھا، وہی طریقۂ تعلیم اور وہی طریقۂ تربیت آج ہماری اور آپ کی بیٹیوں کے لیے رہے گا۔ چودہ سو برس پہلے محمد رسول اللہ ﷺ نے جس طرح عورتوں کے رہنے سہنے اور ان کی تعلیم کا انتظام کیا تھا، اسی کی روشنی میں، اسی کی مطابقت میں، اسی کی پیروی میں آج ہم کو بھی کرنا ہوگا۔ ہمارا یہ عذر اللہ کے نزدیک مسموع نہ ہوگا کہ ارے صاحب زمانہ بہت ترقی کر گیا تھا، فلاں چیز کا اگر خیال کیا جاتا تو دنیا کہتی کہ یہ لوگ کیسے تاریک خیال ہیں، کیسے دقیانوسی ہیں! اللہ کے نزدیک یہ عذر نہیں ہوگا۔ یہ دقیانوسیت نہیں ہیں، یہ اپنے اصول، اپنے طریقۂ کار اور اپنی مذہبیت کے اندر پختگی ہے۔

آج کل کی اور پہلے کی تعلیم کا فرق:

پہلے زمانہ میں عموماً لوگ اپنی لڑکیوں کو خود تعلیم دیتے تھے، تاکہ فتنے سے دور رہیں، بہت سے فقہائے کرام ہیں جنھوں نے اپنی لڑکیوں کو پڑھایا اور اتنا پڑھایا کہ جب وہ کوئی فتوی لکھتے تو لڑکی سے بھی دستخط کرایا جاتا تھا۔ لوگ اپنے اپنے گھروں میں اس کا انتظام کرلیتے تھے، یا اپنے گھر میں نہیں تو دوسرے رشتہ داروں کے یہاں پڑھواتے تھے، بہت سی ایسی محدث عورتیں ہیں کہ بزرگ محدثین کے یہاں جاکر انھوں نے پوری بخاری شریف کی سماعت کی، اور ان سے دوسرے لوگ پردے کے پیچھے سنا کر بخاری شریف کی سند حاصل کرتے تھے، وہاں مدارس کا انتظام نہیں تھا، اس لیے کہ مدارس کے انتظامات میں ذرا اس کا سنبھالنا مشکل تھا۔ عورت کا مسئلہ بڑا نازک ہے، اس کو نباہنا آسان نہیں ہے، اس لیے پہلے اس کا انتظام نہیں کیا گیا تھا۔ میں اعتراض نہیں کروں گا۔ ہاں یہ کہتا ہوں کہ آپ نے ارادہ کیا ہے، تو یہ تمام نزاکتیں آپ کے سامنے رہنی چاہئیں، اور ان چیزوں کی پابندی آپ کو کرنی ہوگی۔ مثلاً بعض جگہ کے لوگ جو نسواں اسکول قائم کیے ہوئے ہیں، انھوں نے چندہ جمع کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ اپنے یہاں سے لڑکیوں کو لے جاتے ہیں، اور

جلسہ کرتے ہیں، اس میں لاؤڈ اسپیکر لگاتے ہیں، ان لڑکیوں سے تقریریں کرواتے ہیں، نظمیں پڑھواتے ہیں۔ یہ طریقہ غلط ہے، عورتوں کا جلسہ کرانا ہے تو کسی مکان کے اندر کسی عورت کو بیٹھا دیجیے اور گھر کی چہار دیواری کے اندر اپنی آواز سے بغیر لاؤڈ اسپیکر لگائے ہوئے قرأت سنادے، وعظ ونصیحت کہہ دے، لاؤڈ اسپیکر کاہے کو لگا رکھا ہے؟ کس کو سنانا ہے؟ انھیں سب نزاکتوں کے پیش نظر پہلے زمانے میں اس کا انتظام نہیں ہوا تھا؛ مگر آپ مُصِر ہیں کہ یہ ہونا چاہئے۔ میں کہتا ہوں کہ کیجئے، مگر ان سب امور کا لحاظ کرنا ہوگا، چندہ مانگنے کے لیے آپ لڑکیوں کو لے جاکر جلسہ کرائیں، ان کی تقریر سنا کر، ان کا نمونہ دکھا کر چندہ مانگیں، یہ نہیں کرسکتے۔ عورت ایک موتی ہے، اس کو اپنی سیپ میں رہنا ہے، یہی اس کی قدر ہے، یہی اس کا گھر ہے، یہی اس کی منزل ہے، یہی اس کی رفعت ہے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اس کی کتنی پابندی کی ہے، اللہ رب العزت نے محمد رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کو خاص طور پر حکم دیا ہے کہ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ (تم اپنے گھروں کی چہار دیواری کے اندر جمی رہو) محمد رسول اللہ ﷺ جب اپنی بیویوں کو لے کر حج کرنے کے لیے گئے، تو اس کے بعد آپ نے کہہ دیا کہ هٰذِهٖ ثُمَّ ظُهُوْرُ الْحُصُرِ [مصنف عبدالرزاق] دیکھو یہی تمہارا حج ہے، جو تم نے ہمارے ساتھ کرلیا، اب اس کے بعد چٹائی پر بیٹھ جاؤ، اور اسی پر جمی رہو، اب حج وج نہیں کرنا ہے۔ حج جیسی چیز کو آپ نے کہا کہ ضرورت سے زیادہ نہیں ہوگا۔

ہر آدمی کی حیثیت میں فرق ہے، مرد اور عورت میں فرق ہے، ان کے احکام میں فرق ہے، ان کی حیثیتوں میں فرق ہے، ان کی مشکلات میں فرق ہے، عورتوں کی کیا مشکلات ہیں؟ مردوں کی کیا مشکلات ہیں؟ ان تمام باتوں کی رعایت کرکے محمد رسول اللہ ﷺ نے جو نمونہ پیش کردیا ہے، اسی نمونہ کے مطابق عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ بھی ہاتھ میں لینا ہے۔

یہ چند باتیں کہنے کے بعد مجھے یہ کہنا ہے کہ میری نیک دعائیں آپ کے ساتھ ہیں؛ مگر اسی وقت تک جب تک آپ اس اصول پر قائم رہیں، یعنی لڑکیوں کی تعلیم کو اسلامی اصول کے مطابق آپ نبھائیں، ان مدارس کو، ان اسکولوں کو اسی طریقہ پر لے چلیں، ویسا ہی انتظام کریں، جو محمد رسول اللہ ﷺ کا پسندیدہ ہے، اللہ رب العزت اور قرآن کی تعلیمات کے مطابق ہے۔ حق تعالیٰ ہم سب کو آنحضور سرور عالم ﷺ کی پیروی کی توفیق دے۔ دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو قرآن کے طریقے کے اوپر، اس کی تعلیمات کے اوپر اس کی ہدایات کے اوپر زندگی میں چلنے کی توفیق دے، اور اسی پر موت عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین. ربنا تقبل منا انّک انت السمیع العلیم، وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین. برحمتک یا ارحم الراحمین.

☆......☆......☆

مدارس کو پرانے طریقے پر رہنے دیجئے

[حضرت رحمۃ اللہ کی مدارس کے سلسلے میں یہ نہایت اہم تقریر ہے، مگر افسوس ہے کہ یہ تقریر پوری نہیں ہے، کیسٹ میں یہ تقریر ہم کو ناقص دستیاب ہوسکی؛ مگر اس کی اہمیت کی وجہ سے جتنا حصہ محفوظ ہے اتنا ہی شائع کیا جارہا ہے، یہ تقریر حضرت نے اس وقت فرمائی ہے، جب مدارس کے طلبہ کو صنعت وحرفت کی تعلیم دینے کی بات کی جارہی تھی؛ مگر ان کے اندر عصری تعلیم داخل کرنے کا مطالبہ اتنے زور وشور سے نہیں ہو رہا تھا، جتنا آج ہے، اس تناظر میں یہ ارشادات کافی اہمیت کے حامل ہیں اور چشم بصیرت کو کھول دینے والے ہیں]

....

....

اس مقصد سے نہیں ہوتا کہ ایک کام کرو، صرف لوگوں کو اسلام سکھانے کے لیے، صرف مسلمانوں کی اصلاح کے لیے، اس ادارے کو ترقی دینے میں کوئی مجھ سے سو قدم آگے بڑھ جاتا ہے، بڑھ جانے دو، وہ تو ہمارا کام تھا، ہم کو کرنا تھا، وہ کر رہا ہے، ہم کو خوش ہونا چاہئے کہ ہم کو کرنا چاہئے تھا، چلو ایک آدمی نے ہمارا بوجھ اپنے سر اٹھالیا۔ اس کو فتنہ بنانا، اس کو لڑائی جھگڑے کی ایک بات بنا دینا، اس کو اس طرح کی بات بنا دینا جیسا کہ پارٹیوں کے اندر ہوتا ہے، یہ بالکل غلط چیز ہے۔ خدائے پاک کا حکم ہے کہ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ نیکی کے کام میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے، ایک دوسرے کا مددگار بننا چاہئے، کہ دینی اداروں کے چلانے کا، اور دینی کاروبار آپ کوئی شروع کرنا چاہتے ہیں، اس کو چلانا چاہتے ہیں، تو اس کا تعاون، اس کا طریقہ اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں یہ بتایا ہے

کہ ایک دوسرے کا تعاون حاصل ہونا چاہئے، کسی کا راستہ نہیں روکنا چاہئے، کسی کا پیر پکڑ
کے نہیں گھسیٹنا چاہئے، اور کسی کی ترقی کو دیکھ کر حسد نہیں کرنا چاہئے، خدا نے کہا تعاونوا
علی البر نیکی کے کام میں ایک دوسرے کی مدد کرنا چاہئے۔

نہایت صدمہ اور تکلیف کی بات ہے، میں آپ سے کہتا ہوں کہ جب مجھ سے
بعض لوگوں نے یہ بیان کیا کہ بہت سے حضرات ایسے ہیں جو قرب و جوار ہی میں رہتے
ہیں، اور اِدھر سے گزرتے ہیں، تو اس مسجد کی طرف نگاہ اٹھا کے بھی نہیں دیکھتے، ان کو اتنی
تکلیف ہے۔ یہ تعاون علی البر والی بات ہے؟ اس میں تو خوشی ہونی چاہئے تھی نا! اس میں تو
اُس آدمی کو شاباش دینی چاہئے تھی، مبارک باد دینی چاہئے تھی کہ ایک ضرورت جو ہم سب کو
مل کر پوری کرنی چاہئے تھی وہ تو نے پوری کر دی، ہمارا بوجھ اتار دیا، خوشی کی بات ہونی
چاہئے تھی؛ مگر لوگوں کو صدمے ہیں، تکلیفیں ہیں۔ اچھا بہر حال اس صدمے اور تکلیف سے
تو کوئی کام اللہ کا رک نہیں سکتا ہے۔ میں جو آپ کو یہ سمجھا رہا ہوں اس واسطے نہیں کہ ہمارے
راستے میں کوئی رکاوٹ ہے، کچھ بھی رکاوٹ نہیں ہے، سمجھے؟ کچھ بھی رکاوٹ نہیں ہے، جو
کچھ ہم اللہ کے لیے کرنا چاہتے ہیں، اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے برابر وہ ترقی روز
بروز دن بدن ترقی کے اوپر ہے، اللہ رب العزت روزانہ غیب سے سامان کرتا ہے، ہماری
جن کاموں کو پورا کرنے کی نیت ہے، اللہ رب العزت روزانہ غیب سے مدد فرماتا رہتا ہے،
کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ کر کے ہم کو اپنی عاقبت نہیں خراب کرنی چاہئے،
آپ ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے ہیں؛ لیکن اپنا بگاڑیں گے اس سے۔ ہم کو مسلمان ہو کے رہنا
چاہئے، اسلام کے کام میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا جذبہ ہمارے اندر ہونا چاہئے،
ہم کو جو دینی ادارہ، جو دینی کاروبار بھی شروع کرنا ہو، خالص مسلمانوں کی اصلاح اور اسلام
کی ترقی اور مسلمانوں کی بہبود کی خاطر کرنا چاہئے۔ اس میں یہ مقصد نہیں ہونا چاہئے کہ اس
کے ذریعے سے چند آدمیوں کی پرورش ہو، مقصد یہ ہونا چاہئے کہ کس سے مسلمانوں کے

اندر تعلیم، دین کی تعلیم، جو ہم کام کر رہے ہیں، اس کے بارے میں کہتا ہوں کہ کس طرح
سے مسلمانوں میں زیادہ سے زیادہ دینی تعلیم پہنچے گی؟ کس طرح سے زیادہ سے زیادہ دینی
معلومات حاصل ہوں گے؟ اور کس طرح سے ہمارے دین اور اسلام کو کم سے کم نقصان پہنچے
گا؟ بس اس طریقے سے کام کرنا ہے۔

تو آج ہماری یہ بات نہیں ہے، دنیاوی کاروبار خدا جانے کتنے پھیلے ہوئے ہیں،
جن کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے، دنیاوی کاروبار اتنے پھیلے ہوئے ہیں، جن کی کوئی حد
و نہایت نہیں ہے، اب یہ ایک آدھ مدرسہ جو ہم لوگ قائم کر لیتے ہیں، تو بہت سے انگریزی
تعلیم یافتہ اور کچھ دوسرے دنیا دار لوگ کہتے ہیں کہ اس میں صنعت و حرفت کا شعبہ بھی کھول
دینا چاہئے۔ ارے دنیا بھر کا تو کھلا ہوا ہے ہی، تم لوگ تو کرتے ہی ہو، ذرا ہمارا مدرسہ تو کم
سے کم دین کے لیے خالی رہنے دو، پھر یہاں سے پڑھنے کے بعد جا کے تم ان کو دنیا سکھاتے
رہنا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جہاں جہاں یہ کیا گیا، کچھ بھی نہیں ہوا، سوائے روپیہ اور پیسہ برباد
ہونے کے اور کوئی نتیجہ نہیں ہے۔ مدرسے میں جو داخل ہوتا ہے، وہ ہدایہ اور مشکوۃ پڑھنے
کے لیے آتا ہے، وہ ڈھرکی چلانے کے لیے اور دنیا والی مشین چلانے کے لیے نہیں آتا۔ کوئی
جوڑ نہیں ہے مشکوۃ پڑھنے اور اُس کام میں۔ لوگ کہتے ہیں کہ صاحب یہ ہونا چاہئے، بہت
سے لوگ اب اس سے بھی آگے بڑھ کے کہتے ہیں کہ ارے جونیئر ہائی اسکول اس میں قائم
کرنا چاہئے صاحب، انگریزی تعلیم بہت ضروری ہے۔ اور اب تو انگریزی بھی جا رہی ہے،
رخصت ہو رہی ہے، اب انگریزی نہیں، وہ ہندی وِندی کی تعلیم اب یہ بہت ضروری ہے۔ جو
آتا ہے، جس کو دیکھو، جو سر پھرا آتا ہے وہ کہتا ہے کہ صاحب! اس کے اندر یہ چیز بہت
ضروری ہے۔ اور یہ نہیں کہتا کوئی کہ جو بڑے بڑے مدارس اور اسکول اور کالج اور
یونیورسٹیاں ہیں، ان کے اندر پوری پکی دین کی تعلیم نہیں داخل کرنے کو کوئی کہتا ہے کہ
صاحب یہاں یہی پڑھاتے ہو صرف نا، پوری پوری قرآن و حدیث کی تعلیم بھی اس میں دینا

ضروری ہے۔ ایک آدمی بیرسٹر ہی ہو کے کیا کرے گا، جب کہ وہ مسائل نہ سمجھے، نماز کے مسائل وہ نہیں جانتا، جب وہ محمد رسول اللہ کی تاریخ نہیں جانتا، وہ صحابہ کے غزوے سے بالکل ناآشنا ہے، کیا کرے گا وہ بیرسٹر ہو کے؟............مگر مدرسہ ہمارا ہے تو اس میں جونیئر ہائی اسکول ضرور ہونا چاہئے۔ یہ سب دین کی تعلیم کو برباد کرنے کے طریقے ہیں، خوب سمجھ لو! دین کی تعلیم کو برباد کرنے کے طریقے کیسے ہیں؟ میں اب تم کو بتاتا ہوں کیسے برباد ہوں گے؟ یہی میری جگہ ہے نا، اس مسجد کے اندر تم قرآن وحدیث اور بخاری اور یہ پڑھاؤ، اور اُس کمرے کے اندر جو ہے A B C D انگریزی پڑھانے والا وہ کردو، وہ انگریزی پڑھانے والا اور پڑھنے والا ہوگا، وہ اپنے گھر سے کوٹ پتلون پہن کے آئے گا، منھ میں سگریٹ ہوگا۔ یہ کہے گا ہمیں لوگ بےوقوف ہیں صاحب، ان لوگوں پر کوئی پابندی نہیں ہے؟ یہ کوٹ پہن کے آویں، یہ پتلون پہن کے آویں، یہ کرسی کے اوپر بیٹھیں، ہم کیوں نہ یہ کریں؟ چنانچہ نتیجہ یہی ہوگا۔ آپ دیکھ لیجئے، یہ منشی وغیرہ کا جو امتحان ہے دیکھ لیجئے، جتنے لڑکے کمبخت آتے ہیں، کہتے ہیں کہ میرا بھی نام منشی میں دے دیجئے۔ پہلے ایک دو منشی وغیرہ میں جاتے تھے، اب جو ہے ہمارے مدارس سے دو دو سو تین تین سو امتحان دینے کے لیے جاتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ دنیا ہے، سمجھا آپ نے؟ نام لکھاتے ہیں وہ ہمارے ان درجات میں عربی کے، اور سارا کام کرتے ہیں وہ منشی کا، عالم کا، اور اس کا اور اس کا، اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پڑھنے کے بعد نہ ان کو ایک مسئلہ آتا ہے، نہ ان کو ایک حدیث آتی ہے، نہ ایک قرآن کی بات آتی ہے، یہی ہوتا ہے۔

میں بہت ساری باتیں کہہ گیا، سمجھانے کا میرے مطلب یہ ہے کہ ہماری دینی تعلیم کو، خدا کے لیے ذرا فارغ رہنے دو، اور اِس کے بعد جس چیز کی تم ضرورت سمجھتے ہو، تھوڑا سا ہم کو دین پڑھا لینے کے بعد تم دنیا بھر کی اس کو جا کے پڑھاتے رہو، ہم کو کوئی رکاوٹ نہیں ہے؛ لیکن ہمارے بیچ میں روڑا مت اٹکاؤ، کہ صاحب اس میں صنعت حرفت

بھی سکھا دیجئے، اس میں انگریزی کی بھی تعلیم دے دیجئے، اس میں بیرسٹر اور وکیل بھی بنوا دیجئے، کہ صاحب یہ نکلیں تو کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم کو پڑھانے دیجئے، ان کو مولوی بنانے دیجئے، کچھ لوگوں کو ایسا بھی رہنے دیجئے کہ نکلنے کے بعد سوائے اذان کہنے کے اور سوائے امامت کرنے کے اور کسی کام کے رہیں، ہم کو خدا کے لیے کچھ ایسے آدمی بھی پیدا کرنے دیجئے، دنیا میں اس کی ضرورت نہیں ہے کہ جتنے نکلیں سب جو ہے ملازم بنیں، اور سب کے سب جا کے کرسیوں پر بیٹھ کر کے کسی دفتر میں کلرک بنیں، یا آئی سی ایس ہوں، سب کی ضرورت نہیں ہے، کچھ تو اللہ کے لیے ایسے آدمی رہنے دو، جن کو سوائے اذان دینے کے اور کچھ نہ آتا ہو، تاکہ جس وقت ہم کو اس مسجد میں اذان دینے کی ضرورت ہو، اور ہم کسی ایسے آدمی کو کہ جو ہمارے ہی مدرسے میں پڑھنے کے بعد وہ ہو گیا بیرسٹر، اس سے کہیں کہ بیرسٹر صاحب! ذرا یہاں موذنی کر دیجئے، وہ کہیں گے میرے ساتھ مذاق کرتے ہیں آپ؟ آپ نے مجھ کو کوئی بدھو سمجھا ہے؟ یہی کہے گا کہ نہیں کہے گا وہ کہ آپ مجھ سے اذان کہنے کو کہتے ہیں؟ کوئی ایسا آدمی جو انگریزی داں ہو مجھے بتا دیجئے کہ وہ اذان کہے اور امامت کرے، وہ کہے گا کہ واہ صاحب! ہم ملا ہیں کوئی؟

تو جو لوگ یہ مشورہ دیتے ہیں، حقیقت میں وہ دینی تعلیم کو برباد کرنے کے درپے ہیں، وہ دین کے خیرخواہ نہیں ہیں، آپ خوب سمجھ لیجئے، وہ دین اور علم دین کے بدخواہ ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ نام ونشان مٹ جائے اس دین اور تعلیم دین کا، یہ آپ خوب سمجھ لیجئے! تو میں آپ سے کہتا ہوں کہ خدا کے لیے دینی کام ذرا بغیر کسی آمیزش کے، سمجھے نا؟ اور وہ ترقی پسندانہ طور پر نہیں، ذرا اُسی دقیانوسی طریقے پر، پرانے طریقے پر، وہ صحابہ وتابعین کے ڈھنگ سے ذرا ہونے دیجئے، کچھ لوگوں کو ایسا بھی ہونے ہی دیجئے کہ جو سوائے اذان اور امامت کرنے کے اور کسی کام کے نہ ہوں، رہنے دیجئے، چاہے اُن کو گھر گھر جا کے جاگیر ہی کھانا پڑے، مگر ایسا ہونے دیجئے، خواہ مخواہ کے لیے روڑے نہ اٹکایئے، ہماری راہ کے اندر آ

کے رکاوٹ نہ پیدا کیجئے ،اوراس بات کو میں جو کہہ رہا ہوں خوب اچھی طرح سے سنجیدگی کے ساتھ آپ سوچئے، کسی دین کے بدخواہ سے مشورہ نہ لیجئے ،آپ اپنے گریبان میں منھ ڈال کے خود غور کیجئے ،اوراپنے ماحول کے اوپر نظر ڈالئے ،اورآپ خوب اچھی طرح سے پرکھ لیجئے کہ جو میں کہتا ہوں وہ ٹھیک ہے؟ یادوسرےلوگ جوفرماتے ہیں وہ ٹھیک ہے؟

بات میں اتنے ہی پرختم کرتا ہوں، دعا کیجئے کہ اللہ رب العزت ہم کو دین کی سمجھ دے! اللہ رب العزت ہم کواس بات کی توفیق دے کہ بزرگوں کا جوترکہ ہمارے پاس موجود ہے، ہم اس ترکے کی حفاظت کرسکیں! اوراس کی حفاظت کرنے میں اسی طورطریقے کےاوپر چلیں، جوان کا طورطریقہ تھا! آج کل نئی دنیا، ترقی یافتہ دنیا جوڈھنگ سکھارہی ہے، اللہ رب العزت ہم کواس سے محفوظ رکھے! اوروہی پرانا طریقہ ہمارے بزرگوں کا، اللہ رب العزت اس طریقے کوسمجھنے کی توفیق ہم کوعطافرمائے!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، رَبَّنَا ظَلَمْنَا أنفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ، رَبِّ يَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَيْرِ، رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ، وصَلَّى اللهُ تَعَالى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلى آلِهٖ وصَحْبِه أجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِکَ يا أرحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.